اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش
موذن کے فضائل
اعتکاف کے آداب
رجال آخرت
تبلیغ والوں کے لئے ہدایات
شیعان علی اور حضرات اہل بیت
غصہ کے اسباب اور اس کا علاج
حج کے انعامات
غدار کی سزا
جواہر پارے

جلد سوم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

شہیدِ اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

باہتمام : محمد طلحہ طاہر

نبیرہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

مکتبہ لدھیانوی

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03212115502

اصلاحی مواعظ

تالیف : شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہمارے دادا جان شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جہاں تصنیف وتالیف اورتحریر و انشاء کے امام تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو وعظ وتقریر اور زبان و بیان کے میدان میں بھی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا،آپؒ کے مواعظ و بیانات نہایت سادہ ،موثر،عام فہم اورمسحور کن ہوتے تھے۔اندازِ بیان میں ناصحانہ و مشفقانہ رنگ غالب ہوتا،مسلمانوں کی خیرخواہی کے جذبہ سے سرشاراور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے وہ موثر مواعظ و بیانات جن سے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، انہیں کیسٹ میں محفوظ کرلیا گیا تھاجسے بعد میں ڈیجیٹائز کیا گیا۔جوکہ’’ شہیدِ اسلام پورٹل‘‘ کے پلیٹ فارم پر دستیاب ہیں۔ان میں سےتقریباً ۱۳۵ کیسٹوں سے ۸ ضخیم جلدیں’’ اصلاحی مواعظ‘‘ کے نام سے مرتب کی گئیں۔جن میں تخریج کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ پر اعراب کا خاص اہتمام کیا گیاہے۔اس طرح آٹھ جلدوں پر مشتمل یہ خوبصورت گلدستہ تیار ہوگیا ہے جوکہ علماء،طلبا،خطبا،مقررین،واعظین اورعوام الناس کے لیے بیش بہا خزانہ ہے۔

حضرت شہیدِ اسلامؒ کی دیگر تصانیف کی طرح’’ اصلاحی مواعظ‘‘(آٹھ جلدوں) پر مشتمل اس گلدستے کو بھی’’ شہیدِ اسلام پورٹل‘‘ کے پلیٹ فارم سے عام کرنے پر ہم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سربسجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ہمارے اکابر کے علوم و فیوض کو عام فرمائے، خلقِ خدا کے لیے نافع اور ہمارے اکابرین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین

جن حضرات کی دعاؤں،توجہات اور سرپرستی سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد شکرگزار ہوں، خصوصاً میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم ،شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ، جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر (ناظم مکتبہ لدھیانوی) جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا،تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔آمین

محمد الیاس لدھیانوی
بانی ومنتظم ''شہیدِ اسلام پورٹل''
www.shaheedeislam.com
info@shaheedeislam.com
+92 321 9264592
۱۴۴۷/۹/۱۵ھ - ۲۰۲۶/۳/۵ء

نوٹ: Mobile اور iPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے Adobe Acrobat کو PDF Reader کے طور پر استعمال کریں۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم ''اصلاحی مواعظ'' کی تیسری جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، اس سے قبل ''اصلاحی مواعظ'' کی دوسری جلد کی منجانب اللہ مقبولیت اور قارئین حضرات کی طرف سے پسندیدگی اور مزید جلدوں کی ترتیب واشاعت کے شدید تقاضے اور مطالبے نے ہمیں تیسری جلد کی ترتیب اور اشاعت کے لئے ہمت اور ولولہ عطا کیا، چنانچہ الحمدللہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں تیسری جلد کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور آج تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

برادرم مولانا محمد اعجاز صاحب استاذ حدیث جامعہ امینہ للبنات کراچی، نے حسبتاً للہ اس کام کو جس قدر اہمیت دی، مضامین کی تصحیح، پروف ریڈنگ اور تخریج احادیث کے سلسلہ میں جس شوق ولگن کا مظاہرہ کیا وہ قابل مبارک باد ہے، اسی طرح برادر مکرم جناب بھائی عبداللطیف صاحب طاؔہر، برادرم مولانا عبدالسلام بابر، مولانا مفتی عبدالقیوم دین پوری، مولانا نعیم امجد سلیمی، جناب عامر صدیقی اور جناب حافظ محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی نے بھی بھرپور تعاون کیا، ان کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہوگی،

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی بارگاہِ عالی سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

پیش نظر جلد ۱۸ مواعظ اور ایک مقالہ پر مشتمل ہے، اس تیسری جلد کی تکمیل کے بعد بحمد اللہ ''اصلاحی مواعظ'' کی چوتھی جلد کا کام شروع کردیا گیا ہے، اسی طرح ہماری کوشش ہے کہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے دستیاب مواعظ کی کیسٹوں کو نقل کرکے کتابی شکل میں لایا جائے، اور امت کو اس خزانۂ عامرہ اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے علوم ومعارف سے روشناس کرایا جائے، اس لئے قارئین میں سے کسی کے پاس اگر حضرت شہید رحمہ اللہ کا کوئی وعظ یا اس کی کوئی کیسٹ ہو تو نقل کرکے ہمیں ارسال کریں، ہم اسے بھی شامل اشاعت کریں گے، والاجر علی اللہ!

حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ کی ترتیب میں ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اس سے مکررات کو حذف کردیں اور جہاں کہیں بات سمجھنے میں دقت محسوس ہورہی ہے، اس کی تسہیل کردیں، لیکن اس کے باوجود بیان ووعظ اور تحریر وتصنیف میں فرق ہوتا ہے اس لئے اگر کہیں وعظ وبیان کی جھلک نمایاں محسوس ہو تو یہ سمجھا جائے کہ ہم نے حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ کے اصلی رنگ کو برقرار رکھنے کے لئے یہ اسلوب برقرار رکھا ہے، اللہ تعالیٰ امت کو اس مفید سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق بخشے، ہماری مغفرت ونجات اور حضرت شہید رحمہ اللہ کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ
سعید احمد جلال پوری
۲۷/۳/۱۴۲۳ھ

فہرست مقالات

تفصیلی فہرست

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعۂ معاش

مؤذنوں کے فضائل

اعتکاف کے آداب

علم اور اہل علم کے فضائل و آداب

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا علمی مقام

صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم اور قرآن کریم

رجالِ آخرت

اپنی اصلاح کی فکر کی ضرورت

دین وایمان سیکھنے کی ضرورت

تبلیغ میں جانے والوں کے لئے ہدایات

عزم پر توفیق کا ملنا

دنیا ایک گزرگاہ!

مطلب پرستی کا دور

حق و باطل کے درمیان امتیاز

شیعانِ علی اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم

غصہ کے اسباب اور اس کا علاج

حج کے انعامات

غدار کی سزا

جواہر پارے

آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش

آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ازواج مطہرات کو ان کے نفقات دے دیتے تھے، ہر ایک کا خرچہ دے دیتے تھے، نو ازواج مطہرات تھیں، ہر ایک کو دے دیتے تھے، اور وہ بھی تو ہماری مائیں تھیں، آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں، آنحضرت ﷺ صبح کو دیتے اور شام کو وہ بھی فقیر ہوتیں، تمام کا تمام خرچ کردیتیں، جو بھی ملتا تھا، اپنے پاس وہ بھی نہیں رکھتی تھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

بزرگان محترم میں نے سنا ہے کہ آپ حضرات ماشاءاللہ حج پر تشریف لے جارہے ہیں، اور حج کے سلسلہ میں کچھ باتیں سننے کے لئے تشریف لائے ہیں۔
حج کے ضمن میں آتا ہے کہ عشق ومحبت کا تقاضا ہے کہ جو شخص حج کرنے جائے وہ مدینہ طیبہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں بھی ضرور حاضری دے۔
بلاشبہ آپ حضرات بھی مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے، اور جانا بھی چاہئے، وہاں آپ دیکھیں گے کہ مدینہ منورہ کی مارکیٹیں، بازار اور دوکانیں اسباب تعیش اور ضروریات زندگی سے پر ہوں گی، جی چاہے گا کہ یہاں کا سب کچھ ہی خرید کرلوں، بھائی! وہاں آنحضرت ﷺ کے زہد کو پیش نظر رکھو گے تو اس مشکل سے نجات ہوجائے گی، اسی طرح اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں یہ نہ ہو کہ آپ یہ سمجھیں کہ یہ سب یوں ہی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوگا، نہیں بھائی! حضرات صحابہ کرامؓ اور آنحضرت ﷺ کی معیشت کا نقشہ ہی کچھ اور تھا، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے سرکار دو عالم ﷺ کے ذریعہ معاش اور آپ ﷺ کی معیشت کا کسی قدر مختصر سا تذکرہ کردیا جائے:

بادشاہ یا فقیر نبی:

حیاۃ الصحابہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک تابعی (عبداللہ الھوزینی) نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ آپ کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی ہوگی کہ حضور اقدس ﷺ کی بہت بڑی مارکیٹ ہوگی، بڑے کارخانے ہوں گے، اور آپ کے لنگر جاری ہوں گے، نہ بھائی! ایسا کچھ نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَةَ! لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِی جِبَالُ الذَّهَبِ۔ جَاءَنِیْ مَلَکٌ وَاِنَّ حُجْزَتَهٗ لَتَسَاوِی الْکَعْبَةِ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقْرَأُ عَلَیْکَ السَّلَامُ وَیَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِیًّا عَبْدًا وَاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِکًا۔ فَنَظَرْتُ اِلٰی جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ اِلٰی أَنْ ضع نَفْسَکَ...... فَقُلْتُ نَبِیًّا عَبْدًا۔“ (مشکوٰۃ ص:۵۲۱)

ترجمہ:...... ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں، اور فرمایا میرے پاس آنے والا آیا اور (وہ بہت ہی طویل تھا) مجھ سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ سلام کہتے ہیں (سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو سلام بھجوایا گیا ہے۔) اور ارشاد فرماتے ہیں کہ بادشاہ نبی

بن کر رہنا چاہتے ہو یا فقیر نبی بن کر رہنا چاہتے ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام (آنحضرت ﷺ کے پاس تھے) ان کی طرف آنحضرت ﷺ نے دیکھا، انہوں نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، مطلب یہ کہ اپنے آپ کو بالکل گرادو، (یعنی یہ کہو کہ بادشاہ نبی نہیں، فقیر نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یا اللہ! میں بادشاہ نبی نہیں بلکہ فقیر نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔“

ایک اور روایت میں ہے، فرمایا:

”وَلٰــکِـنْ أَشْبَـعُ یَـوْمًا وَأَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَـضَـرَّعْـتُ اِلَیْـکَ وَذَکَـرْتُـکَ وَاِذَا شَبِـعْـتُ حَمِدْتُّکَ وَشَکَرْتُکَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۴۲)

ترجمہ:......”لیکن ایک دن کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوک لگے تو میں آپ کی طرف عاجزی کروں اور آپ کو یاد کروں، اور جب کھالوں تو آپ کی حمد کروں اور آپ کا شکر کروں۔“

خلاصہ یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن ملا کرے تاکہ کھاکر تیرا شکر ادا کروں اور دوسرے دن نہ ملا کرے تو میں صبر کروں اور شکر کروں، آنحضرت ﷺ کی ساری معیشت اسی پر گزری ہے۔

درمیان میں ایک بات آگئی، کہ ہر نبی کے دو مشیر آسمان اور دو زمین کے ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے:

”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ وَزِیْرَانِ مِنْ أَھْلِ السَّمَاءِ، وَوَزِیْرَانِ مِنْ أَھْلِ الْأَرْضِ، فَأَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ أَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَأَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ أَھْلِ الْأَرْضِ فَأَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ۔“

(ترمذی ص:۲۰۹)

ترجمہ:......”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو مشیر آسمان سے اور دو مشیر زمین سے مقرر کئے ہیں جو اس کو مشورے دیتے ہیں، اور میرے دو مشیر زمین کے ہیں، اور دو مشیر آسمان کے ہیں، زمین کے مشیر ابوبکر و عمر ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما!) اور آسمان کے مشیر جبرئیل و میکائیل (علیہم السلام) ہیں۔“

آپ ﷺ چونکہ محبوب خلائق ہیں اس لئے انسان تو انسان، ملائکہ اور پہاڑ بھی آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی أُحُدٍ فَقَالَ: اِنَّ أُحُدَ جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ۔“

(مسلم ج:۱ ص:۴۴۶)

ترجمہ:......”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے احد پہاڑ کو دیکھا اور فرمایا: بے شک یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ چیز نہیں رکھی۔

حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے وزیرِ خزانہ:

”عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الْهَوْزِنِيِّ قَالَ: لَقِيْتُ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُؤَذِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَلَبٍ فَقُلْتُ: يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِيْ كَيْفَ كَانَتْ نَفَقَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَا كَانَ لَهُ شَيْءٌ اِلَّا اَنَا الَّذِيْ كُنْتُ اِلٰى ذٰلِكَ مِنْهُ مُنْذُ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلٰى أَنْ تُوُفِّيَ، فَكَانَ اِذَا أَتَاهُ الْمُسْلِمُ فَرَآهُ عَائِلًا يَأْمُرُنِيْ فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَقْرِضُ فَأَشْتَرِيْ الْبُرْدَةَ وَالشَّيْءَ فَأَكْسُوْهُ وَأَطْعِمُهُ، حَتّٰى اِعْتَرَضَنِيْ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ: يَا بِلَالُ! اِنَّ عِنْدِيْ سَعَةً فَلَا تَسْتَقْرِضْ مِنْ أَحَدٍ اِلَّا مِنِّيْ، فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ تَوَضَّأْتُ ثُمَّ قُمْتُ لِأُؤَذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَاِذَا الْمُشْرِكُ فِيْ عِصَابَةٍ مِّنَ التُّجَّارِ فَلَمَّا رَآنِيْ قَالَ: يَا حَبَشِيُّ! قُلْتُ: يَا لَبَّيْهِ. فَتَجَهَّمَنِيْ وَقَالَ قَوْلًا عَظِيْمًا ـ أَوْ غَلِيْظًا ـ وَقَالَ: أَتَدْرِيْ كَمْ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الشَّهْرِ؟ قُلْتُ: قَرِيْبٌ، قَالَ: اِنَّمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ أَرْبَعَ لَيَالٍ فَآخُذُكَ بِالَّذِيْ لِيْ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَ الَّذِيْ أَعْطَيْتُكَ مِنْ كَرَامَتِكَ وَلَا مِنْ كَرَامَةِ صَاحِبِكَ وَاِنَّمَا أَعْطَيْتُكَ لِتَصِيْرَ لِيْ عَبْدًا فَأَذَرَكَ تَرْعٰى فِيْ الْغَنَمِ كَمَا كُنْتَ قَبْلَ ذٰلِكَ، قَالَ: فَأَخَذَنِيْ فِيْ نَفْسِيْ مَا يَأْخُذُ فِيْ أَنْفُسِ النَّاسِ فَانْطَلَقْتُ فَنَادَيْتُ بِالصَّلَاةِ حَتّٰى اِذَا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ وَرَجَعَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی أَھْلِہٖ فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَیْہِ فَأَذِنَ لِیْ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہَ! بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ! اِنَّ الْمُشْرِکَ الَّذِیْ ذَکَرْتُ لَکَ أَنِّیْ أَتَدَیَّنُ مِنْہُ قَدْ قَالَ کَذَا وَکَذَا، وَلَیْسَ عِنْدَکَ مَا یُقْضٰی عَنِّیْ وَلَا عِنْدِیْ وَھُوَ فَاضِحِیْ فَأْذِنَ لِیْ أَنْ آتِیْ بَعْضَ ھٰؤُلَاءِ الْأَحْیَاءِ الَّذِیْنَ قَدْ أَسْلَمُوْا حَتّٰی یَرْزُقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یُقْضٰی عَنِّیْ! فَخَرَجْتُ حَتّٰی أَتَیْتُ مَنْزِلِیْ فَجَعَلْتُ سَیْفِیْ وَجِرَابِیْ وَرُمْحِیْ وَنَعْلِیْ عِنْدَ رَأْسِیْ فَاسْتَقْبَلْتُ بِوَجْھِیَ الْأُفُقَ، فَکُلَّمَا نِمْتُ اِنْتَبَھْتُ فَاِذَا رَأَیْتُ عَلَیَّ لَیْلًا نِمْتُ حَتّٰی اِنْشَقَّ عُمُوْدُ الصُّبْحِ الْأَوَّلِ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَنْطَلِقَ فَاِذَا اِنْسَانٌ یَّدْعُوْ: یَا بِلَالُ! أَجِبْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! فَانْطَلَقْتُ حَتّٰی آتِیَہٖ فَاِذَا أَرْبَعُ رَکَائِبُ عَلَیْھِنَّ أَحْمَالَھُنَّ! فَأَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ: أَبْشِرْ! فَقَدْ جَاءَکَ اللّٰہُ بِقَضَاءِ دَیْنِکَ، فَحَمِدْتُ اللّٰہَ، وَقَالَ: أَلَمْ تَمُرَّ عَلَی الرَّکَائِبِ الْمُنَاخَاتِ الْأَرْبَعِ؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلٰی! قَالَ: فَاِنَّ لَکَ رِقَابَھِنَّ وَمَا عَلَیْھِنَّ ــ فَاِذَا عَلَیْھِنَّ کِسْوَۃٌ وَطَعَامٌ أَھْدَاھُنَّ لَہٗ عَظِیْمُ فِدَکَ! ــ فَاقْبِضْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اقْضِ دَیْنَکَ! قَالَ: فَفَعَلْتُ فَحَطَطْتُّ عَنْھُنَّ أَحْمَالَھُنَّ ثُمَّ عَلَفْتُھُنَّ ثُمَّ عَمَدْتُّ اِلٰی تَأْذِیْنِ صَلَاۃِ الصُّبْحِ، حَتّٰی اِذَا

صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتُ اِلٰى الْبَقِيْعِ فَجَعَلْتُ أُصْبِعِیْ فِیْ أُذُنَیَّ فَقُلْتُ: مَنْ کَانَ يَطْلُبُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنًا فَلْيَحْضُرْ! فَمَا زِلْتُ أَبِيْعُ وَأَقْضِیْ وَأَعْرِضُ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فِی الْأَرْضِ حَتّٰى فَضَلَ عِنْدِیْ أُوْقِيَتَانِ أَوْ أُوْقِيَةٌ وَنِصْفٌ۔ ثُمَّ انْطَلَقْتُ اِلٰى الْمَسْجِدِ وَقَدْ ذَهَبَ عَامَّةُ النَّهَارِ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِی الْمَسْجِدِ وَحْدَهٗ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَا فَعَلَ مَا قِبَلَکَ؟ قُلْتُ: قَضَى اللّٰهُ كُلَّ شَیْءٍ کَانَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَبْقَ شَیْءٌ، قَالَ: فَضَلَ شَیْءٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ! دِيْنَارَانِ، قَالَ: أُنْظُرْ أَنْ تُرِيْحَنِیْ مِنْهُمَا! فَلَسْتُ بِدَاخِلٍ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ أَهْلِیْ حَتّٰى تُرِيْحَنِیْ مِنْهُمَا، فَلَمْ يَأْتِنَا أَحَدٌ فَبَاتَ فِی الْمَسْجِدِ حَتّٰى أَصْبَحَ وَظَلَّ فِی الْمَسْجِدِ الْيَوْمَ الثَّانِیْ، حَتّٰى اِذَا کَانَ فِیْ آخِرِ النَّهَارِ جَاءَ رَاكِبَانِ فَانْطَلَقْتُ بِهِمَا فَكَسَوْتُهُمَا وَأَطْعَمْتُهُمَا، حَتّٰى اِذَا صَلَّى الْعَتَمَةَ دَعَانِیْ، فَقَالَ: مَا فَعَلَ الَّذِیْ قِبَلَکَ؟ قُلْتُ: قَدْ أَرَاحَکَ اللّٰهُ مِنْهُ، فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ شَفَقًا مِنْ أَنْ يُدْرِكَهُ الْمَوْتُ وَعِنْدَهٗ ذٰلِکَ، ثُمَّ اتَّبَعْتُهٗ حَتّٰى جَاءَ أَزْوَاجَهٗ فَسَلَّمَ عَلٰى اِمْرَأَةٍ اِمْرَأَةٍ حَتّٰى أَتٰى مَبِيْتَهٗ۔ فَهٰذَا الَّذِیْ سَأَلْتَنِیْ عَنْهُ۔‘‘ (حیاۃ الصحابۃ ج:۲ ص:۱۹۴تا۱۹۶)

ترجمہ:......''عبداللہ الہوزنی سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم ﷺ کے مؤذن تھے، حلب میں میں نے ان سے ملاقات کی، میں نے کہا: اے بلالؓ! حضور اقدس ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور اقدس ﷺ مجھے ارشاد فرمادیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا، کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرمادیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا بنادیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی، ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر (جب ضرورت ہوا کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا) اس سے قرض لینا شروع کردیا (جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا، اور ارشاد والا کی تعمیل کردیتا) ایک مرتبہ میں وضو کرکے آذان کہنے کے لئے کھڑا ہی تھا تاکہ نماز کے لئے آذان دوں کہ وہ مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا او حبشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور برا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا قریب ختم کے ہے، کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں (اگر

مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا) میں نے جو قرض دیا ہے وہ نہ تو تیری بزرگی کی بنا پر دیا ہے اور نہ تیرے ساتھ کی کسی بزرگی کی بنا پر دیا ہے، میں نے تو صرف اس لئے قرض دیا ہے تاکہ تو میرا غلام بن جائے، اور اسی طرح بکریاں چراتا پھرے جیسا کہ پہلے تھا۔ (یہ کہہ کر چلا گیا) مجھ پر دن بھر جو گزرنا چاہئے تھا وہی گزرا تمام دن رنج وصدمہ سوار رہا۔ میں نے جاکر اذان دی، جب عشاءٔ کی نماز پڑھ لی، آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر گھر کی طرف گئے (تو میں بھی پیچھے چلا گیا) میں نے آپ ﷺ سے گھر کے اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے، جس سے میں قرض لیتا رہتا ہوں، آج اس نے اس اس طرح کہا ہے، (اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ!) نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کرسکتا ہوں، وہ ذلیل کرے گا، اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہوجاؤں، جب آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا، میں حاضر ہوجاؤں گا، یہ عرض کرکے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال اٹھائی، نیزہ اٹھایا، جوتہ اٹھایا (یہ ہی سامان سفر تھا) اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا (کہ صبح کے

قریب کہیں چلا جاؤں گا) رات کو جب بھی تھوڑی سی آنکھ لگتی پھر خوف سے اچانک بیدار ہوجاتا، صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا، بیٹھی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو، اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بیباقی کا انتظام فرمادیا، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ کا گزر ان چار اونٹنیوں کے پاس سے ہوا ؟ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی تیرے حوالے، (میں نے جب دیکھا) تو اس میں کپڑا اور کھانے کا سامان تھا، فدک کے رئیس نے یہ نذرانہ آپ ﷺ کے لئے بھیجا تھا، (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا) آپ یہ سامان قبضہ میں لے لیں اور اپنا قرض ادا کریں، میں نے ایسے ہی کیا، ان اونٹنیوں سے میں نے سامان اتار دیا پھر چرنے کے لئے ان کو چھوڑ دیا، پھر میں نے صبح کی اذان کے لئے ارادہ کیا، جب آپ ﷺ نے نماز پڑھالی تو میں بقیع کی طرف گیا، کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے میں نے کہا جس نے حضور اکرم ﷺ سے قرض لینا ہے وہ حاضر ہوجائے، میں وہ مال بیچتا رہا اور قرض ادا کرتا رہا، اور بیچنے کے لئے سامان لوگوں کو دکھاتا رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا قرض سب ادا ہوگیا، میرے پاس صرف دو

اوقیہ یا ڈیڑھ اوقیہ باقی بچی، پھر میں مسجد کی طرف گیا اور دن کا اکثر حصہ گزر گیا، حضور اقدس ﷺ اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے، میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں دو دینار باقی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے، ضرورتمند آئے نہیں، تو حضور ﷺ نے دوسرے دن مسجد ہی میں آرام فرمایا، دن کے آخری حصہ میں دو آدمی سواری پر آئے میں ان دونوں کو لے کر گیا، دونوں کو کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا، دوسرے دن عشاءً کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا، حضور ﷺ نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثناءً فرمائی، حضور ﷺ کو یہ ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آجائے اور کچھ حصہ مال کا آپ ﷺ کی مِلک میں رہے، اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی گزران تھی جو تو نے مجھ سے پوچھی۔"

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کے معاملے پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا اس آدمی نے کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ حضرت بلالؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں حضور اقدس ﷺ کا وزیر خزانہ تھا، جب بھی کوئی مہمان آتے، ایک یا زیادہ...... ان کو کپڑے کی ضرورت ہوتی، ان کو روٹی کی ضرورت ہوتی، ان کو کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی، آنحضرت ﷺ مجھے ارشاد فرماتے تھے، اور میں کسی سے قرض لے لیتا، اور اس ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دیتا، ایک دن ایک یہودی مجھے ملا، وہ کہنے لگا کہ تمہیں ہر مہینے قرض لینا پڑتا ہے، تم مجھ سے قرض لے لیا کرو (یہودی اور اتنا فیاض...... ماشاء اللہ!) مجھ سے قرض لے لیا کرو اور پرواہ نہ کرو، میں نے کہا بہت بہت شکریہ، چنانچہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تو میں اس کے پاس پہنچ جاتا قرض کے لئے، ابھی مہینہ ختم ہونے میں کوئی تین چار دن باقی تھے میں وضو کر کے اذان کے لئے تیاری کر رہا تھا کہ اتنے میں وہ یہودی آیا اور اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے، مجھے کہنے لگا کہ او حبشی غلام! مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں، میں نے کہا کوئی یہی دو چار دن باقی ہیں، کہنے لگا، اگر مہینہ ختم ہونے پر میرا قرض ادا نہ کیا تو تجھ کو بیچ دوں گا، اس طرح اونٹ، بکریاں جا کر چرائے گا جس طرح پہلے چرایا کرتا تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

مجھے وہ صدمہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا، عشاءؔ کی نماز کے بعد میں حاضر خدمت ہوا اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ یہودی جس سے میں قرض لیا کرتا تھا اس نے مجھے ایسا کہا ہے، وہ یہودی ہے، اس کو تو کوئی ادب نہیں، لحاظ نہیں، اگر حضور ﷺ اجازت فرمائیں تو اتنی دیر کے لئے باہر چلا جاؤں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے

لئے کوئی انتظام فرمادیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا! (آنحضرت ﷺ کی اس ''بہت اچھا'' پر مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے، کبھی آنحضرت ﷺ نے کسی کو نہیں ٹوکا) فرمایا کہ میں نے اپنی تلوار، اپنی ڈھال اور اپنے جوتے سرہانے رکھ لئے اور صبح صادق کے انتظار میں بیٹھ گیا کہ صبح ہو تو جاتا ہوں، روشنی ہوجائے ذرا، اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آنحضرت ﷺ تجھ کو یاد فرماتے ہیں، میں حاضر خدمت ہوا، آنحضرت ﷺ کے در دولت پر چار اونٹنیاں بیٹھی تھیں، اور لدی ہوئی، ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضے کا انتظام فرمادیا ہے، یہ اونٹنیاں جو غلے سے لدی ہوئی ہیں، فدک کے بادشاہ نے مجھے بھیجی ہیں، جاؤ اپنا قرضہ ادا کرو، یہ تمہاری ہیں، میں بہت خوش ہوگیا، آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی، میں نے ان اونٹنیوں کو بھی بیچا، اونٹنیاں بھی تھیں اس میں اس پر جو بار لدا ہوا تھا وہ بھی تھا، اس یہودی کا بھی قرضہ ادا کیا اور بھی جتنے قرضے تھے ادا کئے، میں نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا تمام بوجھ ادا کردیا ہے، فرمایا کچھ بچا بھی ہے، عرض کیا حضرت! کچھ ابھی باقی ہے، ارشاد فرمایا کہ میں مسجد سے اس وقت جاؤں گا گھر جب تم اس کو خرچ کردوگے، میں نے کہا حضرت اتنا جلدی تو خرچ نہیں ہوسکتا، فرمایا پھر میں نہیں گھر جاتا، رات اسی مسجد میں گزاروں گا، دوسرے دن وہ میں نے نمٹایا اور آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ یا رسول اللہ! وہ سارا مال خرچ ہوگیا ہے، ٹھکانے لگ گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! اور آپ اپنے گھروں میں تشریف لے گئے، تمام ازواج مطہرات کو جاکے سلام کہا، تو وہ صاحب جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا، ان کے سوال کا جواب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش یہ تھا۔

چند سکوں کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آئی:

’’عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَاهِمُ الْوَجْهِ فَخَشِیْتُ ذٰلِکَ مِنْ وَجْعٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لَکَ مِنْ سَهْمِ الْوَجْهِ؟ فَقَالَ مِنْ أَجَلِ الدَّنَانِیْرِ السَّبْعَةِ الَّتِیْ أَتَیْنَا بِهَا أَمْسِ أَمْسَیْنَا وَهُوَ فِیْ خصم الْفِرَاشِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ أَتَتْنَا وَلَمْ نُنْفِقْهَا۔‘‘ (مسند احمد)

ترجمہ:...... ’’ایک رات آنحضرت ﷺ باہر سے گھر میں تشریف لائے اور پریشانی کی حالت میں تھے، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ڈر گئی شاید آپ کو کوئی تکلیف ہے، میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا کچھ تکلیف ہے؟ آپ بے چین سے ہیں، سرہانے سے وہ چند سکے نکال کر کے دکھائے، فرمایا یہ آج خرچ نہیں ہوسکے۔‘‘

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

’’مَا ظَنَّ مُحَمَّدٌ لَوْ لَقِیَ اللّٰهَ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ وَمَا تَنْفِیْ هٰذَا مِنْ مُحَمَّدٍ لَوْ لَقِیَ اللّٰهُ وَهٰذَا عِنْدَهٗ۔‘‘

(بیہقی ج:۶ ص:۳۵۶)

ترجمہ:...... ’’مجھے اس چیز سے شرم آتی ہے کہ اگر میری وفات اس حالت میں ہوجائے کہ یہ سکے میرے پاس موجود ہوں تو میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟‘‘

ازواج مطہرات گھر میں کچھ نہیں رکھتی تھیں:

آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ازواج مطہرات کو ان کے نفقات دے دیتے تھے، ہر ایک کا خرچہ دے دیتے تھے، نو ازواج مطہرات تھیں، ہر ایک کو دے دیتے تھے، اور وہ بھی تو ہماری مائیں تھیں، آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں، آنحضرت ﷺ صبح کو دیتے اور شام کو وہ بھی فقیر ہوتیں، تمام کا تمام خرچ کردیتیں، جو بھی ملتا تھا، اپنے پاس وہ بھی نہیں رکھتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے:

”أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ أُمِّ ذَرَّةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ أُتِیتُ عَائِشَةَ بِمَائَةَ أَلْفٍ فَفَرَّقْتُھَا وَھِیَ یَوْمَئِذٍ صَائِمَةٌ فَقُلْتُ لَھَا: أَمَا اسْتَطَعْتِ فِیمَا أَنْفَقْتِ أَن تَشْتَرِیَ بِدِرْھَمٍ لَحْمًا تَفْطُرِینَ عَلَیْهِ۔ فَقَالَتْ: لَوْ كُنْتِ اذْكَرْتِنِی لَفَعَلْتُ۔“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۳۱۴، الاصابہ ج:۴ ص:۳۵۰)

ترجمہ:......”ام ذرہ رضی اللہ عنہا (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں) سے روایت ہے کہ ایک لاکھ دینار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیئے گئے جو (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بوری مستقل دراہم کی پہنچی، آنحضرت ﷺ کے بعد کا قصہ ہے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تقسیم کرنا شروع کردیا، سارا نمٹا دیا، اور روزے سے تھیں، اور گھر میں روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، خادمہ کہنے لگی کہ حضرت! شام کو روزہ افطار کرنے کے لئے کم از

کم کچھ رکھ لیتے ، روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں، فرمانے لگیں یا تو پہلے یاد دلا دیتی تو میں کچھ رکھ لیتی، اب عورتوں کی طرح طعنے دینے کا کیا فائدہ؟''

واقعہ ایلا:

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات سے ناراض ہوگئے تھے، وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ امت کے گھروں میں ماشآء اللہ اب بڑی کشائش ہوگئی ہے، لیکن ہماری حالت وہی ہے، تو ایک نے کہا کہ آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائیں گے، تو ایک نے کہا میں فلانی چیز مانگوں گی، دوسری نے کہا میں فلانی چیز مانگوں گی، تیسری نے کہا میں فلانی چیز مانگوں گی، چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو ساری جمع ہوگئیں، اور آپ سے مطالبہ کرنے لگ گئیں، آنحضرت ﷺ چپ، خاموش رہے، ایک حرف نہیں فرمایا، جھڑکا نہیں، کوئی بات نہیں کی، لیکن ایک بالا خانہ تھا اوپر اس میں تشریف لے گئے، سب بیویوں سے الگ ہوگئے، ایک مہینہ بیویوں کے پاس نہ جانے کی گویا قسم کھالی۔

اسی منظر میں دو واقعے یاد دلاتا ہوں، ایک تو جب آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات سے ناراض ہوگئے، حضرات صحابہ کرامؓ پر اس کا کتنا اثر ہوا، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو کہا گیا:

''فَقَالَ: قَدْ حَدَثَ الْيَوْمَ أَمْرٌ عَظِيْمٌ! قُلْتُ: مَا هُوَ؟ أَجَاءَ غَسَّانُ؟ قَالَ: لَا! بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَأَهْوَلُ، طَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَآءَهُ۔''

(بخاری ج:۲ ص:۷۸۱)

ترجمہ:...... ’’تو کسی نے جا کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ آج ایک بہت بڑا واقعہ ہوگیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔‘‘

لوگوں میں مشہور ایسا ہوگیا، (اللہ اکبر!) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا تھوڑے فاصلے پر رہتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

’’فَجَمَعْتُ عَلَیَّ ثِیَابِی فَصَلَّیْتُ صَلٰوۃَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَدَخَلْتُ عَلٰی حَفْصَۃَ، فَاِذَا ھِیَ تَبْکِیْ، فَقُلْتُ: مَا یُبْکِیْکِ؟ اَلَمْ اَکُنْ حَذَّرْتُکِ ھٰذَا؟ اَطَلَّقَکُنَّ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: لَا اَدْرِیْ ھَا ھُوَ ذَا مُعْتَزِلٌ فِی الْمَشْرَبَۃِ۔‘‘

ترجمہ:...... ’’کہ میں نے کپڑے سمیٹے سب سے پہلے میں نے حضور ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، پھر حضرت حفصہ کے پاس، رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المؤمنین کے پاس گیا اور ان کو ڈانٹا کہ میں تجھے نہیں کہا کرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایسی بدمزاجی نہ کیا کرو، (اب آیا مزہ) پھر پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے تجھے طلاق دے دی ہے، وہ کہنے لگیں مجھے معلوم نہیں وہ اوپر بالا خانہ میں تشریف فرما ہیں، وہ ساری بیٹھی رو رہی تھیں۔‘‘

’’فَجِئْتُ الْمَشْرَبَۃَ الَّتِیْ فِیْھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لِغُلَامٍ لَہٗ اَسْوَدُ اِسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، فَدَخَلَ الْغُلَامُ فَکَلَّمَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ:

كَلَّمْتُ النَّبِيَّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ۔ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَجِدُ فَجِئْتُ، فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ، فَدَخَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ، فَرَجَعْتُ فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِيْنَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَجِدُ فَجِئْتُ الْغُلَامَ، فَقُلْتُ اسْتَأْذِنْ، فَدَخَلَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيَّ فَقَالَ: قَدْ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا قَالَ اِذَا الْغُلَامُ يَدْعُوْنِيْ فَقَالَ: قَدْ اَذِنَ لَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔" (بخاری ج:۲ ص:۷۸۱)

ترجمہ:...... "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس بالاخانے پر گیا اور آپ ﷺ کا ایک خادم ٹانگیں لٹکائے ہوئے سیڑھی پر بیٹھا تھا، میں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھو کہ عمر آنا چاہتا ہے، وہ گئے جاکے پوچھا ہوگا، واپس آکر کہا: میں نے پیغام پہنچادیا تھا، لیکن جواب نہیں ملا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ تو مسجد میں رو رہے تھے، کہرام مچا ہوا تھا، لیکن مجھ سے تو رویا نہیں جاتا تھا، تھوڑی دیر کے بعد پھر میں گیا، پھر خادم سے پوچھا، وہ گئے اور آکر کے وہی جواب دیا، کہ میں نے پیغام عرض کردیا تھا، لیکن جواب نہیں ملا۔ میں پھر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد پھر گیا، اور پھر

آپ ﷺ نے خاموشی فرمائی؟ انہوں نے آکر مجھے جواب دے دیا، یہ واپس لوٹنے لگے تو پیچھے سے خادم نے آواز دے دی کہ ''اجازت مل گئی ہے'' یعنی آنحضرت ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے، (دل میں ارادہ کر کے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو ہنساؤں گا، کوئی ایسی بات کروں گا کہ آنحضرت ﷺ ہنس پڑیں)

چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''ثُمَّ قُلْتُ وَاَنَا قَائِمٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَطَلَّقْتَ نِسَاءَکَ؟ فَقَالَ: لَا! ثُمَّ قُلْتُ وَاَنَا قَائِمٌ اَسْتَأْنِسُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ رَأَیْتَنِیْ وَکُنَّا مَعْشَرُ قُرَیْش نَغْلِبُ النِّسَآءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ اِذَا قَوْمٌ تَغْلِبُھُمْ نِسَآئُھُمْ۔ فَتَبَسَّمَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ...... الخ۔'' (بخاری ج:۲ ص:۷۸۲)

ترجمہ:......''میں نے سب سے پہلے تو یہ پوچھا کہ کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بس! میری تسلی ہوگئی، میں نے کہا یا رسول اللہ جب ہم مکے میں ہوتے تھے تو وہاں کے مرد عورتوں پر غالب ہوتے تھے، اور دبا کر رکھتے تھے، یہاں ہم مدینہ طیبہ میں آئے تو یہاں معاملہ الٹ تھا، یہاں کی عورتیں مردوں پر حاوی تھیں، اور ان کی دیکھا دیکھی یہی بات کچھ ہماری عورتوں نے بھی سیکھ لی،

آنحضرت ﷺ ذرا سے مسکرائے، پھر میں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں حضرت ﷺ کا توشہ خانہ دیکھوں! فرمایا اجازت ہے۔“

حضور ﷺ کے گھر کی کل کائنات:

”فَجَلَسْتُ حِينَ رَأَيْتُهُ تَبَسَّمَ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فِي بَيْتِهِ فَوَاللهِ مَا رَأَيْتُ فِيهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ أُهْبَةٍ ثَلَاثَةٍ ...... الخ۔“ (بخاری ج:۲ ص:۷۸۲)

ترجمہ:......”فرماتے ہیں جب میں نے آپ ﷺ کو خوشی میں دیکھا تو میں بیٹھ گیا، پھر میں نے آپ ﷺ کے گھر میں نظر دوڑائی، اللہ کی قسم پورے گھر میں سوائے دو تین کھالوں کے اور کچھ نظر نہیں آیا، (اور کچھ کرز، کرز کہتے ہیں رنگائی کا سامان، کھالیں رنگنے کا سامان، اتنی سی پوٹلی اس کی پڑی تھی، اور اللہ اللہ خیر صلہ!)

یہ کل کائنات تھی آنحضرت ﷺ کے گھر کی۔

آنحضرت ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے آنے سے تکلف نہیں فرماتے تھے، اسی طرح لیٹے رہے، ان سے بے تکلفی تھی، چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کے نشانات جسم اطہر پر پڑے ہوئے تھے، بدن پر کرتہ نہیں تھا، میری آنکھوں سے آنسو آگئے اور میں نے عرض کیا:

”فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! اُدْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى

اُمَّتِکَ، فَإِنَّ فَارِسًا وَّالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَیْهِمْ وَاُعْطُوْا الدُّنْیَا وَهُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ۔ فَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ مُتَّکِئًا، فَقَالَ: اَوَ فِیْ هٰذَا اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ اِنَّ اُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلُوْا طَیِّبَاتِهِمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اسْتَغْفِرْ لِیْ......الخ۔“ (بخاری ج:۲ ص:۷۸۲)

ترجمہ:......”یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے وسعت کی دعا کیجئے، قیصر وکسریٰ تو اتنے تاج وتخت کے مالک ہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہوکر اس حالت میں ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی پاکیزہ چیزیں یعنی نعمت کی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئیں (آخرت میں ان کے لئے کچھ ہی نہیں، اور آخر میں فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ ان کو دنیا ملے اور ہمیں آخرت ملے) میں نے کہا یارسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے! استغفار کیجئے، مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔“

حضور ﷺ کی نظر میں دنیا کی قیمت:

جس دنیا کے لئے ہم مارے مارے پھر رہے ہیں، حضور ﷺ کی نظر میں اس کی قیمت بکری کی مینگنی کے برابر بھی نہیں ہے، اور صحیح کہہ رہا ہوں۔

اور دوسرا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسی کے ساتھ ہے، جب مہینہ ختم ہوا تو آنحضرت ﷺ اوپر سے نیچے اترے اور سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، اور جاکر فرمایا:

”اِنِّـی ذَاکِـرٌ لَّکِ اَمْـرًا فَـلَا عَلَیْکِ اَنْ تَسْتَعْجِلِیْ حَتّٰی تَسْتَأْمِرِیْ اَبَوَیْکِ وَقَدْ عَلِمَ اَنَّ اَبَوَیَّ لَمْ یَکُوْنَا یَأْمُرَانِّیْ بِفِرَاقِهٖ...... الخ۔“ (بخاری ج:۲ ص:۷۰۵)

ترجمہ:...... ”عائشہ! ایک بات کہنا چاہتا ہوں اپنے ماں باپ کے مشورے کے بغیر جواب نہ دینا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا خیال تھا کہ چونکہ ان کی عمر اتنی پختہ نہیں اور ان کے والدین معمر ہیں، وہ اچھا مشورہ دیں گے، اور وہ اسے جدائی کا مشورہ نہیں دیں گے۔“

حضرت عائشہؓ کہنے لگیں کہ آپ بات تو کریں، اگر والدین سے مشورے کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی کرلیں گے، تب آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں آپ سے کہوں:

”یـآ اَیُّهَـا الـنَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُـنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَـمِیْلاً۔وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ۔ فَاِنَّ اللهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔“

(الاحزاب:۲۸،۲۹)

ترجمہ:...... ”اے نبی ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں فارغ کردیتا ہوں اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردیتا ہوں، اگر تم اللہ کو، اس کے رسول کو، اور آخرت کے گھر کو

چاہتی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔“

حضرت عائشہؓ کی ذہانت ومحبت رسول ﷺ:

آنحضرت ﷺ نے آیتیں پڑھیں، لمبی آیتیں ہیں، رکوع تو پورا ہے، حضرت عائشہؓ نے سن لیں۔

”فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّکَ كُنْتَ قَدْ اَقْسَمْتَ اَنْ لَّا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا وَّاِنَّمَا اَصْبَحْتَ مِنْ تِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ لَيْلَةٍ اَعُدُّهَا عَدًّا؟ فَقَالَ: اَلشَّهْرُ تِسْعٍ وَّعُشْرُوْنَ فَكَانَ ذٰلِکَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعُشْرُوْنَ لَيْلَةٌ۔“

(بخاری ج:۲ ص:۷۸۲)

ترجمہ:......”پہلی بات تو یہ کہی کہ یارسول اللہ! آپ نے تو مہینہ کی قسم کھائی تھی نہ آنے کی اور آج تو انتیس دن ہوئے ہیں، فرمانے لگے تمہیں کیسے معلوم، فرمایا میں نے گن گن کر دن گزارے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی تو ہوتا ہے۔“

اور دوسری بات یہ کہی کہ:

”اَفِيْکَ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَیَّ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ بَلِ اخْتَارُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔“

(مسلم: ص:۴۸۰)

ترجمہ:......”یارسول اللہ! آپ کے بارے میں مجھے

ماں باپ سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہے؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔“

اس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا کوئی مطالبہ نہیں آئندہ، خبردار! اگر تمہیں دنیا چاہئے تو بڑی دنیا ہے، دنیا والوں کے پاس، آؤ تمہیں فارغ کردیتا ہوں، ورنہ آج کے بعد تمہارا کوئی مطالبہ نہیں ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

”بَلِ اخْتَارُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔“

بلکہ میں اللہ اور اللہ کے رسول کو اختیار کرتی ہوں، اس کے لئے مجھے ماں باپ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

”وَاَسْاَلُکَ اَنْ لَّا تُخَبِّرَ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَآءِکَ بِالَّذِیْ قُلْتُ، قَالَ: لَا تَسْأَلُنِیْ اِمْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا...... الخ۔“

(مسلم ج:۱ ص:۴۸۰)

ترجمہ:......”اور ایک بات یہ کہی کہ یا رسول اللہ! ایک بات میری قبول کرلیں، وہ یہ کہ اگر کوئی دوسری خاتون آپ کی بیویوں میں سے پوچھے کہ عائشہؓ نے کیا جواب دیا؟...... تو کسی کو میرا جواب نہ بتایئے (ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی تو کم ہو، نو کی بجائے آٹھ ہی رہ جائیں، کم ازکم ایک ٹوٹے، آٹھویں دن باری آجائے)، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کوئی مجھ سے پوچھے گی تو میں بتاؤں گا، اپنے آپ نہیں بتاؤں گا۔“

ازواج مطہرات کے جوابات:

چنانچہ ایک ایک کے پاس تشریف لے گئے اور وہی مضمون (حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا والا) ان سب کو سنایا، ایک ایک کو سنایا، اور باقی حضرت عائشہؓ تو نویں تھیں، آٹھ پیچھے رہ گئیں، آٹھ کی آٹھ کا جواب یہی تھا کہ عائشہؓ نے کیا جواب دیا ہے؟ ہر ایک خاتون یہ سوال پوچھتی تھی کہ عائشہؓ نے کیا جواب دیا، آنحضرت ﷺ فرماتے کہ اس نے تو یہ جواب دیا ہے، تو ہر ایک نے کہا: ’’بَلِ اخْتَارُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔‘‘ (بلکہ میں اللہ اور اللہ کے رسول کو اختیار کرتی ہوں)۔

بس! اس پر ختم کرتا ہوں، آنحضرت ﷺ کی باتیں تو اتنی مزیدار اور اتنی لذیذ ہیں کہ ساری رات ہی بیان کرتا رہے آدمی، اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، بیویاں ہمارے گھر میں بھی ہیں، بیویاں حضور ﷺ کے گھر میں بھی تھیں، ہمیں چار نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

ایک نوجوان آیا میرے پاس، لمبی بات ہے مختصر کرتا ہوں، ماموں کانجن میں، ہمارے برابر میں، گلی کے سامنے ایک خاتون رہتی تھی ڈاکٹر، اس کا بھائی تھا، آ کے پوچھا اور بہت سے سوال کئے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ ہمیں چار کرنے کی اجازت ہے، اور سنا ہے حضور ﷺ کی نو بیویاں تھیں، میں نے کہا بیٹھ جاؤ، لمبی بات اس سے کی، اس سے میں نے کوئی گھنٹہ لگایا، پورا وقت لگایا، عصر کے بعد مغرب تک اور اس کا آخری لفظ یہ تھا کہ اگر تم مجھے آدمی سمجھتے ہو تو میں سمجھ گیا ہوں، بات کو سمجھ گیا ہوں، میں نے کہا تھا کہ مجھے اور آپ کو اور امت کے سارے لوگوں کو چار چار بیویوں کی اجازت ہے، میں تو اب کچھ تھوڑا سا موٹا ہو گیا ہوں، بڑھاپے کی وجہ سے، اس وقت تو بالکل ہی دبلا پتلا تھا، میں نے کہا ذرا میری شکل کی طرف دیکھ لیجئے، ایک عورت کے بھی قابل ہے؟ اور آپ تو مجھ سے بھی گئے گزرے ہیں، میں نے کہا ہمارے ساتھ یہ رعایت کی ہے کہ چار بیویوں کی اجازت دی ہے بشرطیکہ عدل و انصاف ہو۔

آنحضرت ﷺ کی قوت:

اور آنحضرت ﷺ کو سو جنتی آدمیوں کی قوت عطا فرمائی گئی تھی، اور ایک جنتی میں چالیس پہلوانوں کی طاقت ہوتی ہے، یہاں گاما پہلوان، یہاں کا...... اس کے چالیس گاموں کی طاقت اور حضور اقدس ﷺ میں طاقت تھی سو جنتیوں کی......تو کتنے بنے بھائی...... چار ہزار، اور ایک آدمی کو کتنے کی اجازت ہے، چار بیویوں کی، تو چار ہزار کو چار سے ضرب دینے سے کتنے ہوئے بھائی......سولہ ہزار میں نے کہا حضور ﷺ کو سولہ ہزار کی اجازت ہونی چاہئے تھی، اب ایک آدمی کو سولہ سو روٹی کی بھوک ہے اور اس کو نو دی جاتی ہیں، اور ایک آدمی ایک روٹی بھی پوری نہیں کھا سکتا، اس کو چار دے دی جاتی ہیں، وہ ایک بھی نہیں کھا سکتا، کہتا ہے میں ایک بھی نہیں کھا سکتا، اب تم بتاؤ کہ ہمارے ساتھ زیادہ رعایت کی ہے یا حضور ﷺ کے ساتھ زیادہ رعایت کی ہے، اب میں نے اس کو نمبر وار باتیں کہیں، نمبر ایک، نمبر دو، نمبر تین، نمبر چار، جب میں نے نمبر پانچ کہا، پتہ نہیں کہاں سے، اللہ تعالیٰ القا فرما رہے تھے، میں تو سوچ کر بھی نہیں بیٹھا ہوا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا، کیا پوچھ رہا ہے یہ، جب نمبر چار پورا کر کے نمبر پانچ شروع کر دیا میں نے، تب اس نے یہ کہا کہ اگر تم مجھے انسان سمجھتے ہو تو میں سمجھ گیا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مؤذنوں کے فضائل

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ میں حج نہ کرتا، عمرہ نہ کرتا اور جہاد فی سبیل اللہ نہ کرتا۔ (مطلب یہ کہ اذان دینا ایسا عمل ہے جو تمام نیک اعمال کے قائم مقام ہوجاتا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”وَاَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ: عَنْ اَبِی الْوَقَّاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سِهَامُ الْمُؤَذِّنِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَسِهَامِ الْمُجَاهِدِیْنَ وَهُمْ فِیْمَا بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ کَالْمُتَشَحِّطِ فِیْ دَمِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ قَالَ: وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْ کُنْتُ مُؤَذِّنًا مَا بَالَیْتُ اَنْ لَّا اَحُجَّ وَلَا اَعْتَمِرَ وَلَا اُجَاهِدَ۔ قَالَ: وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: لَوْ کُنْتُ مُؤَذِّنًا لَکَمُلَ اَمْرِیْ وَمَا بَالَیْتُ اَنْ لَّا اَنْتَصِبَ لِقِیَامِ اللَّیْلِ وَلَا صِیَامِ النَّهَارِ۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ! اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ! فَقُلْتُ تَرَکْتَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَنَحْنُ نَجْتَلِدُ عَلَی الْاَذَانِ بِالسُّیُوْفِ۔ قَالَ: کَلَّا یَا عُمَرُ اِنَّهٗ سَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَتْرُکُوْنَ الْاَذَانَ عَلٰی ضُعَفَائِهِمْ وَتِلْکَ لُحُوْمٌ حَرَّمَهَا اللّٰهُ عَلَی النَّارِ لُحُوْمُ الْمُؤَذِّنِیْنَ۔ قَالَ: وَقَالَتْ (عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا) لَهُمْ هٰذِهِ الْآیَةُ: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ

وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ قَالَتْ: هُوَ الْمُؤَذِّنُ۔ فَاِذَا قَالَ: حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ فَقَدْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَاِذَا صَلّٰی فَقَدْ عَمِلَ صَالِحًا وَاِذَا قَالَ: اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔"

(کنزالعمال ج:۸ ص:۳۳۸ حدیث:۲۳۱۵۸)

ترجمہ:......"امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ابوالوقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ: قیامت کے دن جس طرح مجاہدین فی سبیل اللہ کو حصے ملیں گے اسی طرح کے حصے مؤذنین کو ملیں گے، یعنی اذان کہنے والوں کو اور اذان اور اقامت کے درمیان میں جو وقفہ ہوتا ہے وہ وقفہ ایسا ہے گویا مؤذن اپنے خون میں لت پت ہوتا ہے جیسا کہ شہید اللہ کے راستے میں شہید ہوجائے تو خون میں لت پت ہوجاتا ہے، جو شخص اذان کہنے کے بعد اقامت کا منتظر ہو وہ خون میں لت پت ہے یعنی اس کا اتنا اجر ہے جتنا کہ اللہ کے راستے میں زخمی ہونے والے اور خون میں لت پت ہونے والے کا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ میں حج نہ کرتا، عمرہ نہ کرتا اور جہاد فی سبیل اللہ نہ کرتا۔

(مطلب یہ کہ اذان دینا ایسا عمل ہے جو تمام نیک اعمال کے قائم مقام ہوجاتا ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو میرے لئے اذان کہنا ہی

کافی ہوتا رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنا اور دن کو روزے رکھنا اس کی مجھے ضرورت نہ رہتی اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا آپ فرماتے تھے :''اللھم اغفر للمؤذنین، اللھم اغفر للمؤذنین'' یا اللہ اذان کہنے والوں کی بخشش فرمادے، یا اللہ اذان کہنے والوں کی بخشش فرمادے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو اتنی ترغیب دلادی کہ آئندہ ہم اذان کہنے کے لئے تلواروں سے لڑا کریں گے (میں کہوں گا کہ میں اذان کہوں گا،دوسرا کہے گا کہ میں اذان کہوں گا، دونوں کی تلواریں نکل آئیں گی یعنی اتنا بڑا عمل کہ اذان کے لئے لوگ تلواروں سے لڑا کریں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عمر! تم سمجھے نہیں ہو، تم سمجھے نہیں ہو، ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ اذان کا کام سب سے گھٹیا قسم کے جو لوگ ہوں گے ان پر ڈال دیں گے (یہ کون ہے؟ کہتے ہیں کہ جی مسجد کا مؤذن ہے یہ کون ہے؟ ہماری مسجد کا مؤذن ہے یعنی اذان دینا اتنا گھٹیا کام بن گیا کہ سب سے جو گھٹیا آدمی ہوتا ہے اس پر ڈالا جاتا ہے یہ ہماری مسجد کا خادم ہے، مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، صفیں ٹھیک کرتا ہے، یہ مسجد کا مؤذن ہے اور باقی کون ہیں؟ چودھری صاحب، خان صاحب، لاحول ولا قوۃ الا باللہ! اور واقعی جو رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوگئی، اب تو ثواب کا کام سمجھ کر اذان نہیں دیتے، اذان گھٹیا کام سمجھ کر دیتے ہیں)۔

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ہے: ”وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔“ (حم سجدہ:۳۳) (یعنی اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں)، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کی تفسیر فرمایا کرتی تھیں کہ اس سے زیادہ اچھی کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے؟ فرمایا اس سے مراد مؤذن ہے یہ ”حی علی الصلوۃ“ کہتا ہے اور نمازوں کے لئے بلاتا ہے ”حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح“ لوگوں کو آوازیں دیتا ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہے سب سے اچھی بات اس کی ہے۔

دوسری بات یہ فرماتی تھیں کہ ”وَعَمِلَ صَالِحًا“ کا معنی ہے کہ نیک عمل کرے اذان کہنے کے بعد نماز بھی پڑھتا ہے تو عمل صالح ہے: ”وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ“ اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں یہ مؤذن کا قول ہے:
”اشھد ان لا الہ الا اللہ ، اشھد ان محمد رسول اللہ“
یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے۔“

کافروں کے ملک میں تو اس کی بھی اجازت نہیں کہ ہم اونچی آواز سے اذان کہیں، انگلینڈ میں میں نے دیکھا ہے کہ صرف چند مسجدیں ایسی ہیں جن میں صرف ظہر کی اذان بلند آواز سے ہی کہی جاتی ہے ورنہ مسجد کے اندر اذان کہی جاتی ہے، باہر آواز نہیں جاتی، لوگ گھڑیاں دیکھ کر کے وقت پر آجاتے ہیں نماز کے لئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد تو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے حج وعمرے کی ضرورت نہ رہتی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

”وَلَوْ کَانَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ نُزُوْلًا مَّا عَلَیْهِمْ اَحَدٌ عَلَی الْاَذَانِ۔“ (کنزالعمال ج:۱۰ ص:۳۳۸ حدیث:۲۳۱۵۷)

ترجمہ:......”اگر فرشتے نازل ہوجاتے اور ان کو اذان کہنے کی اجازت مل جاتی تو کوئی شخص ان پر غالب نہ آسکتا فرشتے ہی اذان کہا کرتے۔“

اذان کی عظمت حضرت عمرؓ کے ہاں:

ایک اور روایت میں ہے:

”عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ مَنْ مُؤَذِّنُکُمْ؟ فَقُلْنَا عَبِیْدُنَا وَمَوَالِیْنَا: فَقَالَ اِنَّ ذٰلِکُمْ بِکُمْ لَنَقْصٌ شَدِیْدٌ لَوْ اَطَقْتُ الْاَذَانَ مَعَ الْخَلِیْفٰی لَاَذَّنْتُ۔“

(کنزالعمال ج:۱۰ ص:۳۳۹ حدیث:۲۳۱۶۰)

ترجمہ:......”قیس ابن ابی حازم سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا تمہاری اذان کون کہا کرتا ہے؟ کہا کہ ہمارے غلام، اس قسم کے لوگ گرے پڑے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے اپنا بہت نقصان کرلیا اور پھر فرمایا خلافت کا بوجھ میرے ذمہ ہے ورنہ ایک مسجد میں مؤذن لگ جاتا، (روٹی اللہ تعالیٰ دے دیا کرتے)۔“

خلافت راشدہ کے دور میں مؤذنوں کی کفالت:

یہاں ایک بات سمجھ لو کہ خلافت راشدہ کے زمانے میں اور خلفاء کے زمانے میں مؤذنین کا با قاعدہ وظیفہ جاری ہوتا تھا، اسی طرح مدرسین کا بھی وظیفہ جاری ہوتا تھا اور دین کے جتنے شعبے تھے حکومت ان کی سرپرستی کرتی تھی اور ان تمام شعبوں کے لئے وظائف تھے، ہمارے یہاں مسجدوں میں مسجد کا خرچ پورا کرنے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، جھولی پھرتی ہے اس زمانے میں یہ نہیں تھا بلکہ دین، دین کے تمام شعبے، مسجد اور مسجد کے تمام شعبے، ان تمام چیزوں کے لئے حکومت کفیل ہوتی تھی، نہ امام صاحب کو تنخواہ کی ضرورت ہوتی تھی، نہ خطیب صاحب کو، نہ مدرس صاحب کو، نہ مؤذن صاحب کو اور نہ کسی اور صاحب کو، جب انگریز ملعون ہمارے ملک میں آیا اس نے ہمارا سارا نظام درہم برہم کردیا، ایک تو یہ کہ اس نے اسکول کالج اور یونیورسٹیاں بنائیں، انگریزی تعلیم رائج کی، عدالت میں آج تک پچاس سال گزر چکے ہیں سرکاری زبان انگریزی ہے، عدالتی زبان انگریزی ہے ایک فیصد آدمی بھی ہمارے ملک میں انگریزی نہیں جانتے تھے، لیکن انگریز بہادر نے انگریزی عدالتی زبان جاری کی اور لوگ دھڑا دھڑ انگریزی پڑھنے لگے کیونکہ نوکری ہی ان لوگوں کو ملتی تھی جو انگریزی جانتے تھے۔

دو لطیفے:

اس پر مجھے دو لطیفے یاد آگئے شاید میں پہلے بھی سنا چکا ہوں ایوب خان کے زمانے میں بی ڈی جمہوریت جاری ہوئی تھی اور اس کے لئے آدھے ممبر تو منتخب ہوئے تھے ووٹوں کے ذریعے سے اور آدھے ممبر لوگ تجویز کرتے تھے، ہمارے علاقہ میں ڈپٹی کمشنر تشریف لائے اور کہا کہ اپنے علاقے کے معزز لوگ بتاؤ، یعنی جو بی ڈی ممبر بنیں، ایک صاحب نے ایک آدمی کا نام لیا ڈپٹی کمشنر صاحب پوچھتے ہیں کہ اس کی تعلیم کتنی ہے؟ کہنے لگے یہ حافظ قرآن ہے، دارالعلوم دیوبند کا فارغ ہے، یہ ہے اور

وہ ہے، کمشنر صاحب کہنے لگے کہ بھائی! میں یہ پوچھتا ہوں کہ تعلیم اس کی کتنی ہے؟ قرآن کریم کا حافظ ہونا تعلیم نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کا فارغ ہونا تعلیم نہیں ہے، یہ پاکستان بننے کے بعد کی بات ہے ایوب خان کے دور کی، آخر اس نے کہا کہ یہ پرائمری پاس ہے؟ کہنے لگے ہاں! یہ تو بات ہوئی ناں۔

ذرا اندازہ فرمایئے کہ انگریز نے ہماری ذہنیت کو کس طرح بدلا اور اب تک وہی چلا آرہا ہے بلکہ اس سے زیادہ اب اضافہ ہوگیا، جبکہ انگریز کے آنے سے پہلے سرکاری طور پر لوگوں کی دینی اور علمی بنیاد کو اہمیت حاصل تھی اور سرکاری ملازموں کو دینی معاملات پر انعام ملتا تھا، چنانچہ عالمگیرؒ کے زمانے میں ایک بار عالمگیر بادشاہ نے اپنے مصاحبین اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ فلاں دن امتحان ہوگا اور جو لوگ پوری نماز سنائیں گے اور مسائل سنائیں گے ان کو انعام ملے گا، اب تمام لوگ میاں جی کے پاس پہنچے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ ہمارے ساتھی تھے جن کا نام تھا حبیب الرحمٰن، وہ میرے حدیث کے ساتھی تھے، بعد میں ملے نہیں پتہ نہیں کہاں گئے، بعد میں ان کی زیارت نہیں ہوئی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ”ہیں سائیں“ وہ سرائیکی زبان بولتے تھے ملتانی زبان ”ہیں سائیں امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ مولوی فاضل ہائی کہ نہ ہائی“ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مولوی فاضل تھے یا نہیں تھے؟ ان جاہلوں کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان پڑھ تھے اور یہ انگریز اور انگریز کی ذریت جو انگریزی پڑھا ہوا نہ ہو اس کو سمجھتے ہیں جاہل ہے، میں نے کوئی مولوی فاضل نہیں کیا اس لئے میں کسی کے معیار پر پورا نہیں اترا۔ الحمدللہ۔ خدا کرے کہ اللہ کے معیار پر پورا اتروں۔

تو بات چل رہی تھی کہ اذان کا کام تو سپرد کردیا دوسرے لوگوں کے اور یہ بڑے بڑے چودھری جو ہیں یہ ملازمتیں کرتے ہیں، دکان داریاں کرتے ہیں، کماتے ہیں اور ان کو نماز پڑھنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی، میں عرض یہ کررہا تھا کہ اس بھلے

زمانے میں گورنمنٹ اس کی کفالت کرتی تھی۔

انگریزی سازش:

انگریز آیا تو اس نے ہمارا سارا نظام برباد کردیا، جتنے اچھے لکھے پڑھے تھے یعنی قابل دماغ تھے وہ اس نے کھینچ لئے جدید عصری علوم کے لئے، ان کو عصری علوم کہتے ہیں، استنجا کرنا بھی آتا ہے یا نہیں لیکن عصری علوم حاصل ہیں اور ہمارے پاس مولویوں کے پاس کیا رہا کچھ نہیں رہا، ہمارے اکابر نے، بزرگوں نے لوگوں کی منت سماجت کی کہ ہمیں اپنی اولاد دو دین کے لئے، کوئی معذور آدمی ملا، کوئی نابینا ملا اس قسم کے لوگوں کو پڑھایا، تو ہمارے کام کے لئے یہی لوگ پیچھے رہ گئے، دل کو تکلیف تو ہوتی ہے، اور صدمہ بھی ہوتا ہے، لیکن میں نے سوچا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔'' (صحیح مسلم ج:۱ ص:۸۴)

ترجمہ:......''اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور عنقریب غربت کی حالت کی طرف لوٹ جائے گا، مبارک ہو ان لوگوں کو جو اس لائن میں آگئے۔''

اللہ تعالیٰ دین کی بقا میں کسی کے محتاج نہیں:

انگریز کا ارادہ یہ تھا کہ دین کو مٹادیا جائے اور ختم کردیا جائے، روپے پیسے کا لالچ دے کر، دوسری چیزوں کا لالچ دے کر کہ دین کا نام لینے والا کوئی نہ رہے لیکن میرے اللہ نے اس دین کو رکھنا تھا اور دین کو باقی رکھنے میں وہ ہمارا محتاج نہیں، چنانچہ فرمایا: ''وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ۔'' (محمد:۳۸) (اگر تم بدل جاؤ گے، منہ پھیر لوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو بدل دیں گے، پھر وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے) حق تعالیٰ شانہ نے اپنے دین کا کام لیا اندھوں سے، لولے لنگڑوں سے، انہوں نے تمہارے طعنے بھی سنے کہ یہ مانگ

کر کھاتے ہیں، ہم نے کہا ٹھیک ہے، بجا فرمایا ہے، اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم اپنے بچے کو نہیں پڑھائیں گے یہ کہاں سے کھائے گا؟

میں ایک بات کہتا ہوں تمہارے پڑھے لکھے جو لوگ ہیں جتنے اونچے لوگ ہیں ان کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن کبھی ملا کو خودکشی کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا اللہ ان کو بھی روزی دے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، ان کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات کی قبروں کو نور سے بھر دے، جنہوں نے دین کو دوبارہ زندہ کیا، بڑے بڑے ڈاکٹروں اور کیپٹنوں کے بچے ان عربی مدرسوں میں پڑھتے ہیں، الحمدللہ دین زندہ ہے اور زندہ رہے گا لیکن بھائی اس کو حقیر نہ سمجھو، بہت سے لوگ جو اس وقت اونچے ہیں قیامت کے دن نیچے کر دیئے جائیں گے اور بہت سے لوگ جو نیچے ہیں جن کو کوئی پوچھتا نہیں ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو اونچا کر دیں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاں مؤذنوں کا مقام:

ایک اور روایت میں ہے:

”عَنْ عَلِيٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَدِمْتُ اَنْ لَّا اَكُوْنَ طَلَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَجْعَلُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مُؤَذِّنِيْنَ۔“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ:...... ”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ندامت ہوتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کیوں نہ کی کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مؤذن لگا دیا جائے، یعنی مجھے یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ یہ حضور ﷺ سے عرض کروں۔“

مؤذن صحیح سالم ہو:

طبرانی نے سیر کبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ مُؤَذِّنُوْکُمْ عُمْیَانُکُمْ قَالَ: وَاَحْسِبُہٗ قَالَ: وَلَا قُرَّائُکُمْ۔'' (حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ:...... ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے مؤذن اندھے ہوں، یا تمہارے مؤذن قاری ہوں۔

اندھوں کے مؤذن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے چارے پاکی ناپاکی کا لحاظ نہیں رکھ سکتے اسی لئے نابینا کی امامت بھی مکروہ ہے ہاں اگر وہ پاک صاف ہوں تو ان کے امامت اور اذان دینے میں کوئی حرج نہیں، ماشااللہ ہمارے قاری فتح محمدؒ صاحب ماشااللہ اماموں کے امام تھے۔

دوسرے یہ کہ نابینا کو وقت کا نہیں پتہ چلے گا ہاں اگر کوئی دوسرا اس کو بتانے والا ہو تو الگ بات ہے۔

باقی قاریوں کے مؤذن ہونے کو اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ وہ اپنے دوسرے اہم مشاغل میں مشغول ہیں،لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں تو اس لئے ان کا حرج ہوگا۔

اذان میں غلطیوں پر ناراضی:

ایک روایت میں ہے:

''قَالَ رَجُلٌ لِاِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ فِی اللّٰہِ! فَقَالَ اِبْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا: لٰکِنِّیْ اُبْغِضُکَ فِی اللّٰہِ! قَالَ:وَلِمَ؟ قَالَ: اِنَّکَ تَتَغَنّٰی فِیْ

اذَانِکَ وَتَأْخُذَ عَلَیْهِ اَجرًا۔“ (حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ:......”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صاحب کہنے لگے کہ میں اللہ کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں (یہاں مسئلہ بتادوں کہ اگر کوئی کسی کو کہے کہ میں اللہ کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں تو اس کے جواب میں یہ کہنا چاہئے کہ:”اَحبَّکَ اللّٰہُ کَمَا اَحْبَبْتَنِی لَہٗ۔“ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت فرمائے جس طرح کہ تو اللہ کی خاطر میرے ساتھ محبت رکھتا ہے) تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ لیکن میں اللہ کی خاطر تجھ سے بغض رکھتا ہوں، وہ صاحب کہنے لگے حضرت! یہ کیا بات ہوئی؟ فرمایا ایک تو یہ کہ تو اذان کہتے ہوئے بڑا ترنم لگاتا ہے سیدھی سادی اذان نہیں کہتا بلکہ ترنم سے (شیعوں کی اذان کبھی سنی ہوگی تو ایسی اذان) کہتا ہے اور دوسرے یہ کہ تو اذان پر اجرت لیتا ہے۔“

میں نے کہا تھا کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مؤذنین کا سرکاری طور پر باقاعدہ وظیفہ جاری تھا، انگریز بہادر کے آنے کے بعد پھر ہمیں انتظام کرنا پڑا۔

اذان اہل علاقہ کے ایمان کی علامت ہے:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ خَالِدٍ الْاَحوَلِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ ابْنَ سَعِیْدِ بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ: اِنْ مَرَرْتَ بِقَرْیَةٍ فَلَمْ تَسْمَعْ اَذَانًا فَاَصْبُهُمْ، فَمَرَّ بِبَنِی زُبَیْدٍ فَلَمْ یَسْمَعْ اَذَانًا فَسَبَّاهُمْ فَاَتَاهُ عَمْرُو بْنُ مَعْدِیْکَرِبَ فَکَلَّمَهٗ فَوَهَبَهُمْ لَهٗ

خَالِدٌ۔" (کنز العمال ج:۴ ص:۴۸۳ حدیث:۱۱۴۴۱)

ترجمہ:......"آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ عنہ کو جہاد کے لئے یمن بھیجا اور فرمایا کہ فجر کے وقت حملہ کرو حملہ کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ اس قبیلے سے اذان کی آواز آئی ہے یا نہیں اگر اذان کی آواز آئے تو ہاتھ روک لو، قبیلہ بنو زبید میں حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اذان نہیں ہوئی یہاں آپ نے ان کو گرفتار کرلیا تو حضرت عمر بن معد یکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفارش کر کے چھڑایا کہ مسلمان ہیں لیکن اذان کی آواز آپ کو نہیں سنی ہوگی۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"قَالَ كَانَ اَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَأْمُرُ اُمَرَائَهُ حِيْنَ كَانَ يَبْعَثُهُمْ فِي الرِّدَّةِ اِذَا غَشِيْتُمْ دَارًا فَاِنْ سَمِعْتُمْ بِهَا اَذَانًا فَكُفُّوْا حَتّٰى تَسْأَلُوْهُمْ مَاذَا تَنْقِمُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَسْمَعُوْا اَذَانًا فَشَنُّوْهَا غَارَةً وَاقْتُلُوْا......"

(حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۱۷۹)

ترجمہ:......"حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ارتداد کے زمانے میں، جب لوگ مرتد ہوگئے تھے حضور ﷺ کے بعد) لوگوں کو بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تم اذان سنو تو رک جاؤ یہاں تک کہ ان پر حملہ نہ کرو لیکن یہ پوچھو کہ ان کو ہمارے اوپر کوئی اعتراض ہے، خلافت کے معاملے میں کوئی اعتراض ہے ان کے شبہات دور کرو اور اگر کسی جگہ سے اذان کی آواز نہ آئے

تو سمجھ لو کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مرتد ہیں ان پر حملہ کرو۔"

مصنف عبدالرزاق میں امام زہری رحمہم اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین سے لڑائی کرنے کے لئے بھیجا تو فرمایا رات گزارو وہاں اور صبح کی اذان سنو اگر وہ لوگ اذان کہیں تو ٹھیک ہے اور اگر اذان نہ کہیں تو پھر ان سے قتال کرو، اس لئے کہ اذان شعار ایمان ہے، جس بستی سے اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بستی مسلمانوں کی نہیں ہے۔

بھائی! مسلمانوں کے ہاں اذان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بستی کے لوگ ان پڑھ تھے بیچاروں کو اذان نہیں کہنی آتی تھی تو انہوں نے یہودی کو کرائے پر رکھ لیا اذان کہنے کے لئے کہ پانچ وقت کی اذان تم کہہ لیا کرو اب اذان دینا یہ اس کے عقیدے کے خلاف تھا اور نوکری بھی کرنی تھی اس لئے: "اشھد ان لاالٰہ الّا اللہ" تو اس کو ہضم ہو جاتا تھا، مگر "اشھد ان محمد رسول اللہ" جب کہنا ہوتا تو یہ کہتا کہ اس بستی کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) یعنی مؤذن بھی کرائے کا رکھا ہوا تھا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیکی عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے تمام مسلمان اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور جو کوتاہیاں اور لغزشیں ہم سے ہوئی ہیں ان کی معافی مانگیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعتکاف کے آداب

اعتکاف کا معنی جم کر بیٹھنے کے ہیں یعنی بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جم کر بیٹھ جائیں اور اس طرح بیٹھ جائیں کہ جب تک نجات نہیں ہوتی، ہم اس وقت تک دروازہ نہیں چھوڑیں گے، وہ کریم آقا ہے، مالک الملک ہے، کسی سوالی کے سوال کو رد نہیں کرتا، کوئی شخص اس کے دروازے پر سوال کرے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ رد کردے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم اعتکاف میں بیٹھ گئے ہیں، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت کے ساتھ اس اعتکاف کے آداب صحیح طور پر بجالانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اعتکاف کا معنی جم کر بیٹھنے کے ہیں یعنی بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جم کر بیٹھ جائیں اور اس طرح بیٹھ جائیں کہ جب تک نجات نہیں ہوتی، ہم اس وقت تک دروازہ نہیں چھوڑیں گے، وہ کریم آقا ہے، مالک الملک ہے، کسی سوالی کے سوال کو رد نہیں کرتا، کوئی شخص اس کے دروازے پر سوال کرے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ رد کردے۔

کریم کا کرم:

ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک شخص غیر اللہ کو پوجنے والا تھا، وہ غیر اللہ کو پکارتا تھا، ایک دفعہ اتفاق سے اس کے منہ سے نکل گیا ''یا صمد!'' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً آواز آئی کہ میرے بندے کیا کہتا ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اتنے بے نیاز ہیں کہ ان کو کسی کی پروا نہیں، لیکن اتنے کریم آقا ہیں کہ اگر کوئی بھول کر بھی اس کا نام لے لے، تو فرماتے ہیں کہ کیا کہتا ہے؟ تو ہم لوگ مسجد میں، اللہ کے گھر میں، محض اس کی رضا کے لئے، محض اس کی خوشنودی کے لئے، اس کو راضی کرنے کے لئے بیٹھ گئے ہیں، کوئی کام نہیں، اور سوائے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے اور کوئی مقصد نہیں، اس لئے

ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ انشاءاللہ ثم انشاءاللہ ثم انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ تمہاری تمام عبادتوں کو قبول فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی عبادتوں کو قبول فرمائیں گے، اگرچہ ہماری عبادتیں اس لائق نہیں کہ انہیں قبول کیا جائے لیکن وہ آقا بہت کریم ہے، وہ ہمیں نہیں دیکھتا، اپنے کرم کو دیکھتا ہے، اپنی بندہ نوازی کو دیکھتا ہے، تو ایک بات تو یہ عرض کرنی تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے، اللہ تعالیٰ کے کرم سے، اس کے گھر میں اعتکاف بیٹھ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے اعتکاف کو قبول فرمائے اور ایسا قبول فرمائے، ایسا قبول فرمائے، ایسا قبول فرمائے کہ جب ہم اعتکاف ختم کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہو کہ جاؤ تمہیں بخش دیا، سب پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے، بندہ نوازی ہے۔

مسجد کے آداب:

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہاں مسجد میں آدمی بہت جمع ہوجاتے ہیں، بہت آہستہ بھی بولیں تو آواز اُٹھتی ہے تو ہونا یہ چاہئے کہ اللہ کے گھر میں ہماری آواز نہ آئے، ایک دوسرے سے ہم بات کریں تو بہت آہستہ سے بات کریں، یہ اللہ کا دربار ہے، اللہ کی بارگاہ ہے، یہاں آواز بلند کرنا اچھا نہیں ہے، اس کی عادت ڈالیں، ویسے الحمدللہ ہماری مسجد میں اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے، یہاں ساتھی آتے ہیں مسجد میں تو نہایت اطمینان کے ساتھ، وقار کے ساتھ، اپنے اپنے شغل میں مشغول ہوجاتے ہیں باتیں نہیں کرتے، لیکن پھر بھی یہ مجمع چونکہ بہت ہے، دس آدمی بھی اگر بات کریں تو پھر دیکھو کتنی آواز بلند ہوجائے گی، اس لئے میں اپنے تمام دوستوں کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ بات نہ کریں اور اگر ضرورت پڑے تو بہت ہی آہستگی کے ساتھ، گویا کہ جیسے کان میں بات کہتے ہیں اور یہ میری وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے، یہ بارگاہ خداوندی ہے، بہت اونچا دربار ہے، بہت ہی اونچا دربار ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ”فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔“ قیامت کے دن

لوگ اولین و آخرین جمع ہوں گے اور بہت سے منظر ذکر فرمائے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''بس تو نہیں سنے گا سوائے اس کانہ پھوسی کی آواز کے۔'' بندے جمع ہوں گے لیکن وہاں چلانا یا شور مچانا کیا معنی؟، ایک دوسرے سے بات بھی کریں گے تو بہت آہستہ کہ کسی کو سنائی بھی نہ دے، تو وہ تو قیامت کا منظر ہے اور یہ اللہ کا گھر ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں بھی جہاں تک ہو سکے کسی کی آواز نہیں سنائی دینی چاہیئے، میں جانتا ہوں کہ میں بات تو کر رہا ہوں لیکن اس پر عمل نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہم مسجد کی اہمیت اور آداب سے ناآشنا ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ کو اس کی اہمیت کا اندازہ تھا، اس لئے وہ اس کا اہتمام بھی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

''عَنْ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءُ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّلْغُطَ اَوْ يَنْشُدَ شِعْرًا اَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهٗ فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۷۱ بحوالہ موطا)

ترجمہ:...... ''امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کے ایک طرف ایک جگہ بطیحاء نامی بنائی تھی، ان کا معمول تھا کہ مسجد بھری ہوئی ہوتی تھی کہ کسی کی ذرا بھی آواز نکلتی تھی تو اس کو بلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ مسجد سے باہر ایک جگہ بنی ہوئی ہے، اگر بات کرنی ہے یا کوئی شعر وغیرہ پڑھنے ہیں تو وہاں جا کر کرو (مسجد میں بات نہیں کرنے دیتے تھے)۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدٍ رَّضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فَقَالَ: اِذْهَبْ فَأْتِنِيْ

بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهٗ بِهِمَا، فَقَالَ: مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا؟ قَالَا: مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ! قَالَ: لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔" (مشکوٰۃ ص:۷۱)

یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا، ایک آدمی نے کسی چیز کے ذریعہ مجھے جگایا، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، (ایک دفعہ کچھ لوگ آئے انہوں نے آپس میں کچھ بات کی، آواز تھوڑی اونچی ہوگئی) فرمایا ان دونوں آدمیوں کو بلا کر لاؤ، میں ان دونوں کو بلا کر لایا، تو ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ مدینہ کے تو معلوم نہیں ہوتے کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے: ہم طائف سے آئے ہیں! کہنے لگے: اچھا مسلمان ہو، باہر سے آئے ہو، ورنہ تم جس طرح اونچی آواز نکالتے ہو مسجد میں، میں تمہاری پٹائی کرتا مگر تم مہمان ہو اس لئے تمہیں کچھ نہیں کہتا مگر آئندہ تمہیں یہ فہمائش کرتا ہوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا روضہ ہے آنحضرت ﷺ کو آواز اونچی کرنے سے ایذا پہنچتی ہے، اس لئے آواز اونچی نہ کرو، وہ تو حضور اقدس ﷺ کی مسجد تھی، لیکن دوسری مساجد کا بھی احترام ہے، آواز بلند کرنا، قہقہے لگانا، یا اس طرح دوسرے کام کرنا یہ ٹھیک نہیں ہے، جتنا مسجد کا ادب کروگے اور جتنی اپنی آواز پست کروگے اللہ تعالیٰ اتنا ہی تم سے راضی ہوجائیں گے، تو اس لئے آپ حضرات سے ایک بات تو مجھے یہ عرض کرنی تھی، آپ جانتے ہی ہیں کہ مجمع زیادہ ہے اس لئے تھوڑی آواز بھی زیادہ ہوجاتی ہے اس لئے کوشش کرو کہ بالکل آواز نکلے ہی نہیں، بہت ہی اہتمام کے ساتھ کسی کو کوئی بات کہنی ہو، تو بہت ہی آہستہ سے کہو۔

اعتکاف کے معمولات:

ایک بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ ہم یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں، ہمارے

مختلف تقاضے ہوں گے، مسجد میں رہنے کے بعد ہمیں یہاں کیا اعمال کرنے چاہئیں، ہمارے ڈاکٹر صاحب نے تمہیں بتا ہی دیا ہے کہ کچھ معمولات تو اپنے اپنے انفرادی ہیں اور کچھ معمولات اجتماعی ہیں، فجر کی نماز کے بعد، تسبیحات کے بعد کچھ تھوڑا سا بیان ہوا کرے گا، زیادہ لمبا بیان نہیں ہوگا، اس کے بعد آپ سو سکتے ہیں، تھوڑا آرام کرسکتے ہیں، اس کے بعد تقریباً ساڑھے گیارہ بجے سب حضرات اٹھ جائیں، انشاءاللہ آپ پہلے ہی اٹھے ہوئے ہوں گے، قرآن مجید کی تلاوت کریں، ساڑھے گیارہ بجے اجتماعی عمل شروع ہوگا، وہ یہ کہ کچھ تھوڑی تعلیم ہوگی، کچھ مذاکرہ ہوگا اور سنا سنایا جائے گا، اس سے بھی بہت فائدہ ہوگا، ہم ایک دوسرے کے گواہ بن جائیں گے قیامت کے دن، یہ عمل جاری رہے گا اور اس کے بعد اذان، پھر جماعت اور اس کے بعد ختم خواجگان، پھر ذکر کی مجلس ہوگی، ذکر کی مجلس کا طریقہ اس وقت بتادیں گے، انشاءاللہ ذکر کی مجلس ختم کرنے کے بعد، اب آپ آزاد ہیں، اب آپ اپنا اپنا کام کریں، کسی کو آرام کرنا ہے آرام کرے، کسی کو تلاوت کرنی ہے تلاوت کرے اور عصر کی نماز کے بعد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے حدیث کا درس ہوتا ہے اور عصر کے بعد وقت بھی مختصر ہوتا ہے، مغرب کے بعد اپنی نماز ہوگی اور اپنا کھانا پینا ہوگا اور عشاء کی نماز پڑھ کے جیسا کہ آج آپ نے سنا ہے، پہلے درود شریف ہوگا اور اس کے بعد حکایت صحابہ ہوگی، بس یہ دن رات کے معمولات ہیں، یہ بہت مختصر سے رکھے ہیں، تاکہ آپ لوگ اپنے انفرادی اعمال بھی کرسکیں، اور اپنے اجتماعی اعمال بھی کرسکیں۔

ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ ہمیشہ ارشاد فرماتے تھے کہ بھئی ہمارے یہاں کھانے پینے کی پابندی نہیں، جتنا کھا سکتے ہو کھاؤ اور جتنا چاہو سو، سونے کی پابندی نہیں، آرام کی پابندی نہیں، لیکن باتیں کرنے کی پابندی ہے، مسجد میں رہتے ہوئے، اعتکاف کرتے ہوئے تمہاری آواز نہیں آنی چاہئے، جو معمولات میں نے تمہیں بتادیئے، انہیں کے مطابق آواز آئے گی، اس کے علاوہ تمہاری آواز نہیں آنی چاہئے۔

صلاۃ التسبیح کا اہتمام:

ایک بات مجھے خاص طور سے یہ عرض کرنی ہے آپ حضرات ماشاءاللہ معتکف ہیں اور دوسرے حضرات بھی ہیں، تو اعتکاف کے دنوں میں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے صلاۃ التسبیح کا اہتمام فرمائیں، دن کو پڑھ لیں، رات کو پڑھ لیں، اس کا اہتمام کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھی جائے، پہلی رکعت میں سبحانک اللہ پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ، بسم اللہ، الحمد شریف پڑھی، اس کے بعد کوئی سورت پڑھ لی، چھوٹی سورت پڑھو، بڑی سورت پڑھو، تمہاری مرضی اپنی ہمت ہے تمہاری، جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا، اس کے بعد: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔'' پندرہ دفعہ پڑھو، اس کے بعد رکوع میں چلے گئے، رکوع میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم۔'' جتنی دفعہ چاہو پڑھو، تمہاری مرضی گیارہ دفعہ پڑھو، اکیس دفعہ پڑھو، زیادہ پڑھو، جب تم نے رکوع کی تسبیحات پڑھ لیں تو اس کے بعد دس مرتبہ پڑھو: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔'' رکوع سے کھڑے ہوگئے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔'' کہا اور اس کے بعد دس مرتبہ پھر تسبیحات ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔'' پھر اس کے بعد سجدے میں چلے گئے، سجدے میں جانے کے بعد، سجدے کی تسبیحات پڑھیں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔'' جس طرح میں نے کہا کہ جتنا چاہو پڑھو، جب تم نے یہ تسبیحات پڑھ لیں، اس کے بعد دس مرتبہ پڑھو: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔'' پھر پہلے سجدے سے اٹھنے کے بعد بیٹھ کے دس مرتبہ پڑھو، پھر دوسرے سجدے میں سجدے کی تسبیحات پڑھنے کے بعد دس مرتبہ پڑھو، پھر دوسرے سجدے کے بعد اٹھ کر دس بار پڑھو، یہ کل پچھتّر مرتبہ ہوگئیں، اب کھڑے ہوجاؤ، اسی ترتیب کے ساتھ دوسری رکعت پوری کرو، اس کے بعد قعدہ

اولیٰ میں التحیات پڑھ لی، اس کے بعد درود شریف بھی پڑھ لو، اس کے بعد چاہو تو دعا بھی پڑھ لو، سلام نہ پھیرو، غرض یہ کہ ایک رکعت میں پچھتّر مرتبہ چار رکعتوں میں تین سو مرتبہ، یہ صلوٰۃ التسبیح ہے، اس کی بھئی کم از کم رمضان المبارک میں تو پابندی کرلو، اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی عطا فرمائیں، برکتیں عطا فرمائیں اور اگر عادت ہی بن جائے تو بہت ہی اچھی بات ہے، دن کو پڑھو، رات کو پڑھو، اگر دن کو پڑھو تو زوال سے پہلے پہلے پڑھ لو، اور اگر رات کو پڑھو تو جب چاہو پڑھو۔

تلاوت کا اہتمام:

ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہم یہاں اللہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہیں، مانگنے والے ہیں، جہاں تک ہوسکے اپنی ہمت کے مطابق دعائیں مانگو، قرآن کریم کی تلاوت بھی جہاں تک ہوسکے کرو، پتہ نہیں آپ حضرات کا معمول ہوگا تلاوت کا جیسا کہ میں نے پہلے بتایا تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ ایک قرآن مجید دن کو پڑھا کرتے تھے، ایک قرآن مجید رات کو پڑھا کرتے تھے، ایک قرآن مجید تراویح میں پڑھا کرتے تھے، پورے رمضان میں اکسٹھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ یہی طریقہ امام شافعیؒ کا بھی تھا اور امام بخاریؒ کا بھی تھا، یہ ہمارے وہ بزرگ تھے جن کو ہم اپنا مقتدیٰ سمجھتے ہیں، ہمارے امام حضرت امام ابوحنیفہؒ مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے تھے تو تین دن وہاں قیام فرماتے، تین دن نہ کھانا، نہ پینا، نہ پیشاب، نہ پاخانہ اور فرماتے تھے کہ بھئی اس سے زیادہ کا تحمل نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ کے شہر میں گندگی پھیلانا، حیاء کے خلاف ہے، شرم آتی ہے، یہ ہمارے وہ بزرگ ہیں جن پر ہم فخر کرتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ ہم ان کی ریس نہیں کرسکتے۔

دعاؤں کا اہتمام:

دوسرے معمولات کے علاوہ ایک معمول دعا کا ہونا چاہئے تم اللہ تعالیٰ سے

مانگو اور جم کر مانگو جو جو بھی تمہارے دل میں خواہش ہے دنیا کی اور آخرت کی وہ اللہ سے مانگو اور ہم تو دنیا ہی مانگیں گے آخرت کیا مانگیں گے، ہمارے ہاں تو دنیا ہی ہے، آخرت تو ہم نے دیکھی ہی نہیں، اس لئے اللہ سے کیا مانگیں گے آخرت، نہیں بھائی دنیا تو اللہ سے اگر مانگو تو بھی دیتا ہے اور نہ مانگو تو بھی دیتا ہے، اگر تم یہ کہو کہ مجھے دنیا نہیں چاہئے ہرگز نہیں چاہئے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام پر لکھی ہوئی ہے، وہ ضرور تمہیں دے گا۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارا رزق لکھ دیا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحُ ......
وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اَشَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ؟ فَیَکْتُبَانِ
فَیَقُوْلُ: یَا رَبِّ اَذَکَرٌ اَوْ اُنْثٰی؟ فَیَکْتُبَانِ وَیَکْتُبُ عَمَلَہٗ
وَاَثَرُہٗ وَاَجَلُہٗ وَرِزْقُہٗ۔"

یعنی بچہ ماں کے پیٹ میں تین چلے کا ہوتا ہے چار مہینے کا ابھی پورا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتے ہیں اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے ...... اور ایک روایت میں ہے کہ وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ سے پوچھ پوچھ کر لکھتا رہتا ہے، فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! نیک بخت ہوگا یا بدبخت ہوگا؟ وہ بھی بتادیتے ہیں، یا اللہ! یہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ وہ بھی بتادیتے ہیں، یا اللہ! یہ کیا کرے گا؟ یہ بھی بتا دیتے ہیں اور یا اللہ! یہ سفر کتنا کرے گا؟ وہ بھی بتا دیتے ہیں، اور اس کی زندگی کتنی ہے؟ وہ بھی بتادیتے ہیں، اور اس کی موت کب آئے گی؟ وہ بھی بتادیتے ہیں، اور اس کا رزق کتنا ہوگا؟ وہ بھی بتادیتے ہیں۔

ایک سوال جیسا کہ آپ نے ابھی سنا یہ ہوتا ہے کہ ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ــــ یا اللہ یہ نیک بخت ہے یا بدبخت؟ نعوذ باللہ کوئی پتہ نہیں، یہ بھی بتا دیتے

ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ بتاتے جاتے ہیں وہ لکھتا جاتا ہے اور وہ پروانہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا۔'' (الاسراء:۱۳)

ترجمہ:...... ''اور ہر انسان، ہم نے چپکا دیا ہے پروانہ اس کی گردن میں، اور قیامت کے دن ہم ایک اور کتاب نکالیں گے جس کو کھلا ہوا پائے گا (وہ انسان کا اپنا نامہ اعمال ہوگا اور پتہ نہیں کیا کیا ہم نے کیا ہے)۔''

اللہ سے کیا مانگیں؟

تو میرا بھائی میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ کہ رزق تو اللہ تعالیٰ سے مانگو تب بھی دے گا اور اگر تم اللہ تعالیٰ سے یہ کہو کہ نہیں لیتا تب بھی دے گا، جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے وہ دے گا، لیکن اصل مسئلہ آخرت کا ہے، مرنے کے بعد میرے ساتھ اور آپ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اس کی فکر کی ضرورت ہے اور قیامت کے دن میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اس کی فکر کی ضرورت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیری نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں اگر تو ایک نیکی کہیں سے لے آئے تو تو جنت میں چلا جائے گا، وہ بندہ کہے گا کہ یہ تو بہت معمولی بات ہے، میری ماں ہے، میرا باپ ہے، میرا بھائی ہے، میرا فلاں ہے، میرا فلاں ہے، جا کے ایک نیکی مانگ کر لے آتا ہوں، وہ باپ کے پاس جائے گا وہ انکار کردے گا، ماں کے پاس جائے گا وہ انکار کردے گی، بھائی کے پاس جائے گا وہ انکار کردے گا، تمام محشر میں سے ایک آدمی بھی اس کو ایک نیکی دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا، وہ بہت پریشان ہوگا پہلے تو خوش تھا کہ ایک

نیکی کی کیا بات ہے مل جائے گی، لیکن یہاں کا معاملہ الٹ نکلا، راستے میں اسے ایک آدمی ملے گا وہ کہے گا کہ کیا بات ہے بھائی! وہ اسے اپنا قصہ سنائے گا وہ کہے گا کہ میرے پاس ایک ہی نیکی ہے اور تیرے پاس اتنی نیکیاں تھیں وہ رد ہو گئیں، میرے پاس ایک ہی نیکی ہے یہ تو لے لے، وہ دے دے گا، خوش خوش جائے گا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کہاں سے ملی یہ نیکی؟ وہ سارا قصہ بتائے گا، فرمایا پہلے اُس کو جنت میں بھیجیں گے پھر تجھے بھیجیں گے، اس لئے کہ اس بیچارے کے پاس ایک ہی نیکی تھی، معلوم ہوا کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا قیامت کے دن بھی کام دے گا، تو بہرحال کہنا یہ ہے کہ ذرا سوچ لیں کہ ہم نے اپنی نیکیاں کتنی بنائی ہیں اور کھوئی کتنی ہیں؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رو کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور ہمیشہ اعتکاف کے دنوں میں اس طرح معافی مانگو کہ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم یہاں سے سب پاک ہو کر کے نکلیں، بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

باقی انشاءاللہ پھر باتیں کریں گے، حافظ جی کہتے ہیں کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ لو، بہت اچھی بات ہے۔ سونے اور کھانے کے علاوہ کوئی وقت بھی فارغ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ انہوں نے بہت اچھی بات کی کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ لو، بزرگوں نے اس طرح ستر ہزار کے کئی نصاب بنا رکھے تھے، کسی نے بھائی کو دے دیا، کسی نے کسی کو دے دیا، کسی نے کسی کو دے دیا، یعنی بنا کر کے رکھتے تھے، تم بہت آسانی سے ایک ساتھ کئی نصاب بنا سکتے ہو، ایک میرے لئے بھی پڑھ لو، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بس اسی پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علم اور اہل علم کے فضائل و آداب!

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب جمع ہوتے تھے تو ان کی آپس میں بات چیت یہ ہوتی تھی کہ کوئی کسی سے مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی کسی سے کوئی اور بات پوچھ رہا ہے۔ یا پھر یوں کرتے تھے کہ کسی صاحب کو کہتے تھے کہ قرآن مجید سناؤ، قرآن مجید سنانے لگتے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشغلہ ہی یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَّضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنِّىْ لَاُخْبَرُ بِمَجْلِسِكُمْ فَمَا يَمْنَعُنِىْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَيْكُمْ اِلَّا كَرَاهِيَّةُ مَلَلِكُمْ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا۔“

(ابن عبدالبر فی جامع العلم ج:۱ ص:۱۰۵)

ترجمہ:......”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد شقیق ابن سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، گھر سے باہر آئے اور آکر ارشاد فرمایا: کہ آپ لوگ کافی دیر سے یہاں تشریف فرما ہیں، مجھے اس کا علم ہے، لیکن میں قصداً مکان سے باہر نہیں نکلا کیونکہ مجھے اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ میرا تم سے باتیں کرنا، حدیثیں سنانا، اس سے تم لوگ اکتا نہ جاؤ، بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ ونصیحت کرنے میں ہمیں اس بات کی رعایت رکھتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ

جائیں، اس لئے لمبی بات نہیں کرتے تھے۔“

یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر بات میں رسول اللہ ﷺ کی نقل کیا کرتے تھے، جو طریقہ اور جو کام رسول اللہ ﷺ نے کر کے دکھایا، یہ حضرات بھی اسی طرح کرتے تھے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ اس بات کے باوجود کہ آپ ﷺ کی بات سے کسی کے اکتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کوئی بات ارشاد فرمائیں اور لوگ اکتا جائیں یہ تو ممکن ہی نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ اس بات کی رعایت رکھتے تھے کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔

اور تیسری بات یہ کہ آدمی وعظ ونصیحت کرے تو اُسے اس چیز کی رعایت رکھنی چاہئے کہ لوگ تنگ نہ آجائیں، بس اتنی بات کرے جتنی کے ساتھ لوگ مانوس ہوسکیں۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے اور ایک صاحب وعظ کر رہے تھے، یعنی تقریر کر رہے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ میاں واعظ! لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرنا، ان کے حوصلے بڑھیں، ان کے حوصلے گھٹیں نہیں۔

صحیح اور سچے عالم کی پہچان:

ابن الضریس اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر وغیرہ نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

”عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِالْفَقِیْہِ حَقَّ الْفَقِیْہِ؟ (۱) مَنْ لَّمْ یَقْنَطِ النَّاسَ مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ، (۲) وَلَمْ یُرَخِّصْ لَھُمْ فِیْ مَعَاصِی اللّٰہِ تَعَالٰی، (۳) وَلَمْ

یُؤْمِنُهُم مَكْرَ اللهِ، (۴) وَلَم يَتْرُكِ الْقُرْآنَ رَغْبَةً عَنْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ، (۵) وَلَا خَيرَ فِى عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَفَقُّهٌ، (۶) وَلَا خَيرَ فِى فِقْهٍ لَيْسَ فِيهِ تَفَهُّمٌ، (۷) وَلَا خَيرَ فِى قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَدَبُّرٌ۔" (ابونعیم فی الحلیۃ ج:۱ ص:۷۷)

ترجمہ:......" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ: میں یہ نہ بتاؤں کہ صحیح اور سچا عالم کون ہے؟ (اور پھر فرمایا صحیح اور سچے عالم کی یہ صفات ہیں) جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی چھوٹ نہ دے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے لوگوں کو بے خوف نہ ہونے دے، دوسری چیزوں میں رغبت کی وجہ سے قرآن کو نہ چھوڑے، (اسے دینی مسائل میں تفقّہ کا درجہ حاصل ہو، کیونکہ) اس عبادت کا کوئی اعتبار نہیں جس میں تفقہ نہ ہو۔ (دین کے مسائل میں تفقّہ کے ساتھ ساتھ) اسے فہم دین میں پرہیزگاری بھی حاصل ہو کہ جس تفقّہ میں پرہیزگاری نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں، اسے قرأت میں تدبر حاصل ہو کہ جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔"

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ صحیح اور سچا عالم وہ ہے جس میں درج ذیل صفات ہوں:

اول:...... وہ جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے۔

دوم:...... وہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی چھوٹ بھی نہ دے کہ لوگ کہیں مولوی صاحب نے آج بہت اچھی بات کہی کہ سب کچھ کرتے رہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، بھائی! اللہ تعالیٰ کے بخشنے والا ہونے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں، چنانچہ ایک

شعر قسم کا لفظ اور فقرہ ہے کہ: یا اللہ اگر آپ بخشنے پر آئیں تو سارے گناہوں کو بخش دیں اور آپ کا ایسا بندہ کون ہے جس نے اونچ نیچ نہ کی ہو، گڑبڑ نہ کی ہو، تو واعظ اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور لوگوں کو گناہوں پر جری بھی نہ کرے کہ کرتے رہو جو کرنا ہے۔

سوم:...... تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے لوگوں کو بے خوف نہ ہونے دے قرآن کریم میں ہے کہ:

"فَلَا یَأْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ۔"

(الاعراف:۹۹)

ترجمہ:...... "اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہوتے ہیں وہی لوگ جو خسارے میں پڑنے والے ہیں۔"

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا جب بخشنے پر آئیں تو سارے گناہ بخش دیں، لیکن پکڑنے پر آئیں تو ایک بات پر بھی پکڑ لیں، پھر ان کی پکڑ سے چھڑانے والا کون ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے آدمی کو نڈر نہیں ہونا چاہئے۔

چہارم:...... چوتھی بات یہ کہ قرآن کریم کو تو چھوڑ دے اور دوسری قصہ کہانیوں میں لگ جائے یہ بھی ٹھیک نہیں، یہ عالم حقانی کا کام نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ تفسیر ہیں قرآن کریم ہی کی، اس لئے قرآن کریم اور احادیث طیبہ یا بزرگان دین کے ارشادات بیان کرو، ایسے ہی فضول باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

پنجم:...... پانچویں بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ فرماتے تھے کہ اس عبادت کا کوئی اعتبار نہیں جس میں تفقہ نہ ہو، یعنی دین کے مسائل اور دین کا علم پاس نہیں، لیکن عبادت کررہا ہے۔

ششم:...... چھٹی بات یہ کہ دین کے مسائل کا کوئی اعتبار نہیں اور اس میں

کوئی خیر نہیں، اگر اس کے ساتھ دین کا فہم اور دین کی پرہیزگاری اور دین کے معاملے میں پرہیزگاری سے کام لینا نہ ہو تو ایسے مسائل کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

ہفتم:...... ساتویں بات یہ ارشاد فرماتے تھے کہ اس قرأت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو، یعنی آدمی قرآن کریم سوچ کے پڑھے۔

علمائ کے لئے نبوی وصیت:

ایک روایت میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ وَاَبَا مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ: تَسَانَدَا وَتَطَاوَعَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا۔ فَخَطَبَ النَّاسَ مُعَاذٌ فَحَثَّهُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ وَالتَّفَقُّهِ وَالْقُرْآنِ، وَقَالَ: اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِ النَّارِ! اِذَا ذُكِرَ الرَّجُلُ بِخَیْرٍ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِذَا ذُكِرَ بِشَرٍّ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ۔''

(حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۳۱۴)

ترجمہ:...... ''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن بھیجا، (بہت سی نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ تھی) اور فرمایا کہ ایک دوسرے کی معاونت کرنا، ایک دوسرے کے خلاف نہ کرنا اور ایک دوسرے کی بات مان کر چلنا، (یہ نہ ہو کہ اس کا راستہ الگ ہو اور اس کا راستہ الگ) اور لوگوں کو خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا۔ پس حضرت معاذؓ نے لوگوں میں خطبہ دیا تو ان کو اسلام

لانے، تفقہ حاصل کرنے اور قرآن کریم پڑھنے کی ترغیب دی۔
پھر فرمایا کہ میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے اور جہنمی کون ہے؟ پھر فرمایا کہ: جب کسی آدمی کا خیر سے تذکرہ کیا جائے تو وہ اہل جنت میں سے ہے، اور جب اس کا برائی سے تذکرہ کیا جائے تو وہ اہل جہنم میں سے ہے۔“

جنتی اور جہنمی کی پہچان:

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے لگے اور فرمایا کہ ایک تو جہاں تک ممکن ہوسکے اسلام قبول کرلو، دوسری بات یہ کہ دین کا فہم حاصل کرلو، دین کی سمجھ حاصل کرلو اور تیسری بات یہ کہ قرآن کریم پڑھ لو، پھر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ کر آدمی کو بتا سکتا ہوں کہ فلاں آدمی جنتی ہے، فلاں آدمی جنتی نہیں ہے، بلکہ دوسری طرف کا ہے تو حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں بتاؤں کہ جنتی کون ہے اور جہنمی کون ہے؟ فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی کا تذکرہ کرے، یا جب کسی کے سامنے کسی کا تذکرہ آئے، اور وہ خیر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتا ہے کہ اچھا آدمی ہے، تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ جنتی ہے اور دوسرا آدمی جب اس کے بارے میں کسی سے پوچھا جائے اور وہ کہنے لگے کہ اچھا نہیں ہے، تو وہ جہنمی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ“ (تم اللہ کے گواہ ہو زمین میں) تم کسی کے بارے میں کہتے ہو کہ اچھا آدمی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کہہ رہے ہیں کہ اچھا آدمی ہے، میں بھی اس کو اچھا ہی کردوں تو فرمایا کہ اگر ایک آدمی ایسا ہے جو بھی اس سے ملتا ہے، اسے برا ہی کہتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا نہیں ہے، تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ دوسری طرف کا آدمی ہے۔ جہاں تک ہوسکے کسی کو برا بھی مت کہو اس کی برائی ختم کرنے کی کوشش کرو، لیکن اس کو برا نہ کہو۔

اس حدیث سے ایک بات یاد آگئی، جیسے ہمارے تبلیغ میں ایک بزرگ تھے، حاجی محمد حسین صاحب، جو کہ فوت ہوگئے، بہت پہلے کی بات ہے، ان دنوں میں بھی رمضان میں تبلیغ میں چلا جاتا تھا، تو میں نے وہاں کے بزرگوں سے کہا کہ بھئی کوئی پرانا آدمی ایسا ہو جو ہمارا امیر بنایا جائے کیونکہ ہمارے مولویوں کی لڑائی ہوجاتی ہے، وہ کہنے لگے اب کس کو بھیجیں، آدمی تو سارے چلے گئے ہیں، خیر دو تین دن کے بعد پھر ایک جماعت تیار ہوئی اور حاجی محمد حسین مرحوم کو (اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے) ہمارا امیر بنادیا گیا، ان کی دو باتیں مجھے یاد ہیں، وہ کبھی بھولتی نہیں۔

ایک یہ کہ حاجی صاحب بیٹھے ہوئے تذکرہ کررہے تھے، اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ بھائی عبدالوہاب صاحب بیوی کو چھوڑ کر نکل آئے اور بعد میں نہیں گئے، تو میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کمال کی بات بتاتے ہیں، جس خاتون کا نکاح ہوا ہوگا بھائی عبدالوہاب صاحب کے ساتھ، آخر اس کے بھی حقوق ہیں، میں نے ذرا تیز سے لہجے میں بات کی تو وہ خاموش ہوگئے، مگر بعد میں مجھ سے فرمانے لگے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھائی عبدالوہاب صاحب کی اہلیہ کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ یہ عبدالوہاب کھڑا ہے، اس نے تیرے حقوق ضائع کیے، لیکن اس کے بدلے میں یہ اجر وثواب ہے اب تم حقوق لینا چاہتی ہو یا یہ اجروثواب لینا چاہتی ہو؟ مجھے بات سمجھ میں آگئی کہ ضد نہیں کرنی چاہیے، بات ٹھیک ہے، لیکن بھائی سارے لوگوں کو یہ مشورہ نہیں دیا جائے گا کہ بال بچوں کو چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ، تبلیغ میں بھی جاؤ ضرور جاؤ، لیکن اپنے اہل حقوق کے حقوق بھی ادا کرو، یہ تو بات ویسے ہی آگئی تھی۔

بشارت کی ضرورت ہے وعید کی نہیں:

یہاں کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے متعلق میں کسی جماعت کے ساتھ گفتگو کررہا تھا اور اس گفتگو میں یہ بھی تذکرہ آگیا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کو یہ عذاب ہوگا، حاجی صاحب نے سن لیا مجھے کچھ نہیں کہا، بعد میں اکیلے میں مجھے کہا کہ

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عذاب کی وعیدیں نہ سنایا کرو، ثواب کی بشارتیں سنایا کرو، جب سے میرا یہ سبق پکا ہوا ہے، میں نے کہا بات بالکل ٹھیک ہے، تو آنحضرت ﷺ اسی بات کو بیان فرمارہے ہیں "بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا" لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ۔

اب میں کسی آدمی کے سر ہو جاؤں کہ بھئی تو یہ گناہ کررہا ہے، یہ غلطی کررہا ہے، نعوذ باللہ، استغفر اللہ، اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ میں ڈالیں گے، نہیں بھائی ہمارا یہ کہنے کا منہ نہیں ہے، گناہ گار تو ہم سب ہیں، یہ ضرور کہیں گے کہ بھئی گناہوں کو چھوڑ دو، جتنی بھی غلطیاں ہیں، شریعت کے لحاظ سے ان کو چھوڑ دو، لیکن اللہ تعالیٰ ایسا کریں گے یہ نہیں، میں نہیں کہتا، یہ بچپن کی اور نوجوانی کی باتیں ہیں، اب تو میں قبر کے کنارے کھڑا ہوں، میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بخشش فرمادیں، آپ حضرات بھی گناہوں سے بخشش کی دعا فرمائیں اور غلطیوں کو چھوڑنے کی کوشش کریں۔

چنانچہ یہ دونوں بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما، الگ الگ علاقوں میں پہنچے، ایک علاقے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ایک علاقے میں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

گناہگار سے نہیں گناہ سے نفرت:

ہمارے حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ تمہارا بیٹا، تمہارا بھائی، تمہاری بیوی بیمار ہے، تو ہمیں اپنے بیٹے سے، یا اپنے بھائی سے، یا اپنی بیوی سے نفرت ہے، یا بیماری سے نفرت ہے؟ بھائی بیمار سے نفرت نہیں ہے، بیماری سے نفرت ہے، ہم اپنے بھائیوں کو بیماری سے نکالنا چاہتے ہیں، شریعت کی خلاف ورزی یہ بیماری ہے، کیونکہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہے۔

ارتداد کی سزا:

یہ قصہ تو میں نے آپ حضرات کو میرا خیال ہے کہ سنایا تھا، بہرحال یہ

دونوں بزرگ گئے، میں نے کہا کہ الگ الگ علاقوں میں تھے، کوئی زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا، ایک جگہ وہ تھے، ایک جگہ وہ تھے، دونوں امت کی تعلیم و تربیت میں لگے ہوئے تھے، ایک دن حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لئے گئے۔تو دیکھا کہ ایک آدمی کو دھوپ میں کھڑا کیا ہوا ہے، اب عرب کی دھوپ بھی بہت سخت ہوتی ہے، یہ سواری پر پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے استقبال کے لئے نکلے، حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کو دھوپ میں کیوں کھڑا کیا ہوا ہے؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آدمی مسلمان ہوکر مرتد ہوگیا، نعوذ باللہ، فرمانے لگے یہ بات ہے، فرمانے لگے کہ میں سواری سے اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک اس کو قتل نہ کردیا جائے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ”مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ“ جو شخص اپنا دین بدل دے یعنی اسلام چھوڑ کر نعوذ باللہ کفر کا دین اختیار کرلے اس کو قتل کردو، چنانچہ پہلے اس سے توبہ کرنے کو کہا، مگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کو قتل کردیا۔

صحابہؓ کی آپس کی بات چیت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب جمع ہوتے تھے تو ان کی آپس میں بات چیت یہ ہوتی تھی کہ کوئی کسی سے مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی کسی سے کوئی اور بات پوچھ رہا ہے۔ یا پھر یوں کرتے تھے کہ کسی صاحب کو کہتے تھے کہ قرآن مجید سناؤ، قرآن مجید سنانے لگتے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشغلہ ہی یہ تھا، جب بھی جمع ہوتے تھے آپس میں دین کا اور علم کا مذاکرہ کرتے تھے، یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور پڑھاتے، قرآن سنتے اور سناتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ لوگ دنیا کے لئے نہیں، بلکہ آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اگر اب بھی ایک صحابی نظر آجائے تو پوری مسجد

روشن ہوجائے گی۔

صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا مقام:

”عَنْ اَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ: یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَیُقَالُ لَهُمْ: فِیْکُمْ مَنْ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ! فَیُفْتَحُ لَهُمْ، ثُمَّ یَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَیُقَالُ لَهُمْ: هَلْ مِنْکُمْ مَّنْ رَاٰی مَنْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ! فَیُفْتَحُ لَهُمْ، ثم یَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَیُقَالُ لَهُمْ: فِیْکُمْ مَّنْ رَاٰی مَنْ صَحِبَ مَنْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ! فَیُفْتَحُ لَهُمْ۔“(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۰۸)

ترجمہ:......”حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک وقت آئے گا جب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہا کریں گے، جبکہ وہ جہاد کے لئے گئے ہوئے ہوں گے کہ تمہاری جماعت میں ایسا کوئی آدمی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہو؟ یعنی کوئی صحابی ہے؟ وہ لوگ کہیں گے کہ جی ہاں! ہماری جماعت میں ایک صاحب ہیں۔ پھر وہ ان کے طفیل سے دعا کریں گے، ان کو اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے۔ پھر ایک زمانہ آئے گا لوگ پوچھیں گے کہ تمہاری جماعت میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہو؟ لوگ کہیں گے کہ ہاں ایک صاحب ہیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے والوں کو دیکھا، فرمایا ان سے

دعا کی درخواست کریں گے، اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمادیں گے۔ پھر ایک تیسرا زمانہ آئے گا اس وقت لوگ پوچھیں گے کہ تمہاری جماعت میں ایسا کوئی آدمی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہو؟ لوگ کہیں گے کہ ہاں ایک آدمی ہے، ان سے دعا کروائیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا فرمائیں گے۔"

اب تو ہم اس زمانہ کو بہت پیچھے چھوڑ آئے، بھئی اس لئے تو ہمارے حلیے بھی بدل گئے، میاں اب تو ہماری شکلیں بھی بدل گئیں، الا ماشاءَ اللہ۔ اگر ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھ لیتے تو ایمان تازہ ہوجاتا، آنحضرت ﷺ کے چہرے پر نظر پڑتی تو ایمان میں نور آجاتا، جن کی نظر آنحضرت ﷺ کے رخ انور پر پڑی سبحان اللہ! کیا بات ہے۔

علم کے آداب:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ علم خود سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، لیکن علم کے لئے حلم اور وقار کو بھی سیکھو، اللہ تعالیٰ اپنا علم عطا فرماتے ہیں تو ساتھ حلم اور وقار بھی پیدا ہوجائے گا، اور فرمایا کرتے تھے کہ جس سے علم سیکھو اس کے سامنے متواضع ہوجاؤ، یعنی اپنے آپ کو اس کے سامنے گرادو، جس سے علم سیکھو، اس کے سامنے متواضع ہوجاؤ۔ صرف اس کے سامنے نہیں بلکہ جو تم سے سیکھے، اس کے سامنے بھی متواضع ہوجاؤ، بہت اونچی بات ہے، تم سے جو دین سیکھے اس سے بھی تواضع اختیار کرو، سیکھنے والا بھی تواضع اختیار کرے اور سکھانے والا بھی تواضع اختیار کرے۔ فرمایا کہ علماءٔ میں سے جبار قسم کے عالم نہ بنو، جس کی اکڑفوں ہی ختم نہیں ہوتی، نہ بھائی نہ! جبار قسم کے عالم نہ بنو، ورنہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب آجائے گا۔

علمائے کے حقوق وآداب:

امام ابن عبدالبرؒ نے کتاب العلم میں حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد نقل کیا ہے، اس میں ایسے پاکیزہ کلمات ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے نگینے لگائے ہوئے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں:

’’عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنَّ مِنْ حَقِّ الْعَالِمِ اَنْ لَا تُكْثِرَ عَلَيْهِ السُّؤَالُ وَلَا تُعْنِتَهُ فِی الْجَوَابِ وَاَنْ لَّا تُلِحَّ عَلَيْهِ اِذَا اَعْرَضَ وَلَا تَأْخُذْ بِثَوْبِهٖ اِذَا كَسَلَ وَلَا تُشِيْرَ اِلَيْهِ بِيَدِكَ وَاَنْ لَا تُغْمِزَهٗ بِعَيْنَيْكَ وَاَنْ لَّا تَسْاَلَ فِیْ مَجْلِسِهٖ وَاَنْ لَّا تَطْلُبَ ذِلَّتَهٗ وَاِنْ زَلَّ تَأَنَّيْتَ اَوْبَتَهٗ وَقَبِلْتَ فَيْئَتَهٗ وَاَنْ لَّا تَقُوْلَ قَالَ فُلَانٌ خِلَافُ قَوْلِكَ وَاَنْ لَّا تُفْشِیَ لَهٗ سِرًّا وَاَنْ لَّا تَغْتَابَ عِنْدَهٗ اَحَدًا وَاَنْ تَحْفَظَهٗ شَاهِدًا وَغَائِبًا وَاَنْ تَعُمَّ الْقَوْمَ بِالسَّلَامِ وَاَنْ تَخُصَّهٗ بِالتَّحِيَّةِ وَاَنْ تَجْلِسَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ سَبَقْتَ الْقَوْمَ اِلٰى خِدْمَتِهٖ وَاَنْ لَّا تَمِلَّ مِنْ طُوْلِ صُحْبَتِهٖ اِنَّمَا هُوَ كَالنَّخْلَةِ تَنْتَظِرُ مَتٰى يَسْقُطُ عَلَيْكَ مِنْهَا مَنْفَعَةً وَاِنَّ الْعَالِمَ بِمَنْزَلَةِ الصَّائِمِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِذَا مَاتَ الْعَالِمُ اِنْثَلَمَتْ فِی الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا تُسَدُّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَطَالِبُ الْعِلْمِ يُشَيِّعُهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنْ مُقَرَّبِی السَّمَاءِ۔‘‘

(کنزل العمال ج:۱۰ حدیث:۲۹۵۱۰)

ترجمہ:......’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عالم کا حق یہ ہے کہ تم اس سے زیادہ سوال نہ کرو، تم اس کو جواب کے لئے مشقت میں نہ ڈالو، اگر وہ جواب نہ دینا چاہے تو اسے مجبور نہ کرو، اگر کبھی اسے کسل مندی ہو تو جواب کے لئے

اس کا دامن نہ پکڑو، اس کی طرف ہاتھوں اور آنکھوں سے اشارے نہ کرو، اس کی مجلس میں (عاجز کرنے کے لئے) اس سے سوال نہ کرو، ان کی کوتاہیاں نہ تلاش کرو، اگر کبھی اس سے لغزش ہوجائے تو اس کے رجوع اور توبہ کو قبول کرو، یہ نہ کہو کہ فلاں آدمی تمہارے خلاف کہتا ہے، اس کا راز فاش نہ کرو، اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، اس کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرو، جب کسی عالم کی مجلس میں جاؤ تو پہلے سب کو اور پھر خصوصیت سے اس کو سلام کرو، عالم کے سامنے بیٹھنے کی کوشش کرو، اگر عالم کو کسی کام اور خدمت کی ضرورت ہو تو سب سے پہلے بڑھ کر اس کی خدمت اور کام کو بجا لاؤ، عالم کے پاس اتنا زیادہ دیر نہ بیٹھو کہ وہ اکتا جائے، اسی طرح اس کی صحبت میں زیادہ بیٹھنے سے نہ اکتاؤ، عالم کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے کہ جس سے کبھی پکی کھجوریں گرتی ہیں، تم بھی اس انتظار میں رہو کہ اس سے علمی فوائد حاصل کرتے رہو، عالم کی مثال اس مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے جو روزہ دار ہو، جب عالم فوت ہوتا ہے تو اس کی موت سے اسلام میں ایسا رخنہ واقع ہوجاتا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہوتا، اور طالب علم جب علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے تو ستر ہزار مقرب فرشتے اس کی مشائیت کے لئے ساتھ چلتے ہیں۔"

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ عالم کا حق یہ ہے کہ تم اس سے زیادہ سوال نہ کرو، یہ ادب کے خلاف ہے، جو بات پوچھنی ہو پوچھو، بلا دھڑک پوچھو، لیکن فضول باتیں نہ کرو، اور تم عالم کو جواب دینے کے لئے مجبور بھی نہ کرو، جب کبھی

عالم میں کسل مندی پائی جائے، کوئی سستی پائی جائے، طبیعت اچھی نہیں، یا وہ تھک گیا ہے، تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے تو اس کو تنگ نہ کرو، ہاتھوں کے ساتھ اشارے نہ کرو، آنکھوں کے ساتھ اشارے نہ کرو، کیونکہ کسی کی طرف اشارہ کرنا اور خاص طور پر آنکھوں کے ساتھ اشارے کرنا، یہ توہین کی مد میں آجاتا ہے اور توہین ٹھیک نہیں، کبھی مجلس میں بیٹھے ہوئے کوئی ایسی بات نہ کرو کہ ہم اس سے بات پوچھیں گے وہ بتا نہیں سکے گا، پھنس جائے گا، کسی عالم کو پھانسنے کے لئے بات نہ کرو، اس سے استفادہ کے لئے بات کرو، پھانسنے کے لئے نہیں اور عالم بے چارہ معصوم نہیں ہے، کبھی لغزش بھی ہوسکتی ہے، تو اگر کوئی ایسی بات کرے کہ جس میں اس سے لغزش ہوگئی ہو، تو توقع رکھو کہ یہ رجوع کرلے گا اور اس سے یہ نہ کہو کہ فلاں آدمی تو تمہارے خلاف کہتا ہے، یہ ہمارے یہاں رواج ہے، ہم کسی سے مسئلہ پوچھتے ہیں اس نے اپنی سمجھ کے مطابق بتادیا، اب ہم اس سے کہتے ہیں کہ فلاں تو اس کے خلاف کہتے تھے۔ میرا بھائی! اگر فلاں پر اعتماد تھا تو اسی سے پوچھ لیتے، پھر دوسرے آدمی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، کسی عالم کے بھید کو ظاہر نہ کرو، اس سے ایذا ہوتی ہے اور کسی عالم کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو، یہ تو عام لوگوں میں بیماری پائی جاتی ہے ایسا نہ کرو، ہمیں تو مشغلہ چاہئے کہ کوئی عالم مل گیا، ہم اس کے پاس باتیں کرنے لگے کہ فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، میاں اپنی نبیڑو، ہمارے سامنے اور تمہارے سامنے بڑے سخت سخت مرحلے آنے والے ہیں، ایک تو موت آنے والی ہے، پھر قبر آنے والی ہے، اس کے بعد حشر آنے والا ہے، حشر کا حساب وکتاب آنے والا ہے، ہم لوگوں کے قصوں میں کیا پڑ گئے ہیں؟ اپنے قصے نہیں نمٹتے، ذرا کسی وقت بیٹھ کر سوچا کرو کہ ہمارے سامنے کیا کیا آنے والا ہے؟ کبھی عالم سامنے موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا، اگر وہ موجود ہو جب بھی اور موجود نہ ہو جب بھی تم اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کرو۔

اور یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ کسی عالم کی مجلس میں جاؤ تو ایک تو جس مجلس

میں تم پہنچے ہو سب کو السلام علیکم کہو اور پھر ان کو خصوصیت کے ساتھ سلام کہو، عالم کے سامنے بیٹھنے کی کوشش کرو اور اس کوشش میں رہو کہ خدانخواستہ کوئی کام کی ضرورت پیش آجائے، تو اس کے لئے میں سب سے پہلے خدمت کو ادا کروں گا، اسی طرح زیادہ دیر بیٹھنا کہ جس سے وہ اکتا جائے یہ بھی نہ کیا کرو، اس کے پاس بیٹھو، لیکن بس اتنا ہی جس سے وہ اکتا نہ جائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کھجور کا درخت ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً اس سے پکی ہوئی کھجوریں گرتی رہتی ہیں، تو تم بھی ایسا کرو کہ کسی عالم کے پاس بیٹھو کہ تمہاری قسمت میں کتنے دانے آتے ہیں۔ حضرت یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ عالم کی مثال ایسی سمجھو کہ ''اَلصَّائِمُ الْمُجَاھِدُ'' یعنی اس نے روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کر رہا ہے، تو جیسے ''اَلصَّائِمُ الْقَائِمُ'' اللہ کے راستے میں روزے رکھنے والے اور قیام کرنے والے اور جہاد کرنے والے کو اجر ملتا ہے، عالم کو بھی ایسا اجر ملتا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ عالم آدمی جب انتقال کر جاتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ واقع ہو جاتا ہے کہ پُر نہیں ہوتا۔

میں نے اپنی زندگی میں جتنے بزرگوں کو دیکھا، وہ جب چلے گئے اور ان کے جانے سے جو جگہ خالی ہوئی وہ کبھی پُر نہیں ہوئی، اور ان کا بدل نہیں آیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے انحطاط کا دور شروع ہوا، کتنے کتنے آدمی گزرے۔

ہمارے مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، حافظ ابن تیمیہؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اتنے اونچے آدمی ہیں اگر ان کے مرتبہ کی طرف دیکھو تو ٹوپی نیچے گر جاتی ہے، غرض یہ ہے کہ عالم کے انتقال کر جانے سے ایک ایسا رخنہ واقع ہو جاتا ہے جو کبھی بھی پر نہیں ہوتا اور آخر میں ارشاد فرمایا کہ یہ تو عالم تھا۔

طالب علم، علم طلب کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو آسمان کے ستر ہزار مقرب فرشتے اس کی مشائیت کرتے ہیں۔

بہرحال حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس روایت میں علماءؑ کے فضائل اور آداب بیان فرمائے ہیں۔

عالم یا بزرگ کے ہاتھ چومنا:

اسی طرح امام ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خادمہ ام جمیلہ سے نقل کیا ہے کہ:

”عَنْ جَمِيْلَةَ اُمِّ وَلَدِ اَنَس بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ: كَانَ ثَابِتٌ اِذَا اَتٰى اَنَسًا قَالَ: يَا جَارِيَةَ هَاتِيْ لِيْ طِيْبًا اَمْسَحُ يَدَىَّ! فَاِنَّ ابْنَ اُمِّ ثَابِتٍ لَا يَرْضٰى حَتّٰى يُقَبِّلَ يَدَىَّ۔“ (حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۲۱۶ طبع دارالمعرفۃ بیروت)

ترجمہ:......”حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خادمہ حضرت جمیلہؒ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ثابتؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سے فرماتے تھے کہ ذرا تھوڑی خوشبو لے آؤ میرے ہاتھوں کو لگادو کیونکہ ابن ام ثابت (ثابت بنانی کی والدہ کا بیٹا) تشریف لائیں گے وہ پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک میرے ہاتھ نہیں چوم لے گا اس لئے میرے ہاتھوں میں خوشبو لگادو۔“

سبحان اللہ!! اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضراتِ صحابہ کرام
(رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)
کا علمی مقام

قمیصہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عام لوگوں سے زیادہ عالمہ تھیں، مسائل کو جاننے والی تھیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہؓ کو دیکھا کہ ان کی خدمت میں مسائل کی تحقیق کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے:

”وَأَخْرَجَ ابْنُ سَعدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا نَظَرَتْ اِلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَعَهُ الْحِلَقُ يُعَلِّمُ الْحَجَّ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنْ عِلْمِ الْمَنَاسِكِ فَقَالَتْ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ بَقِيَ بِالْمَنَاسِكِ۔“ (ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۴)

ترجمہ:...... ”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے موسم حج میں دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارد گرد بہت سے لوگوں کے حلقے جمع ہیں اور وہ ان سے حج کے مسائل پوچھ رہے ہیں، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ جو لوگ زندہ باقی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ مناسک کو جاننے والے ہیں، یعنی حج کے مسائل کو جاننے والے ہیں، (جو لوگ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارد گرد حج کے مسائل پوچھنے کے لئے جمع تھے، یہ صحابہؓ اور تابعینؒ تھے)۔“

مسائل حج کی اہمیت:

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوگئی کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کو بھی حج کے مسائل معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی اور وہ علماءؒ سے پوچھتے تھے، جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ حج اسلام کے ارکان میں سب سے آخری رکن ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے عمر میں ایک ہی مرتبہ فرض کیا ہے، ظاہر بات ہے کہ ایسا عمل جو عمر میں ایک مرتبہ کیا جاتا ہے، اس کے مسائل بہت زیادہ ہوں گے اور ان مسائل کو سیکھنے کی بھی ضرورت ہوگی۔

ایک لطیفہ:

ہمارے یہاں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ صاحب کنز الدقائق نے (کنز الدقائق فقہ کی کتاب ہے) اپنی کتاب میں اول سے لے کر آخر تک فقہ کے مسائل نقل کئے ہیں اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اصل کتاب اسی جلدوں میں لکھی تھی، لیکن پھر بعد میں اس کو مختصر کردیا۔ خیر کہنا یہ ہے کہ انہوں نے فقہ پر کتاب لکھی اور وہ کتاب ہمارے ہر مدرسے میں پڑھائی جاتی ہے، وہ جب حج پر گئے، تو چونکہ جگہیں دیکھی ہوئی نہیں تھیں، اس لئے الٹا طواف کرنا شروع کردیا، کسی نے کہا کہ بھئی طواف یوں کیا جاتا ہے، تم کون ہو، جس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ طواف کدھر سے کیا جاتا ہے؟ تو ارشاد فرمانے لگے کہ میں کنز الدقائق کا مصنف ہوں۔ کنز الدقائق کتاب تو لکھی، لیکن عمل کا موقع نہیں آیا تھا۔

تو ہمارے لوگ حج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ نے پیسے بھی لوگوں کو بہت دے دیئے ہیں، الٹا سیدھا جیسے بھی بن پڑتا ہے، لوگوں کی دیکھا

دیکھی حج کرنا شروع کر دیتے ہیں اور حاجی بن کر گھر آجاتے ہیں، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعینؒ مسائل معلوم کرتے تھے ہر موقع پر، کہ یہ عمل کس طرح کیا جاتا ہے؟ اس کی تحقیق کرتے تھے، تفتیش کرتے تھے، خود کو اگر معلوم نہیں ہوتا تھا تو دوسرے علماء سے پوچھ لیتے تھے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ:...... جس شخص نے حج مبرور کیا ہو اس کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ حج مبرور کس کا ہوتا ہے؟

اب لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کو ساتھ لایا تھا تو وہ بیچاری ذرا معذور ہے، اس لئے میں نے اس کی کنکریاں خود ہی مار دیں اور کنکریاں بھی کیسے ماریں؟ جمرہ اتنی دور ہے اور اس نے سات کنکریاں لے لیں اور زور سے مار دیں، چلو حج ہو گیا اللہ اللہ خیر سلا۔

حج کی جان نکل گئی:

میں دیکھتا ہوں کہ حج کی تو جان نکل گئی ہے، کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہوگا جس کا حج مقبول ہوتا ہو اور جس کو صحیح طریقے سے حج کرنے کی توفیق ہوتی ہوگی، ورنہ اکثریت ایسی ہے جیسے میں نے ذکر کی ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اردگرد لوگوں کا حلقہ تھا اور وہ مسائل پوچھ رہے تھے، حج کے مسائل، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا اور فرمایا جتنے لوگ زندہ باقی رہ گئے ہیں، ان میں یہ شخص حج کے مسائل کا سب سے بڑا عالم ہے، اور بات یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اردگرد کے علاقوں

میں حاکم بھی رہے ہیں، لیکن آخر میں مکہ مکرمہ میں قیام ہوگیا تھا اور مکے والے جتنے حج کے مسائل کو جانتے ہیں، دوسرے نہیں جانتے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

”عَنْ يَعْقُوبَ بْنَ زَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ حِيْنَ بَلَغَهُ مَوْتُ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَصَفَّقَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى: مَاتَ اَعْلَمُ النَّاسِ وَاَحْلَمُ النَّاسِ وَلَقَدْ اُصِيْبَتْ بِهٖ هٰذِهِ الْاُمَّةُ مُصِيْبَةً لَا تُرْتَقُ۔“ (ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۶)

ترجمہ:......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جب ان کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے انتقال کی خبر پہنچی (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال طائف میں ہوا تھا اور طائف میں ان کی قبر ہے) تو انہوں نے فرمایا اور اس طرح اپنے ہاتھوں کو ملا اور مل کر کے فرمایا: آج انسانوں میں جو سب سے بڑا عالم تھا اور سب سے زیادہ حلیم تھا، اسکا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے انتقال کی وجہ سے اس امت پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔“

یہ تو مشہور بات ہے کہ جو جاتا ہے اپنی جگہ خالی چھوڑ کر کے جاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی آجائے، رفتہ رفتہ اس امت کا رنگ پھیکا ہوتا جارہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس امت کا رنگ اور تھا، صحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے زمانہ میں اور تھا اور چلتے چلتے چلتے اب ہم تک پہنچ گیا ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک اور روایت میں ہے:

”عَنْ اَبِی بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ قَالَ: لَمَّا مَاتَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَافِعُ بْنُ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: مَاتَ الْیَوْمُ مَنْ کَانَ یَحْتَاجُ اِلَیْہِ مَنْ بَیْنِ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فِی الْعِلْمِ۔“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۵ ص:۳۸۳)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے انتقال کے موقع پر حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آج اس شخص کا انتقال ہوگیا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک ساری دنیا ان کے علم کی محتاج تھی اور وہ علم ساتھ لے گئے انہوں نے پڑھایا، لوگوں کو سکھایا، لوگوں کو تعلیم دی، لیکن آج ان کے ساتھ ان کا علم چلا گیا، ان جیسا کوئی دوسرا آدمی پیدا نہیں ہوسکا، کوئی ثانی پیدا نہیں ہوسکا۔

حضرت محمد بن حنفیہؒ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمامہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کے ساتھ جو جہاد ہوا تھا، مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں، ان میں جو قیدی پکڑے گئے تھے، ایک محمد ابن حنفیہ کی والدہ ماجدہ تھیں اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں اور ان سے محمد ابن حنفیہ پیدا ہوئے۔

آنحضرت ﷺ سے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ کے بعد میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام آپؐ کے نام پر رکھ لوں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ضرور رکھو، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بچے کا نام محمد رکھا تھا، اصل نام محمد ابن علی تھا، لیکن کہتے محمد ابن حنفیہ یعنی قبیلہ بنی حنفیہ کی خاتون کا لڑکا، اور انہوں نے اپنے والد ماجد سے علوم سیکھے تھے اور بہت اونچے آدمی تھے، حضرات حسنؓ و حسینؓ کے بھائی تھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر کے چالیس ہوئے تھے، ان کے اپنے بچے چالیس تھے، ان کے بچوں سے جو بچے پیدا ہوئے وہ الگ رہے، تو جس دن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا کہ: آج اس امت کا ربانی فوت ہوگیا، قرآن کریم میں ہے: ”وَلٰـكِنْ كُـوْنُوْا رَبّٰـنِيّٖنَ“ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ربانی بنو، رب والے بنو، تو ربانی وہ ہوتا ہے جو رب والا ہو۔

حضرت ابن عمرؓ:

عمرو ابن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، ان کو جنگ بدر میں نہیں لیا گیا تھا، کیونکہ چھوٹے تھے اور جنگ احد میں شریک ہوئے تھے، گویا نوجوان تھے، عمر ابن دینار فرماتے ہیں کہ: جوانوں میں سب سے بڑے عالم عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور ان کی عجیب شان تھی، کسی جگہ سفر کر رہے ہوتے تو جس جگہ آنحضرت ﷺ کبھی تقاضہ بشری کی بنا پر پیشاب کے لئے اترے تھے، ان کو ضرورت ہو یا نہ ہو، یہ اس جگہ اونٹنی بیٹھاتے تھے اور پیشاب کے لئے بیٹھتے تھے، اتنے متبع سنت تھے کہ ایک ایک بات میں آنحضرت ﷺ کی نقل کو ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ:

”عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ: لَمْ يَبْقَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشَّامِ اَحَدٌ كَانَ اَوْثَقُ وَلَا اَفْقَهُ وَلَا اَرْضٰى مِنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَشَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔“ (ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۸)

ترجمہ:...... خالد ابن معدانؒ ایک تابعی ہیں وہ کہتے ہیں: کہ (ملک شام میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے، تو ملک شام میں حضرت عبادہ ابن صامت اور شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے) خالد ابن معدان کہتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر قابل وثوق اور ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ اور ان سے زیادہ کوئی پسندیدہ آدمی اور نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ کے یہ صحابہ عبادہ ابن صامت اور شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ ثقہ اور سب سے زیادہ فقیہ اور سب زیادہ پسندیدہ آدمی تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ:

حنظلہ ابن سفیان اپنے مشائخ سے نقل کرتے ہیں: کہ چھوٹے صحابہ میں یعنی جو کم عمر تھے، ان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل عطا فرمائی تھی، علم عطا فرمایا تھا اور بہت ہی نیک اور پارسا آدمی

تھے، ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک علاقے کا امیر بنا کر بھیجا اور کئی خطوط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کے نام ہیں، ان کو خطوط کے ذریعے سے ہدایات دیتے تھے۔

حضرت ابوسعیدؓ کی احتیاط:

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک آدمی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے مسئلہ بتادیا اور مسئلہ بتا کر فرمانے لگے کہ تم یہ مسئلہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھو اور وہ جو جواب دیں وہ آکر مجھے بھی بتاؤ، چنانچہ وہ شخص حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا تم نے یہ مسئلہ کسی اور سے بھی پوچھا ہے، انہوں نے کہا جی ہاں! میں نے یہ مسئلہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تھا، انہوں نے مجھے مسئلہ کا جواب دے دیا اور ساتھ ہی کہا کہ میں یہ مسئلہ آپ سے پوچھوں، حضرت فرمانے لگے کہ:

اگر میں یہ فتویٰ دوں جو انہوں نے دیا تو میں گمراہ ہوجاؤں گا، ہدایت پانے والوں میں سے نہیں ہوں گا، وہ مسئلہ غلط ہے، صحیح مسئلہ یہ ہے، وہ مسئلہ نہیں بتاتا میں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا علمی مقام:

”عَنْ اَبِی الزُّعَیْزِعَةِ کَاتِبِ مَرْوَانَ بْنِ الْحَکَمِ اَنَّ مَرْوَانَ دَعَا اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَقْعَدَنِیْ خَلْفَ السَّرِیْرِ، وَجَعَلَ یَسْأَلُهُ وَجَعَلْتُ اَکْتُبُ حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ دَعَا بِهِ فَاَقْعَدَهُ وَرَاءَ الْحِجَابِ فَجَعَلَ یَسْأَلُهُ عَنْ ذٰلِکَ، فَمَا زَادَ وَلَا نَقَصَ وَلَا قَدَّمَ وَلَا اَخَّرَ۔“

ترجمہ:......مروان بن حکم کے کاتب سے روایت ہے کہ مروان نے مجھے چھپ چھپا کے بیٹھا دیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا، ان سے کچھ مسئلے پوچھے، وہ بتاتے رہے اور یہ پردے میں بیٹھے ان مسائل کو لکھ رہے تھے، ایک سال پورا گزرنے کے بعد انہوں نے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور وہی مسئلے پوچھے اور ابو زعیزعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدستور پردے میں بیٹھا دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسئلوں کا جواب دیا (ان کو بھی یہ یاد نہیں رہا ہوگا کہ انہوں نے پہلے بھی یہ مسئلے پوچھے تھے) لیکن کسی مسئلے میں ایک حرف کا آگا پیچھا نہیں ہوا۔

گویا ٹیپ تھی جو چل رہی تھی، ایک سال پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو مسئلے بیان کئے تھے، جن الفاظ سے بیان کئے تھے، جس ترتیب سے بیان کئے تھے، ایک سال کے بعد اسی طرح ان مسائل کو بیان کر دیا اور یہ صرف تین سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے صحابہؓ میں سب سے زیادہ احادیث کو جاننے والے یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنے آپ کو علم کے لئے وقف کرنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود ہی فرماتے ہیں کہ انصار کو تو اپنی کھیتی باڑی کا بھی کام ہو جاتا تھا اور حضرات مہاجرین کچھ اپنا تجارت کا مشغلہ کر لیتے تھے، لیکن اپنے لئے تو کوئی چیز بھی نہیں تھی، نہ گھر تھا اور فرماتے ہیں کہ میں بھوک کی وجہ سے

مسجد نبوی ﷺ میں بے ہوش ہوکر گرجاتا تھا اور لوگ میری گردن پر پاؤں رکھتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ان کو مرگی کا دورہ ہوگیا ہے، فرماتے تھے کہ مرگی ورگی کچھ نہیں ہوتی تھی، صرف بھوک تھی۔

ایک روایت میں ہے:

”فَمَرَّ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَأَلْتُہٗ عَنْ آیَۃٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مَا سَأَلْتُہٗ اِلَّا لِیَسْتَتْبِعَنِیْ فَلَمْ یَفْعَلُ، فَمَرَّ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَأَلْتُہٗ عَنْ آیَۃٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ مَا سَأَلْتُہٗ اِلَّا لِیَسْتَتْبِعَنِیْ فَلَمْ یَفْعَلُ، فَمَرَّ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَرَفَ مَا فِیْ وَجْھِیْ وَمَا فِیْ نَفْسِیْ، فَقَالَ: اَبَا ھُرَیْرَۃَ! قُلْتُ لَہٗ: لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فَقَالَ: اِلْحَقْ.......“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۱ ص:۳۳۲)

ترجمہ:...... ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (میرے قریب سے) گزرے، ان سے قرآن کریم کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا، میرے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ مجھے ساتھ لے جائیں گے (گھر میں) لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا، ان سے بھی سوال کا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے ساتھ لے جائیں گے، لیکن انہوں نے بھی ایسا نہیں کیا، پھر آپ ﷺ گزرے، آپ ﷺ نے جو کچھ میرے دل اور چہرے پر تھا اس کو پہچان لیا، آپ ﷺ نے

آواز دی اے ابوہریرہ! میں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ چلو۔“

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس سے گزرے، کہنے لگے کہ جی میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں، انہوں نے مسئلہ بتادیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے انہوں نے بھی مسئلہ بتا دیا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ گزرے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بھی مسئلہ پوچھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ابوہریرہؓ اپنا مسئلہ تو تم اپنے پاس رکھو، میرے ساتھ آجاؤ تمہیں کچھ کھانے کو مل جائے گا، اتنی جفاکشی کے ساتھ اس دین کے علم کو حاصل کیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک خاتون تھی مدینے میں، میں نے ان سے کہا کہ بڑی بی تم مجھ سے کچھ کام کروالیا کرو اور مجھ کو روٹی دے دیا کرو، کہنے لگیں نہیں بھئی مہنگا ہے، یعنی روٹی پر بھی یہ آدمی مہنگا ہے۔ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ وہی عورت آج میرے نکاح میں ہے۔ دراصل ان کو آپ ﷺ نے دعا دی تھی اور یہ دعا کا نتیجہ تھا، ایک روایت میں اس کا ذکر کچھ اس طرح ہے:

آنحضرت ﷺ کی دعا:

”وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّبْسُطَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ ثُمَّ يَجْمَعُهٗ اِلٰى صَدْرِهٖ فَلَا يَنْسٰى مِنْ مَّقَالَتِيْ شَيْئًا اَبَدًا، فَبَسَطْتُّ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ

مَا نَسِیتُ مِنْ مَّقَالَتِهٖ تِلْکَ اِلٰی یَوْمِیْ هٰذَا۔"

(بخاری ج:۱ ص:۳۱۶)

ترجمہ:......"آنحضرت ﷺ نے فرمایا آج جو آدمی اپنی چادر بچھائے گا میں اس پر دم کروں گا پھر وہ آدمی اس کو اپنے سینے سے لگا لے گا، تو وہ میری احادیث کو کبھی نہیں بھولے گا، میں نے چادر بچھادی اور میری پشت پر اس چادر کے علاوہ کچھ نہ تھا، اور آنحضرت ﷺ نے کچھ پڑھا، (اللہ جانے کیا پڑھا ہوگا اور پڑھ کر چادر پر دم کردیا) میں نے چادر سمیٹ کر سینے سے لگالی، وہ دن ہے اور آج کا دن، کبھی کوئی بات مجھے بھولی نہیں۔"

میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ احادیث کو جاننے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہے، مجھ سے زیادہ کوئی شخص احادیث کو نہیں جانتا الا عبداللہ ابن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک ہیں عبداللہ ابن عمر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور ایک ہیں عبداللہ ابن عمرو حضرت عمرو ابن عاصؓ کے صاحبزادے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) البتہ مجھ سے احادیث زیادہ جانتے ہیں، اس لئے کہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے میں لکھا نہیں کرتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کی فقاہت:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہوجاتا تو حضرات صحابہ، حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ ان کے مسئلے کو حل کردیتی تھیں۔ (ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۹)

قمیصہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عام لوگوں سے زیادہ عالمہ تھیں، مسائل کو جاننے والی تھیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہؓ کو دیکھا کہ ان کی خدمت میں مسائل کی تحقیق کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

(ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۹)

حضرت عائشہؓ اور شان نزول:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہتر کوئی عالم نہیں دیکھا اور اگر کسی مسئلے میں کسی رائے کی ضرورت ہوتو ان سے بہتر کوئی رائے والا نہیں دیکھا اور قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوئیں ہیں ان میں ایک ایک آیت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ معلوم تھا کہ یہ آیت کس سلسلے میں نازل ہوئی ہے اور جب کوئی فریضہ پیش آتا تو وہ اس کو سب سے زیادہ جاننے والی ہوتی تھیں۔ (حیاۃ الصحابۃ ج:۵ ص:۳۸۵)

حضرت عائشہؓ اور علم فرائض:

بھئی ہمارے دین کے علوم میں سے ایک مستقل علم فرائض ہے یعنی اگر کوئی شخص فوت ہوجائے تو اس کا مال کس طرح تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی چند حضرات اس مسئلے کو جانتے تھے، اکابر صحابہؓ جانتے تھے اور علماءُ میں سے بھی بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جو علم فرائض کو جانتے ہیں۔

تو حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم فرائض کی ماہر تھیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان کسی مسئلے میں وراثت کے مسئلے میں اختلاف ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے۔

(ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۹)

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ: كَانَ اَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْفَظْنَ مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا وَلَا مِثْلًا لِعَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، وَكَانَتْ عَائِشَةُ تُفْتِيْ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِلٰى اَنْ مَاتَتْ يَرْحَمُهَا اللّٰهُ، وَكَانَ الْاَكَابِرُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ بَعْدَهٗ يُرْسِلَانِ اِلَيْهَا فَيَسْأَلَانِهَا عَنِ السُّنَنِ۔“

(ابن سعد ج:۴ ص:۱۸۹)

ترجمہ:......حضرت محمود ابن لبیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات دین کے مسائل کو خوب جانتی تھیں اور لوگ ان سے اس معاملے میں استفادہ کرتے تھے، لیکن ازواج مطہرات میں بھی دو ہستیاں ایسی تھیں جو سب سے بڑی عالمہ تھیں، ایک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت ام سلمہؓ کی عقل و بصیرت:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات آگئی تو یہ بات بھی سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل و بصیرت کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، بڑی ذہین اور دانش مند تھیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے قریش مکہ کے ساتھ صلح کی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بہت صدمہ ہوا تھا، کیونکہ وہ صلح بظاہر دب کر ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا احرام کھول دو، چلیں گے واپس، حدیبیہ مکہ مکرمہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے اور تقریباً سوا چار سو میل کا سفر کر چکے ہیں، اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بہت زیادہ صدمہ ہوا، لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب احرام کھول دو، آنحضرت ﷺ کا ارشاد تو صحابہؓ کے لئے آب حیات تھا، لیکن صدمہ ایسا تھا کہ گم صم تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا احرام کھول دو، وہ بیٹھے ہیں، اس سفر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں، آنحضرت ﷺ ان کے خیمے میں آئے اور شکایت کی کہ میں نے کہا احرام کھول دو، لیکن کوئی میری بات نہیں مانتا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ــ اللہ تعالیٰ پوری امت کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے ـــــ فرمانے لگیں یا رسول اللہ! صحابہ کرامؓ کو صدمہ ہے اور صدمے کی وجہ سے ان کو کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی۔

اس لئے آپ ﷺ ان پر ناراض نہ ہوں اور آپ ﷺ ایسا کیجئے کہ خیمے سے باہر جائیں اور حجام کو بلائیں اور اس سے کہیں کہ بال اتار دے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہی کیا، باہر تشریف لائے اور حجام کو بلاکر بال اتار دیئے، آنحضرت ﷺ کو جب احرام اتارتے ہوئے لوگوں نے دیکھا تو ایک دوسرے کے

بال اتارنے لگے حتیٰ کہ اتنی تیزی کے ساتھ کہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے، یعنی زخمی کر دیں گے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت دانا تھیں، فرماتے ہیں کہ یہ دو بزرگ خواتین حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور خاص طور سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتویٰ دیتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی، ان کا انتقال ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تھا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان سے مسئلہ دریافت کرتے تھے، یہ تو مسائل کا معاملہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کی فصاحت:

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خطبہ سنا ہے، اتنی بلاغت والا خطبہ ہوتا تھا اور اتنا فصیح و بلیغ خطبہ ہوتا تھا اور اتنی دانش مندی کے ساتھ بات کرتی تھیں کہ میں نے ایسا خطیب نہیں دیکھا جو حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ فصیح و بلیغ اور دانش مندی کا خطبہ دینے والا ہو۔ (حیاۃ الصحابۃ ج:۵ ص:۳۸۵)

فقہ، طب اور اشعار میں مہارت:

ان کے بھانجے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ان کے شاگرد بھی ہیں اور ان کے راوی بھی ہیں یعنی سب سے زیادہ روایات نقل کرنے والے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہؓ ہیں، ایک حضرت ''عروہ'' عروہ ابن زبیرؓ، حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے تھے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے، اور دوسری راویہ ہیں ان کی، حضرت عروہ بنت عبدالرحمٰن وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علوم کو نقل کرنے والی ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی جو علم طب میں، فقہ میں اور اشعار میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر ہو۔

حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ فقہ تو خیر آپ کے گھر کی چیز ہے، آنحضرت ﷺ سے حاصل کی ہوئی تھی، لیکن اشعار آپ کو کہاں سے معلوم ہوگئے؟ اور دوسرا علم طب کہاں سے آپ کو حاصل ہوگیا؟ فرمانے لگیں کہ اشعار تو میں نے اپنے والد ماجد سے سیکھے اور وہ عرب کے اشعار سے سب سے زیادہ واقف تھے، عرب کے قبائل سے اور عرب کے اشعار سے سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقف تھے، یہ تو میں نے اپنے والد ماجد سے سیکھے، جہاں تک طب کا تعلق ہے آنحضرت ﷺ جب بیمار ہوتے تو لوگ آ کے مختلف دوائیاں بتایا کرتے تھے آپ کو اور میں یاد کرلیا کرتی تھی، اس طرح مجھے علم طب حاصل ہوگیا۔ (مسند احمد ج:٦ ص:٦٧)

صحابہ کرامؓ وتابعینؒ کا قرآن کریم سے قلبی تعلق

روایتوں میں آتا ہے کہ اہل جنت کبھی مشتاق ہوا کریں گے تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ حضرت ہمیں قرآن کریم سناد یجیے، اپنی کتاب زبور سناد یجیے۔ اسی طرح اس امت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حضرت ابوموسیٰؓ کا قرآن پڑھانا:

”وَأَخْرَجَ أَبُوْيَعْلٰى عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَعَدَ أَبُوْمُوْسٰى الْأَشْعَرِىُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِىْ بَيْتِهٖ وَاجْتَمَعَ اِلَيْهِ نَاسٌ فَانْشَأَ يَقْرَأُ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ قَالَ فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اُعْجِبُكَ مِنْ أَبِىْ مُوْسٰى قَعَدَ فِىْ بَيْتٍ وَاجْتَمَعَ اِلَيْهِ نَاسٌ فَانْشَأَ يَقْرَأُ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَسْتَطِيْعُ أَنْ تُقْعِدَنِىْ حَيْثُ لَا يَرَانِىْ أَحَدٌ مِّنْهُمْ؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَقْعَدَهُ الرَّجُلُ حَيْثُ لَا يَرَاهُ مِنْهُمْ أَحَدٌ۔ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ أَبِىْ مُوْسٰى فَقَالَ اِنَّهٗ يَقْرَأُ عَلٰى مِزْمَارٍ مِنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوٗدَ۔“ (کنز العمال ج:۷ ص:۹۴)

ترجمہ:......"امام ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے اور وہ ان کو قرآن پڑھانے لگے، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا یارسول اللہ! کیا میں آپ کو تعجب میں نہ ڈالوں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان میں بیٹھ گئے، لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے اور وہ ان کے پاس قرآن پڑھنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کیا تو ایسا کرسکتا ہے کہ تو مجھے ایسی جگہ بیٹھا دے جہاں سے ان میں سے کوئی آدمی مجھے نہ دیکھ سکے؟ انہوں نے کہا ضرور کروں گا، پس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، اس آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی جگہ بٹھا دیا کہ جہاں ان میں سے کوئی آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت سنی پھر فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لحن میں سے پڑھ رہے ہیں۔"

لحن داؤدی (علیہ السلام):

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی آواز عطا فرمائی تھی کہ سننے والے اس پر عش عش کر اٹھتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب وہ زبور پڑھتے تھے تو پرندے اپنی اڑان چھوڑ کر اور دوسرے جانور اپنی حرکتیں چھوڑ کر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قرأت سننے لگتے تھے، قرآن کریم میں ہے کہ: "یَاجِبَالُ أَوِّبِیْ مَعَهٗ"

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اے پہاڑو تم ان کے ساتھ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ قرأت کیا کرو۔ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسین آواز والے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔

جنت میں تلاوت کی محفل:

اور روایتوں میں آتا ہے کہ اہل جنت کبھی مشتاق ہوا کریں گے تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ حضرت ہمیں قرآن کریم سنا دیجئے، اپنی کتاب زبور سنا دیجئے۔ اسی طرح اس امت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تلاوت سننا:

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سحری کے وقت یعنی تڑکے کے وقت (تہجد کے وقت) آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ تینوں حضرات مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص لحن سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، یعنی نماز میں قرآن پڑھ رہے ہیں، دیر تک یہ حضرات ان کی قرأت سنتے رہے اور اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَقَدْ أُوتِيَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ اٰلِ دَاوٗدَ۔“ ان کو اللہ تعالیٰ نے سریلا نغمہ اور سریلی آواز عطا فرمائی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی تھی۔

یہ حدیث جو آپ نے اس وقت سنی ہے اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فرمایا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو سنیں تو بہت تعجب فرمائیں گے

فرمایا کیا ہوا؟ اس آدمی نے کہا وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے ہیں، لوگ ان کے پاس اردگرد جمع ہوگئے اور وہ ان کو قرآن سنانے لگے۔

آنحضرت ﷺ فرمانے لگے: کیا تم ایسا کرسکتے ہو کہ مجھے لے جاؤ ایسی جگہ بیٹھا دو جہاں ان میں سے کوئی مجھے نہ دیکھتا ہو؟ اس آدمی نے کہا جی ہاں ضرور ایسا کروں گا، چنانچہ آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ گئے، ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں وہ حضرات نہیں دیکھ رہے تھے، مگر آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ رہے تھے، ان کا قرآن سنا اور سننے کے بعد فرمایا: ''لَقَدْ أُوتِيَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ اٰلِ دَاوٗدَ۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش قسمت تھے جن کی قرأت کو آنحضرت ﷺ سن رہے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کی تحسین فرمارہے تھے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نغمہ (ترنم) کے اعتبار سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی جواب نہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تہجد میں ان کا قرآن سنا کرتے تھے، لیکن یہ آنحضرت ﷺ ہی کا فیض تھا۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کی مثال:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے چلتے چلتے لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ کی مثال ایسی ہے کہ بہت بڑا بادشاہ ہو، اس کے اردگرد کچھ ان کے خلفاءؔ ہوں، کچھ جرنیل ہوں، کچھ معلمین ہوں، اسی طرح آنحضرت ﷺ سے حضرات صحابہ کرامؓ اپنا فن سیکھ رہے تھے، اور اپنا فن دیکھ رہے ہیں، وہ فنون سپاہ گری سیکھ رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت خالد ابن الولید اور حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے

سپاہ سالار بھی تھے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے خلفاءٗ بھی تھے، حضرت ابی ابن کعب، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قاری بھی تھے، معلمین بھی تھے، ایک ہی شخصیت کے گرد یہ الگ الگ ہالے بنے ہوئے تھے، یہ ایک ہی چاند تھا جس کے اردگرد متعدد ہالے بنے ہوئے تھے، لا الہ الا اللہ۔

دوسری روایت میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

’’عَنْ اَنَسٍ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: بَعَثَنِی الْاَشْعَرِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، فَقَالَ عُمَرُ: کَیْفَ تَرَکْتَ الْاَشْعَرِیَّ؟ فَقُلْتُ لَہٗ: تَرَکْتُہٗ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْقُرْآنَ۔ فَقَالَ: اَمَا اِنَّہٗ کَیِّسٌ وَلَا تُسْمِعُھَا اِیَّاہُ، ثُمَّ قَالَ لِیْ: کَیْفَ تَرَکْتَ الْاَعْرَابَ؟ قُلْتُ: اَلْاَشْعَرِیِّیْنَ؟ قَالَ: لَا بَلْ اَھْلُ الْبَصْرَۃِ، قُلْتُ: اَمَا اِنَّھُمْ لَوْ سَمِعُوْا ھٰذَا لَشَقَّ عَلَیْھِمْ! قَالَ: فَلَا تُبَلِّغْھُمْ! فَاِنَّھُمْ اَعْرَابٌ اِلَّا اَنْ یَّرْزُقَ اللّٰہُ رَجُلًا جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔‘‘ (ابن سعد ج:۴ ص:۱۶۲)

ترجمہ:...... ’’حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اشعری کو کس حال میں چھوڑا؟ (کیونکہ ان دنوں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ کے گورنر تھے) میں نے کہا کہ میں نے ان کو اس حال

میں چھوڑا ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن سکھا رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ وہ بہت سمجھدار آدمی ہیں، بہت سمجھدار آدمی ہیں، لیکن یہ بات ان کو نہ بتانا، پھر مجھ سے فرمایا کہ تم نے اعراب کو کیسے چھوڑا؟ (اعراب کہتے ہیں دیہاتی گنواروں کو) میں نے کہا کہ اعراب سے مراد اشعری لوگ ہیں؟ فرمایا: نہیں بصرہ والے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ بات مجھ سے پوچھی تو میں نے کہا کہ حضرت بصرہ والوں کو یہ بات پہنچے گی تو ان کو تکلیف ہوگی، فرمایا کہ ان کو نہ بتاؤ، لیکن اہل بصرہ میں سے جن کو حق تعالیٰ شانہ جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق عطا فرمادیں وہ ان سے مستثنیٰ ہیں۔"

کوفہ اور بصرہ یہ دو چھاؤنیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قائم فرمائی تھیں، یہ دونوں شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم فرمائے تھے اور یہ عراق کا علاقہ تھا، کوفہ میں تو فوجی چھاؤنی قائم فرمائی تھی، جس میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک وقت میں جمع ہوگئے تھے اور بصرہ بھی اس کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر ہے، لیکن ان دونوں شہروں میں علم کا بہت چرچا تھا، اگرچہ غلط آدمی بھی تھے۔

حضرات فقہاءؒ کا اخلاص:

ابن ندیم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ لوگ یہ کہتے تھے کہ حضرت ابوحنیفہؒ کی فقہ اور حضرت عاصم کی قرأت، یہ کوفہ کے پل سے پار نہیں جاسکے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان! کہ ان دونوں نے تو مشرق و مغرب کو ڈھک دیا، آج ہم قرأت کر

رہے ہیں حضرت عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی، بلکہ ہم نہیں، پوری دنیا میں ان کی قرأت پڑھی جارہی ہے، کیونکہ ان کے شاگرد ہیں حضرت حفص رحمہ اللہ، جن کی قرأت حفص عن عاصم کی روایت سے پڑھی جارہی ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی فقہ مشرق و مغرب تک پھیل گئی، بات یہ ہے کہ یہ قبولیت من جانب اللہ ہوتی ہے، آدمی اپنے کسب سے یہ چیز حاصل نہیں کرسکتا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے جو کمال دیا تھا، ان جیسا کمال پوری دنیا میں اس زمانے میں کسی کو نہیں ملا، گم نام تھے، کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ اس شہر میں ایک شخص ابوحنیفہ نامی بھی پیدا ہوگا، لیکن دیکھتے دیکھتے پوری دنیا نے ان کے علم سے استفادہ کیا، ابن ندیم لکھتے ہیں کہ مشرق ومغرب، جنوب وشمال، جبل وسہل، نرم زمین اور پہاڑی زمین، جہاں جہاں علم نظر آتا ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فیض ہے۔

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابی رجاؒ العطاردیؒ سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ اَبِیْ رَجَاءِ الْعَطَارُدِیْ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ: کَانَ اَبُوْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَطُوْفُ عَلَیْنَا فِیْ هٰذَا الْمَسْجِدِ، مَسْجِدَ الْبَصْرَةِ، یَقْعُدُ حِلَقًا فَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ بَیْنَ بُرْدَیْنِ اَبْیَضَیْنِ یُقْرِئُنِی الْقُرْاٰنَ، وَمِنْهُ اَخَذْتُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔“

(ابونعیم فی الحلیۃ ج:۱ ص:۲۵۶)

ترجمہ:...... ”حضرت ابو رجاؒ عطاردیؒ سے منقول ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہمارے پاس اس مسجد یعنی مسجد بصرہ

میں تشریف لاتے اور اس مسجد میں پڑھاتے تھے اور گویا مجھے آج بھی نظر آرہا ہے کہ دو سفید چادریں اوڑھی ہوئی ہیں، ایک تہہ بند اور ایک اوپر چادر اوڑھی ہوئی اور وہ پھر رہے ہیں اور مسجد میں قرآن کریم کے قاریوں کو قرأت پڑھا رہے ہیں، کہنے لگے کہ میں نے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ۔'' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھی تھی۔''

تعلیم قرآن کا اعزاز:

یہاں یہ بات بھی یاد رہے جیسا کہ میں نے بتایا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور حضرت عمار کو کوفہ کا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بصرہ کے گورنر تھے، مسجد میں بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے، ہمارے یہاں یہ چیز عار سمجھی جاتی ہے، بچوں کو قرآن پڑھانا عار سمجھا جاتا ہے، لیکن حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے قرآن پڑھانا شرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کے چار فرائض:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے چار کام بتائے: ''یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ۔'' قرآن کریم کی آیات کی تلاوت، چنانچہ پوری امت نے قرآن کریم آنحضرت ﷺ سے سیکھا اور آج تک آنحضرت ﷺ کا فیض ہے، یہ ملاؤں کا کام نہیں ہے، ہمارے محمد عربی ﷺ کا کام ہے، یہ شرف

حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے عطا فرمایا کہ: ”یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ“ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اور اہل ایمان کو اس کی تعلیم فرماتے تھے، گویا آپ ﷺ میاں جی کا کام بھی کر رہے تھے، ہمارے نزدیک تو یہ میاں جی کا کام ہے، میاں جی صاحب کا۔ نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

آپ حضرات کی نظر میں یہ گھٹیا کام ہے۔ ہمیں بڑے بڑے کام کرنے چاہئیں اور قرآن کریم پڑھانے کے لئے یہ مسجد میں ملّا رکھ دیا ہے اور اس کے لئے فقرے چست کرتے ہیں، نعوذ باللہ۔

”یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ“ ان کو قرآن کریم پڑھاتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابی ابن کعب، سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ تھے، جنھوں نے قرآن کریم، رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یاد کیا تھا ”وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَۃَ“ تو الکتاب یہی قرآن مجید ہی ہے اور الحکمت سے کیا مراد ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی الکتاب کے ساتھ الحکمۃ کا لفظ آیا ہے، وہاں الحکمۃ سے مراد آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہیں، آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کے قاری بھی بنے، کتاب اللہ کے معلم بھی بنے اور حدیث کے حافظ بھی بنے، پانچ لاکھ حدیثیں امام بخاریؒ کو یاد تھیں۔

امام بخاریؒ کا حافظہ:

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے امتحان لینا چاہا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا، دس

آدمیوں کو مقرر کردیا حدیث ایک، سند دوسری اس کے ساتھ جوڑ دی، ایک صاحب نے دس حدیثیں پڑھیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ان احادیث کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: ”لَا أَدْرِیْ“ مجھے پتہ نہیں۔ دوسرے نے اپنی دس حدیثیں پڑھیں، حدیث کوئی اور، سند کوئی اور، لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی سبکی ہوجائے گی، جب یہ سو احادیث ہوگئیں تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تونے پہلی حدیث یہ پڑھی تھی، اس کی سند یہ پڑھی تھی، اس کی سند یہ نہیں ہے، حدیث صحیح ہے اس کی سند یہ نہیں ہے، دس کی دس احادیث کی تصحیح کردی، پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے، پھر تیسرے کی طرف، غرضیکہ دس آدمیوں کی سو احادیث کو صحیح کرکے پڑھا اور ہر ایک کی صحیح سند بیان کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام بخاریؒ کے صحیح احادیث پڑھنے پر تعجب نہیں ہوا، ہمیں تعجب اس پر ہوا کہ غلط احادیث یاد رکھیں، ایک، دو، تین نہیں، بلکہ ایک سے لے کر سو تک اور واقعی بڑی بات ہے، تو یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا۔ تعلیم کتاب میں کتاب سے مراد ہے قرآن کریم اور تعلیم حکمت سے مراد ہے احادیث طیبہ، ”وَیُزَکِّیْھِمْ“ یہ چوتھا کام تھا آنحضرت ﷺ کا، کہ ان کو پاک فرماتے تھے۔

پہلا کام:

پہلا کام قرآن مجید کی تلاوت، یہ قاریوں اور حافظوں نے لے لیا، الحمدللہ آنحضرت ﷺ کے وقت سے لے کر آج تک آنحضرت ﷺ کے اس عمل میں اضافہ ہوا ہے، کمی نہیں ہوئی۔

دوسرا کام:

دوسرا کام کتاب اللہ کا علم، الحمدللہ اس کو فقہاءؒ نے لے لیا، امام ابوحنیفہ، امام

شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ، یہ حضرات قرآن کریم کے سمندر سے ایسے ایسے موتی نکال کر لائے کہ لوگوں کی عقلیں حیران ہوگئیں۔

تیسرا کام:

اور تیسری چیز تعلیم حکمت، یہ خدمت حضرات محدثین کے سپرد کردی، ایک بہت بڑا مجمع ہے جو احادیث طیبہ کو یاد کرنے والا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحیح بخاری ہی کو لیجئے کہ تقریباً بارہ سو صفحے تو اس کے ہیں، اور دو جلدوں میں ہے، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مسند احمد پہلے ٦ چھ جلدوں میں چھپی تھی، اب دس جلدوں میں چھپی ہے، غرض یہ کہ حضرات محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی اس امانت کو سینے سے لگایا، یہ تین فریق بن گئے۔

چوتھا کام:

اور چوتھا فریق تزکیہ کرنے والے، یہ منصب حضرات صوفیاءؒ نے لے لیا، ان حضرات نے کہا کہ اس خدمت کے لئے ہم حاضر ہیں، یہ چار منصب آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے تھے، ان کا سلسلہ آج تک چل رہا ہے اور انشاءاللہ قیامت تک چلتا رہے گا، کافروں نے بہت کوشش کی، انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ یہ علم مٹادیا جائے، ہزارہا نسخے قرآن مجید کے تلف کیے، لیکن دلوں سے کیسے کھرچ سکتے تھے؟ الحمد للہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے بچوں میں سے، سات سال کے بچے قرآن کریم کے حافظ ہیں، میرے پوتے نے اور میری پوتی نے سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا ہے اور یہ میرا کمال نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں تو رسول اللہ ﷺ کا کمال ہے اور دوسرے پھر وراثت کے طور پر میرے والد ماجد صاحب کی دعا ہے۔

میرے والد ماجدؒ کی دعا:

میں ایک جگہ درس دے رہا تھا ظہر کے بعد، مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہا تھا، درس سے فارغ ہوا، دعا ہوئی تو میرے والد صاحب فرمانے لگے ہمارے گھر میں علم آگیا ہے، اب یہ مشکل سے نکلے گا۔ الحمدللہ! مجھ کو تو علم نہیں آیا، لیکن پیچھے والوں کو علم زیادہ آجائے، یہ آنحضرت ﷺ کا فیض ہے۔

یہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے اللہ تعالیٰ نے چار شعبے بیان فرمائے ہیں، باقی مجاہدین جہاد کرنے والے، سپاہ سالار، حکمرانی کرنے والے اور بہت سے شعبے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ سے جاری ہوئے اور الحمدللہ اب تک جاری ہیں۔

اس امت کا شرف:

اللہ کا شکر ہے کہ یہ امت بانجھ نہیں ہوئی اور نہ ہوگی انشاءاللہ! محمد رسول اللہ ﷺ کی امت ہے آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی بڑے بڑے اور اونچے نبی ہوئے اور بے شک ان کے بہت بڑے کمالات ہیں، صاحب کمال ہیں، لیکن ان کا دین مٹ گیا، ان کی شریعت مٹ گئی، ان کی کتابیں مٹ گئیں، بقول ہمارے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے، کہ: بڑے بڑے آئے اور ان میں سے بہت سے بڑے مشکل وقتوں میں آئے، لیکن جو آیا، جانے کے لئے آیا اور ایک آیا جو صرف آنے کے لئے آیا اور وہ آیا، وہ سورج ابھرا اور ابھرتا ہی چلا گیا بڑھتا ہی چلا گیا، دنیا کو ہدایت کی روشنی پھیلاتا رہا اور انشاءاللہ قیامت تک وہ روشنی پھیلتی رہے گی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

رجالِ آخرت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں مختلف حلقے لگے ہوئے تھے، کوئی اپنی دعا کررہا ہے، کوئی استغفار کررہا ہے، کوئی تسبیحات کررہا ہے، کوئی قرآن مجید سکھا رہے ہیں، آنحضرت ﷺ اپنے حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے اور آکر ارشاد فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ مجھے ان کے پاس بیٹھے کا حکم ہوا ہے، میں اللہ تعالیٰ کا حکم لے کرکے آیا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”أَخْرَجَ الطَّبَرَانِیُّ وَأَحْمَدُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ أَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ مُتَّکِیءٌ عَلٰی بُرْدٍ لَہٗ أَحْمَرُ فَقُلْتُ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنِّیْ جِئْتُ أَطْلُبُ الْعِلْمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ.....الخ۔“ (الترغیب والترہیب ج:۱ ص:۵۹)

ترجمہ:......”طبرانی اور امام احمد نے حضرت صفوان ابن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور سرخ دھاریوں کی چادر کا تکیہ بنایا ہوا تھا (لیٹے ہوئے تھے)، میں نے خدمت میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں طلب علم کے لئے آیا ہوں، یعنی علم حاصل کرنے کے لئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا مرحبا ہو طالب علم کے لئے اور آگے پورا قصہ ذکر کیا ہے۔“

امام ترمذیؒ نے اس کی تفصیل کے لئے ابوہارون کی درج ذیل روایت نقل کی ہے:

''عَنْ اَبِیْ هَارُوْنَ قَالَ: كُنَّا نَأْتِیْ اَبَا سَعِيْدٍ فَيَقُوْلُ مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا يَأْتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّيْنِ وَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصَوْا بِهِمْ خَيْرًا۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ: يَأْتِيْكُمْ رِجَالٌ مِّنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ يَتَعَلَّمُوْنَ فَاِذَا جَاؤُوْكُمْ فَاسْتَوْصَوْا بِهِمْ خَيْرًا۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۹۳)

ترجمہ:...... ''حضرت ابو ہارونؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مرحبا ہو ان لوگوں کو جن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی اور پھر فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپؐ نے فرمایا کہ لوگ تمہارے تابع ہیں اور دور دور سے لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے اور جب لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آئیں تو تم ان کو مرحبا کہو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مشرق سے تمہارے پاس لوگ طلب علم کے لئے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کو سب کے لئے خیر کی وصیت کرو۔''

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آتے تو ان کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ آنے والوں کو مرحبا کہتے

تھے، آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد طلب علم کے لئے آنے والوں کے لئے پیش گوئی فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا کہ لوگ تمہارے پاس طلب علم کے لئے آئیں گے لہٰذا جب وہ آئیں تو ان کو مرحبا کہو اور جیسا کہ اگلی حدیث میں آتا ہے کہ ہمیں حضور اقدس ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ ہم ان کے لئے مجلس کو کشادہ کرلیا کریں اور ان کو بات سمجھایا کریں، اس لئے کہ وہ ہمارے اخلاف ہیں اور ہمارے بعد آئیں گے، حضرت ابوسعید خدریؓ فرمایا کرتے تھے بھائی اگر کسی کو بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو سمجھ لے، اس لئے کہ بغیر سمجھے مجلس سے اٹھ جانا صحیح نہیں ہے، سمجھنا ضروری ہے۔

ابن ماجہ میں ایک روایت ہے:

حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کی عیادت کے لئے ان کے مکان پر گئے اور اتنے آدمی تھے کہ پورا گھر بھر گیا، حضرت حسن بصریؒ فرمانے لگے کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ بیمار تھے ان کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے، تو اتنے آدمی تھے کہ ان کا گھر بھر گیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں حدیثیں سنائی کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ کروٹ پر لیٹے ہوئے تھے اور ہم اتنے آدمی ہوگئے کہ آنحضرت ﷺ کا پورا گھر بھر گیا، آنحضرت ﷺ نے پاؤں پھیلائے ہوئے تھے، پاؤں سمیٹ لئے اور اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پاؤں سمیٹ لئے۔

حضرت حسن بصریؒ نے بھی اسی سنت پر عمل کرتے

ہوئے پاؤں سمیٹ لئے اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس لوگ آئیں تو ان کو مرحبا کہو، حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی طرح آنے والوں کو مرحبا کہا کرتے تھے، لیکن ان کے بعد یہ معمول ختم ہوگیا، اب ہم لوگوں کے پاس جاتے ہیں، تو کوئی مرحبا نہیں کہتا۔‘‘

اخلاص میں بھی کمی آگئی، علم کے رنگ میں بھی کمی آگئی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے لئے وصیت فرمائی تھی، یہ وہ لوگ تھے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے آتے تھے، محض رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا دین سیکھنے کے لئے آتے تھے، بعد میں لوگوں کی اغراض مختلف ہوگئیں، کوئی کسی مقصد کے لئے آتا ہے، کوئی کسی مقصد کے لئے آتا ہے، ہونا یہ چاہئے کہ جو شخص دین کا علم سیکھنے کے لئے خالص نیت سے آئے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے مرحبا کہا جائے اور اگر آنحضرت ﷺ کی سنت سیکھنے کے لئے نہیں آتا یا دین سیکھنے کے لئے نہیں آتا تو ظاہر ہے کہ وہ مستحق نہیں ہے مرحبا کہلانے کا۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے:

’’عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ: کَانَ اَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لَا یُحَدِّثُ حَدِیْثًا اِلَّا تَبَسَّمَ فِیْہِ۔ فَقُلْتُ لَہٗ: اِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ یُحَمِّقَکَ النَّاسُ۔ فَقَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُحَدِّثُ بِحَدِیْثٍ اِلَّا تَبَسَّمَ فِیْہِ۔‘‘

(مسند احمد ج:۵ ص:۱۹۹)

ترجمہ:......’’ام درداؓ (حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ہیں اور یہ دو ہیں، ام دردا دو ہیں، ایک چھوٹی، ایک

بڑی، ام دردا جو بڑی تھیں وہ رسول اللہ ﷺ کی صحابیہ تھیں اور جو چھوٹی تھیں یہ صحابیہ نہیں تھیں) فرماتی ہیں کہ ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب حدیث بیان فرماتے تھے تو مسکراتے تھے، میں نے کہا کہ لوگ کہیں گے کہ پاگل ہے کہ یہ ہر بات پر مسکراتا ہے، لہٰذا احمق کہیں گے، فرمایا کہ: (کہتے ہیں تو کہتے پھریں، میں نے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے) آنحضرت ﷺ جب بھی کوئی بات ارشاد فرماتے تھے تو مسکرا کر فرماتے تھے۔"

تو آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے لئے میں نے یہ معمول اپنایا ہے، جب بھی کوئی بات کرتا ہوں، مسکرا کر کرتا ہوں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عجیب شان تھی، وہ حضرات آنحضرت ﷺ کو جس حالت میں دیکھ لیتے تھے، ہمیشہ اس کی نقل اتارتے تھے، آنحضرت ﷺ کے طریقے کو اپناتے تھے، جس طرح آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر بات کی، اس طرح بیٹھ کر بات کرتے تھے اور جس طرح کھڑے ہو کر بات کی، اسی طرح کھڑے ہو کر بات کرتے تھے، مسکرا کر بات کی، مسکرا کر بات کرتے تھے۔ غصہ اور جلال میں بات کی، تو غصہ اور جلال میں بات کرتے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت ﷺ کا پورا نقشہ اتار دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ایک ایک بات جس طرح ارشاد فرمائی تھی بعینہٖ اسی طرح نقل کرتے تھے۔

علم کی مجالس اور علماءؒ کے ساتھ ہم نشینی:

ایک روایت میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اَيُّ جُلَسَائِنَا خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللّٰهَ رُؤْيَتُهُ، وَزَادَ فِيْ عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهُ، وَذَكَّرَكُمْ بِالْاٰخِرَةِ

عَمَلُهٗ۔‘‘ (حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۳۰۴)

ترجمہ:......’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ کہ ہمارے ہم نشینوں میں سے کون سا ہم نشین زیادہ بہتر ہے کہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور اس کے ساتھ ہم نشینی کی جائے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارا ہم نشین سب سے بہتر وہ ہے جس میں تین باتیں پائی جائیں، (۱) اس کا دیدار، یا اس کی زیارت، یا اس کو دیکھنا، اللہ کو یاد دلادے، یعنی جس کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے، (۲) جب وہ بولے تو تمہارے علم میں اضافہ ہوجائے یعنی جب وہ بات کرے تو اس کے بات کرنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہوجائے، (۳) اس کا عمل تمہیں آخرت یاد دلادے (یہ آدمی رجال آخرت میں سے ہے)۔‘‘

ہمارے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ مولانا ادریس کاندھلویؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے (میں نے حضرت سے خود سنا ہے) کہ یہ صاحب یعنی مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ رجال آخرت میں سے ہیں، ان کو دنیا کا پتہ ہی کوئی نہیں تھا اور جب بات بیان کرتے تھے، تقریر کرتے تھے تو واقعتاً مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ حافظ ابن حجرؒ بات کررہے ہیں اور بھولے اتنے تھے کہ ان کے ایک صاحب زادے کے پاس سائیکل تھی، اور وہ ان سے پیسے لے لیتے تھے، ایک دن فرمایا یہ کیوں لے رہے ہو؟ صاجزادے کہنے لگے: پٹرول ڈالنا ہے سائیکل میں، حضرت کی سادگی دیکھئے کہ ان کے بیٹے ان سے پٹرول ڈالنے کے لئے پیسے لے لیتے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا سب سے بہتر ہم نشین وہ ہے کہ اس کا دیدار تمہیں اللہ کی یاد

دلا دے، اور اس کی بات تمہارے علم میں اضافہ کرے، اور اس کا عمل دیکھ کر آخرت یاد آجائے کہ یہ آدمی آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، دنیا کے لئے نہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ قَالَ: كَانَ اَنَسٌ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ مِمَّا يَقُوْلُ لَنَا اِذَا حَدَّثَنَا هٰذَا الْحَدِيْثَ: اِنَّهُ وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِالَّذِىْ تَصْنَعُ اَنْتَ وَاَصْحَابُكَ. يَعْنِىْ يَقْعُدُ اَحَدُكُمْ فَيَجْتَمِعُوْنَ حَوْلَهٗ فَيَخْطُبُ! اِنَّمَا كَانُوْا اِذَا صَلُّوا الْغَدَاةَ قَعَدُوْا حِلَقًا حِلَقًا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ۔“ (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۳۲)

ترجمہ:......”یزید رقاشی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ تم لوگ کس طرح بیٹھتے ہو؟ میری عقل میں نہیں آتا، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھتے تھے تو حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے، جتنے آدمی بڑھتے جاتے تھے، اتنا ہی حلقہ بڑھتا جاتا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے، گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں، اگر ہل جائیں گے تو پرندے اڑ جائیں گے، اتنے سکون اور وقار کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور وہ حضرات جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تو الگ الگ حلقے بن جاتے تھے، کیونکہ سارے تو قرآن مجید نہیں پڑھے ہوتے تھے، کسی نے پڑھا ہے اور کسی نے نہیں پڑھا، تو الگ الگ حلقے بن جاتے تھے اور ان حلقوں میں قرآن کریم کا مذاکرہ ہوتا تھا، سنت کا مذاکرہ ہوتا تھا، دین کی باتوں کا مذاکرہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ سورج نکل جاتا اور وہ لوگ اشراق پڑھ کر نکل جاتے، باہر گھروں کو چلے جاتے۔

لیکن اب تم لوگ کس طرح بیٹھتے ہو ہمارے ساتھ، جیسا کہ آپ لوگوں کو

معلوم ہے کہ ہم لوگ گھروں کو چلے جاتے ہیں، کچھ لوگ ہوتے ہیں جو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اشراق پڑھ کر کے جاتے ہیں، ورنہ نماز سے فارغ ہوئے ابھی امام نے دعا مانگ کر کے ہاتھ منہ پر نہیں پھیرا اور اٹھ کر چلے گئے، بہر حال ہمارے درمیان اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رنگ میں بہت فرق آ گیا، یہاں تو ہماری مسجد میں پھر بھی اللہ کا فضل ہے، لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، باتیں واتیں نہیں ہوتیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، تسبیحات پڑھتے ہیں، ورنہ بہت سی مسجدوں میں دیکھا ہے کہ یہاں جتنا دیر مسجد میں بیٹھیں گے، باتیں کریں گے، بعض لوگوں کو احساس نہیں ہوتا کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہیں اور مسجد اللہ کا گھر ہے۔

میں نے آپ حضرات کی خدمت میں کئی دفعہ یہ بات عرض کی ہے یہ ہمارے سامنے تھانہ ہے، تھانے دار بہت معمولی سا افسر ہوتا ہے، بہت معمولی سا، لیکن وہاں جا کر لوگ نہیں شور مچاتے، بلکہ اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، کسی کو کوئی بات کہنی ہے، تو وہ درخواست پیش کرتا ہے، اور بڑی عدالت میں بھی یہی ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے کبھی کسی عدالت میں شور مچاتے ہوئے واہیات باتیں کرتے ہوئے کبھی کسی کو نہیں دیکھا ہوگا، یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، یہاں جس ادب کے ساتھ، جس وقار کے ساتھ، جس اطمینان کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے، اس طرح لوگ نہیں بیٹھتے الا ماشاءاللہ اور خاص طور سے ہمارے پنجاب میں تو لوگوں کی عادت ہے باتیں کرنے کی، مسجد میں آتے ہیں باتیں کرتے ہیں۔

یہاں نہیں تو وضوخانہ میں تو ایسا کرتے ہوں گے، یہ ہماری مسجد میں حاضری کا حال ہے، جب مسجد میں حاضر ہو کر ہم مسجد کا ادب نہیں کرتے، تو دل میں نورانیت کیسے پیدا ہو؟ اور رسول اللہ ﷺ والی بات ہم میں کیسے آئے؟ دل یقین سے خالی ہوگئے، آخرت کا یقین اور مرنے کے بعد قبر میں تنہا جانا اور وہاں

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا سوال و جواب کرنا، اس کا احساس ہی نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

”عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: کُنْتُ فِیْ عِصَابَۃٍ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ جَالِسًا مَعَھُمْ، وَاِنَّ بَعْضَھُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْیِ وَقَارِیءٌ لَنَا یَقْرَأُ عَلَیْنَا، فَکُنَّا نَسْمَعُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ مَعَھُمْ نَفْسِیْ۔ قَالَ: فَاسْتَدَارَتِ الْحَلْقَۃُ وَبَرَزَتْ وُجُوْھُھُمْ۔ قَالَ: فَمَا عَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَدًا مِنْھُمْ غَیْرِیْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَبْشِرُوْا مَعَاشِرَ صَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ! تَدْخُلُوْنَ قَبْلَ الْاَغْنِیَآءِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَذٰلِکَ خَمْسُمِائَۃِ عَامٍ۔“ (مسند احمد ج:۳ ص:۶۳)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں حلقہ لگا ہوا تھا بلکہ مختلف حلقے لگے ہوئے تھے، کوئی اپنی دعا کر رہا ہے، کوئی استغفار کر رہا ہے، کوئی تسبیحات کر رہا ہے، کوئی قرآن مجید سکھا رہے ہیں، آنحضرت ﷺ اپنے حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے اور آ کر ارشاد فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہوا ہے، میں اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر کے آیا ہوں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بیچارے ایسے تھے کہ ان کے پاس ستر ڈھکنے کے لئے پورا کپڑا نہیں تھا، اس لئے ایک دوسرے کی اوٹ میں بیٹھے تھے آنحضرت ﷺ جب تشریف لائے اور جب یہ بات ارشاد فرمائی تو صحابہ کرام نے حلقہ بنالیا، کیونکہ معمول مبارک یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ جب پاس بیٹھتے تھے

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حلقہ بنالیا کرتے تھے، لیکن ان کے بدن برہنہ تھے، کپڑا پورا نہیں تھا، ایسے ڈھک ڈھکا کر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھ گئے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوائے میرے آنحضرت ﷺ کسی کو نہیں پہچان سکے، صرف ایک آدمی کو یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانا، باقی کسی کو نہیں پہچانا، آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حلقہ بنا کر بیٹھ گئے، جیسی بھی حالت تھی، معمولی کپڑا تھا یا کوئی ننگا ہی تھا، صرف چادر پہنی ہوئی تھی، لنگی پہنی ہوئی تھی، باقی سارا بدن ننگا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بیٹھتے ہی ارشاد فرمایا کہ اے کمزور مہاجرین، نادار مہاجرین، تم کو مبارک ہو، تم دوسرے لوگوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جاؤ گے۔

اور یوں ارشاد فرمایا کہ آدھا دن ہے پانچ سو سال کا، کیونکہ ایک دن ہے ایک ہزار سال کا، یہ بھی اس حدیث میں فرمایا ہے، ورنہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا، پچاس ہزار سال کا ایک دن اور آنکھیں آسمان پر اٹھی ہوئی ہوں گی، ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی آدمی ایک دوسرے کو دیکھ سکے، لیکن بعض اللہ کے بندوں کے لئے یہ پچاس ہزار سال کا دن ایسا چھوٹا ہو جائے گا جیسے چار رکعت نماز عصر کی پڑھ لی بس۔

بہرحال جو حضرات کہ فقیر ہیں، نادار ہیں، کھانے کے لئے روٹی نہیں، پہننے کے لئے کپڑا نہیں، حق تعالیٰ شانہ کی نوازش ان پر ہے، وہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں جائیں گے، لوگ اپنے حساب وکتاب میں پھنسے ہوئے ہوں گے اور وہ اڑتے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے، وہاں اللہ تعالیٰ ان کو لباس بھی عطا فرمائیں گے اور جنت میں جا کر وہ نامعلوم کتنی دیر پہلے استراحت بھی فرمائیں گے، اس وقت یہ چاہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں کچھ بھی نہ ملا ہوتا، یہ آخرت کا اجر ہمیں مل جاتا، ویسے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمانے والے ہیں۔

بھائیو! ہماری ساٹھ سال کی عمر ہوگی، یا ستر سال کی اور زیادہ سے زیادہ اسی سال کی عمر ہوجائے گی، کہاں تک پہنچیں گے؟ اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ذرا غور فرمایئے اور کتنے لوگ گزر چکے ہیں اور ہمارے بعد کتنے لوگ آئیں گے، اتنی سی زندگی کے لئے ہم نے اپنے دین اور ایمان کو خراب کردیا ہے، کسی کی عمر پچاس سال ہے، کسی کی ساٹھ سال ہے، کسی کی ستر سال ہے، اتنی سی بات کے لئے اپنے آپ کو برباد کرلیا ہم نے اور لگ گئے محلات بنانے میں، لگ گئے فلاں چیز میں، کہیں علمائے کرام کا مذاق اڑا رہے ہیں، کہیں کوئی بات کررہے ہیں، کہیں کوئی بات کررہے ہیں۔ پندرہ سال تو آدمی کے ہوتے ہیں بالغ ہونے کے، پندرہ سال کے بعد اس کا حساب و کتاب شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد پھر اس کا اعمال نامہ لکھا جانا شروع ہوجاتا ہے اور ایک ایک بات اس کی لکھ لی جاتی ہے۔

میرے بھائیو! ذرا غور فرماؤ کہ کتنے دن ہم دنیا میں رہے اور کتنے دن کے لئے رہیں گے، کہیں کسی سے لڑائی ہے، کہیں کسی کے ساتھ جھگڑا ہے، کسی کے ساتھ فساد ہے، کسی کے ساتھ کچھ ہے، کسی کے ساتھ کچھ ہے، لیکن ان چند دنوں کے لئے جو ہم یہاں آئے، اس کو بھی خراب کرکے چلے گئے، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

”عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَیْنِ فِیْ مَسْجِدِہٖ، اَحَدُ الْمَجْلِسَیْنِ یَدْعُوْنَ اللّٰہَ وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ، وَالْاٰخَرُ یَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْہَ وَیُعَلِّمُوْنَہٗ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کِلَا الْمَجْلِسَیْنِ عَلٰی خَیْرٍ، وَاَحَدُھُمَا اَفْضَلُ مِنَ الْاٰخَرِ صَاحِبِہٖ اَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَدْعُوْنَ اللّٰہَ وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاھُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَھُمْ۔ وَاَمَّا ھٰؤُلَاءِ فَیَتَعَلَّمُوْنَ وَیُعَلِّمُوْنَ الْجَاھِلَ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔“

(مشکوٰۃ ص:۳۶)

ترجمہ:......’’حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ مجلس میں دو قسم کے لوگ ہیں کچھ لوگ تو اپنے ذکر اذکار میں لگے ہوئے ہیں، دعا و استغفار میں لگے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ سیکھنے سکھانے میں لگے ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دو مجلسیں ہیں ایک ذکر اذکار کرنے والوں کی ہے یہ اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں اب اللہ کی مرضی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کتنا دیتا ہے، کتنا نہیں دیتا اور ایک مجلس پڑھنے پڑھانے، سیکھنے سکھانے والوں کی ہے قرآن مجید پڑھا رہے ہیں، ایک دوسرے کو احادیث سیکھا رہے ہیں، فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا ہے یہ فرما کر آنحضرت ﷺ اس جماعت میں بیٹھ گئے، جو کہ پڑھا رہے ہیں۔‘‘

ایک اور روایت میں ہے:

’’وَاَخْرَجَ عَبْدُالرَّزَّاقِ وَابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ اَبَا مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اَتٰی عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ بَعْدَ الْعِشَاءِ، فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: مَا جَاءَ بِکَ؟ قَالَ: جِئْتُ اَتَحَدَّثُ اِلَیْکَ۔ قَالَ: هٰذِهِ السَّاعَةَ؟ قَالَ: اِنَّهٗ فِقْهٌ! فَجَلَسَ عُمَرُ فَتَحَدَّثَا طَوِیْلًا، ثُمَّ اِنَّ اَبَا مُوْسٰی قَالَ: الصَّلَاةَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! قَالَ: اِنَّا فِیْ صَلَاةٍ۔‘‘ (   )

ترجمہ:......’’عبدالرزاق وابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ عشاءؔ کی نماز ہوچکی

تھی، عشاءؔ کی نماز کے بعد کا وقت تھا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لئے آیا ہوں حضرت نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اب کوئی بیٹھنے کا وقت ہے اور کہنے لگے کہ فقہ کے کچھ مسائل ہیں ان کے بارے میں گفتگو کرنی ہے، فرمایا بیٹھ جاؤ دیر تک گفتگو ہوئی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے رہے، اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ نے اجازت لی اور ساتھ ہی کہا کہ حضرت آپ چاہیں تو ساتھ ہی تہجد کی نماز پڑھ لیتے ہیں، تہجد کا وقت ہو گیا ہے فرمایا جب سے تہجد ہی پڑھ رہے تھے اور کیا ہو رہا تھا؟ جب سے تم میرے پاس بیٹھے تھے، جب سے تہجد ہی ہو رہی تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عجیب شان تھی۔

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ: اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ ابْتِغَاءَ الْعِلْمِ، فَدَخَلْتُ مَسْجِدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا النَّاسُ فِيْهِ حِلَقٌ يَتَحَدَّثُوْنَ. فَجَعَلْتُ اَمْضِى الْحِلَقَ حَتّٰى اَتَيْتُ حَلْقَةً فِيْهَا رَجُلٌ شَاحِبٌ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ كَاَنَّمَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ. قَالَ: فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ: هَلَكَ اَصْحَابُ الْعُقْدَةِ، وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! وَلَا اٰسٰى عَلَيْهِمْ. اَحْسِبُهٗ قَالَ مِرَارًا. قَالَ: فَجَلَسْتُ اِلَيْهِ فَتَحَدَّثَ بِمَا قُضِىَ لَهٗ ثُمَّ قَامَ. قَالَ: فَسَأَلْتُ عَنْهُ بَعْدَ مَا قَامَ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا سَيِّدُ الْمُسْلِمِيْنَ اُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ. رَضِىَ اللهُ عَنْهُ. قَالَ: فَتَبِعْتُهٗ حَتّٰى اَتٰى مَنْزِلَهٗ، فَاِذَا هُوَ رَثُّ الْمَنْزِلِ، رَثُّ الْهَيْئَةِ، فَاِذَا رَجُلٌ زَاهِدٌ مُنْقَطِعٌ يُشْبِهُ اَمْرُهٗ بَعْضُهٗ بَعْضًا. فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَىَّ السَّلَامَ ثُمَّ سَأَلَنِى مِمَّنْ اَنْتَ؟ قُلْتُ: مِنْ

اَهْلِ الْعِرَاقِ۔ قَالَ: اَکْثَرُ مِنِّی سُؤَالًا۔ قَالَ: لَمَّا قَالَ ذٰلِکَ غَضِبْتُ۔ قَالَ: فَجَثَوْتُ عَلٰی رُکْبَتَیَّ وَرَفَعْتُ یَدَیَّ ھٰکَذَا، وَصَفَ حِیَالَ وَجْھِهٖ۔ فَاسْتَقْبَلْتُ الْقِبْلَةَ۔ قَالَ: قُلْتُ: اللّٰھُمَّ! نَشْکُوْھُمْ اِلَیْکَ۔ اِنَّا نُنْفِقُ نَفَقَاتِنَا وَنُنْصِبُ اَبْدَانَنَا وَنَرْحَلُ مَطَایَانَا ابْتِغَاءَ الْعِلْمِ۔ فَاِذَا لَقِیْنَاھُمْ تَجَھَّمُوْا لَنَا وَقَالُوْا لَنَا۔ قَالَ: فَبَکٰی اُبَیٌّ وَجَعَلَ یَتَرَضَّانِیْ وَیَقُوْلُ: وَیْحَکَ! لَمْ اَذْھَبْ ھُنَاکَ۔ لَمْ اَذْھَبْ ھُنَاکَ۔ قَالَ: ثُمَّ قَالَ: اللّٰھُمَّ! اِنِّیْ اُعَاھِدُکَ لَئِنْ اَبْقَیْتَنِیْ اِلٰی یَوْمِ الْجُمُعَةِ لَأَتَکَلَّمَنَّ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَخَافُ فِیْهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ قَالَ: لَمَّا قَالَ ذٰلِکَ انْصَرَفْتُ عَنْهُ وَجَعَلْتُ اَنْتَظِرُ الْجُمُعَةَ۔ فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ الْخَمِیْسِ خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَاِذَا السِّکَکُ غَاصَّةٌ مِنَ النَّاسِ لَا اَجِدُ سِکَّةً اِلَّا یَلْقَانِیْ فِیْهَا النَّاسُ۔ قَالَ: قُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ قَالُوْا: اِنَّا نَحْسَبُکَ غَرِیْبًا۔ قَالَ: قُلْتُ: اَجَلْ۔ قَالُوْا: مَاتَ سَیِّدُ الْمُسْلِمِیْنَ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ۔ قَالَ جُنْدُبٌ: فَلَقِیْتُ اَبَا مُوْسٰی رضی اللہ عنہ بِالْعِرَاقِ فَحَدَّثْتُهُ حَدِیْثَ اُبَیٍّ۔ قَالَ: وَا لَھْفَاهُ! لَوْ بَقِیَ حَتّٰی تَبْلُغَنَا مَقَالَتَهُ۔“

(حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۳۰۷،۳۰۸)

ترجمہ:......”حضرت جندل ابن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ لوگ مختلف حلقوں میں بیٹھے باتیں کررہے ہیں، ایک حلقہ میں گیا، دوسرے حلقہ میں گیا، تیسرے حلقہ میں گیا،

لیکن کوئی بات مجھے پسند نہ آئی، لیکن اسی کے بعد میں ایک اور حلقہ میں گیا تو میں وہاں بیٹھ گیا وہ ایک بزرگ بات کررہے تھے، اٹھ کر کے چلے گئے، کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کر کے چلے گئے، میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ میں کوفہ سے گیا تھا، لوگوں نے کہا کہ سیدالمسلمین، مسلمانوں کے سردار ابی ابن کعب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ اٹھ کر گئے، تو میں ان کے پیچھے چلا گیا، ان کے گھر کو دیکھا تو وہ اتنا ٹوٹا پھوٹا اور اتنا شکستہ تھا کہ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ اس مکان میں رہتے ہیں! مجھے کہنے لگے کہ کچھ کہنا ہے میں نے کہا کہ میں کوفہ سے آیا ہوں، فرمانے لگے کہ کوفہ کے لوگ تو مجھ سے بہت سوال کیا کرتے ہیں، میں نے اس طرح ہاتھ اٹھا لئے اور کہا کہ یااللہ میں آپ سے شکایت کرتا ہوں کہ میں آیا تھا دین سیکھنے کے لئے اور مجھے یہ جواب دے رہے ہیں، یہ بات سن کر کے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور مجھے منانے لگے کہ بھائی میرا مطلب یہ تھا، میرا مطلب یہ تھا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ اگر میں اگلے جمعہ تک زندہ رہا تو تم سے احادیث بیان کروں گا اور اس طرح احادیث بیان کروں گا کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا مجھے اندیشہ نہیں ہوگا، صاف صاف بات کروں گا، میں نے کہا اچھا، اور پھر میں واپس چلا آیا، جمعرات تھی جمعہ سے ایک دن پہلے اپنی ضرورت کے لئے نکلا تو جدھر دیکھتا ہوں اور جو بازار دیکھتا ہوں بھرا ہوا ہے، میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ آج بازار کیوں بھرے ہوئے ہیں؟ ان

صاحب نے کہا کہ تم اجنبی آدمی ہو؟ میں نے کہا کہ اجنبی ہوں، کہنے لگے کہ ابی ابن کعبؓ کا انتقال ہوگیا ہے، انہوں نے کہا تھا کہ اگر اگلے جمعہ تک زندہ رہا تو اگلا جمعہ آیا ہی نہیں۔''

ان صاحب نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھنا چاہا لیکن وہ لازمی بات ہے، کمزور تھے فرمایا اگلے جمعہ بیان کروں گا ماشاءاللہ اور یہ معلوم ہی نہیں کہ اگلا جمعہ آئے گا بھی کہ نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہی کیفیت تھی، معلوم ہوتا تھا کہ رجال آخرت ہیں، دنیا کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، بلکہ آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے ان کے لئے فرمایا تھا: ''أَقْرَءُهُمْ أُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ'' میری امت کا سب سے بڑا قاری ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں خود انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا تھا اور دین کے مسائل معلوم کئے تھے، اس لئے فرمایا تھا کہ سب سے بڑے قاری ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ''وَأَفْرَضُهُمْ زَیْدُ ابْنُ ثَابِتٍ'' سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والے زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ''وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ ابْنُ جَبَلٍ'' حلال اور حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ: خَطَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ النَّاسَ بِالْجَابِیَةِ وَقَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ! مَنْ اَرَادَ اَنْ یَسْأَلَ عَنِ الْقُرْاٰنِ فَلْیَأْتِ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ، وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَسْأَلَ عَنِ الْفَرَائِضِ فَلْیَأْتِ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ، وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَسْأَلَ عَنِ الْفِقْهِ فَلْیَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ، وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَسْأَلَ عَنِ الْمَالِ فَلْیَأْتِنِی فَاِنَّ اللّٰہَ جَعَلَنِی لَهُ وَالِیًا

وَقَاسِمًا۔" (حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۳۰۱)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام میں تشریف لے گئے، تو جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ: لوگو! جس شخص کو قرآن کریم کے بارے میں کوئی بات پوچھنی ہو، وہ ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائے اور جس شخص کو فرائض کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائے اور جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو وہ معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جائے اور اگر کسی کو مال کی ضرورت ہو تو وہ میرے پاس آجائے، اس لئے کہ اللہ نے مجھے مال کا والی اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب سے افضل اور اولیٰ تھے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "ازالۃ الخفا" میں باقاعدہ اول سے لے کر آخر تک پوری فقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج کردی ہے، وضو سے لے کر فرائض تک، تمام کے تمام مسائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کردیئے ہیں اور خود ارشاد فرماتے تھے کہ: اب کیا کروں مصیبت یہ ہے کہ میرے ذمہ خلافت کا بوجھ ہے، ورنہ کسی مسجد میں مؤذن ہوتا، خلافت کا بوجھ میرے ذمہ نہ ہوتا تو کسی مسجد میں مؤذنی کیا کرتا۔ بس اسی پر ختم کرتا ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اپنی اصلاح کی فکر کی ضرورت!

جس شخص کی نظر اپنے عیوب پر ہو وہ دوسروں کے عیوب سے اندھا ہوجاتا ہے، اور جس کی نظر دوسروں کے عیوب پر جائے وہ اپنے آپ سے اندھا ہوجاتا ہے، اور دوسروں کے اندر اگر عیوب ہیں تو یہ اس کے لئے عار کی بات ہوگی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،اور اگر ہمارے اندر عیب ہوگا تو یہ ہمارے لئے عار کی بات ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں دوسروں کے عیوب کی تو فکر ہے، اپنے عیب کی فکر نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

فَمِنْ حَدِيْثِ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! زِدْنِیْ۔ قَالَ: قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا۔ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! زِدْنِیْ۔ قَالَ: لِیَرُدَّکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُہٗ مِنْ نَّفْسِکَ وَلَا تَجِدُ عَلَیْھِمْ فِیْمَا تَأْتِیْ وَکَفٰی بِکَ عَیْبًا اَنْ تَعْرِفَ مِنَ النَّاسِ مَا تَجْھَلُہٗ مِنْ نَّفْسِکَ وَتَجِدَ عَلَیْھِمْ فِیْمَا تَأْتِیْ، ثُمَّ ضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی صَدْرِیْ فَقَالَ: یَا اَبَا ذَرٍّ! لَا عَقْلَ کَالتَّدْبِیْرِ وَلَا وَرَعَ کَالْکَفِّ وَلَا حَسَبَ کَحُسْنِ الْخُلُقِ۔" (کنزل العمال ج:۳ ص:۱۸۹)

ترجمہ:......"حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کچھ مزید ارشاد فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ: حق کہو اگرچہ کڑوا ہو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کچھ اور اضافہ کیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس عیب کو تو اپنے اندر پاتا ہے اور تجھے اس کا علم ہے تو تجھے

اپنے نفس کے عیب کا علم ہونا دوسروں کے عیوب بیان کرنے سے روک دے، اور فرمایا کہ جو کام خود کرتے ہو اس کام کے دوسروں کے کرنے پر اظہار ناراضگی نہ کرو، اور تیرے عیب کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تو اپنے نفس کے عیب سے ناواقف ہو اور لوگوں کے عیب سے واقف ہو، اور خود کرے تو تجھے اپنے اوپر غصہ نہ آئے اور لوگ کریں تو تجھے اس پر غصہ آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا: تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل نہیں ہے اور ممنوع چیزوں سے رکنے سے بڑھ کر کوئی پرہیز گاری نہیں اور حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی حسب نہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ حق کا سننا دوسروں کے لئے ناگوار ہوگا اور جب تم حق بات کہو گے تو یقیناً حق بات ان کو بری لگے گی۔

سب سے آسان کام:

میں پہلے ایک دفعہ عرض کرچکا ہوں کہ دنیا میں سب سے آسان کام دوسروں کو نصیحت کرنا ہے اور سب سے مشکل کام نصیحت کو قبول کرنا ہے، اس سے زیادہ مشکل کوئی کام نہیں کہ ہمیں کوئی نصیحت کرے تو ہم دل کی گہرائیوں سے اس کو قبول کرلیں، بلکہ اس کی نصیحت کو سن کر ہمارے چہرے پر شکنیں آئیں گی، تغیر پیدا ہوگا اور کچھ نہ کچھ اپنی زبان مبارک سے اس کے بارے میں ارشاد فرمائیں گے، کبھی تو ایسا ہوگا کہ ہم اپنے فعل کی کوئی نہ کوئی تاویل تراشیں گے کہ دراصل یہ کام میں اس لئے کر رہا ہوں اور کوشش کریں گے کہ اس تاویل کے ذریعہ سے اپنے آپ کو فرشتہ معصوم ثابت کریں کہ مجھ میں کوئی غلطی نہیں ہے، بھائی میرے اندر تو خطا اور غلطی کا امکان ہی نہیں ہے، اور کبھی ایسا ہوگا کہ ہم نصیحت کرنے والے کو اس سے دوگنا سنائیں گے

کہ آپ ذرا اپنے گھر کی خبر لیجئے! ذرا اپنی حالت دیکھئے! اور اگر کچھ بھی نہ کریں اور زبان سے بھی اس کو کچھ نہ کہیں اور چہرے میں تغیر بھی پیدا نہ ہو تو دل میں تغیر ضرور پیدا ہوگا، ہم یوں سمجھیں گے کہ اس نے ہماری توہین کردی، یہ ساری باتیں میں اپنے بارے میں کہہ رہا ہوں، تمہارے بارے میں نہیں کہہ رہا، میں اپنی بات کر رہا ہوں۔

تو کسی صاحب کی نصیحت سن کر یا تو ہمارے چہرے میں تغیر پیدا ہوگا یا ہمیں ناگواری ہوگی اور ناگواری کے آثار ہمارے چہرے پر ظاہر ہوں گے، کبھی تو اپنی ناگواری کا اظہار ہم زبان سے کریں گے، کبھی اشاروں سے کریں گے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو آخری درجہ میں دل کے اندر ضرور تغیر پیدا ہوگا کہ اس نے اچھا نہیں کیا مجھے ٹوک دیا، کسی کے نصیحت کرنے پر ہم اپنی اصلاح کے لئے آمادہ ہوں اور یہ سمجھیں کہ اس بے چارے نے مجھے میرے عیب پر مطلع کرکے بہت اچھا کیا ہے، مجھے ندامت ہوجائے، میں اللہ تعالیٰ سے دل میں معافی مانگوں اور اس کا شکر گزار بنوں اور یہ سمجھوں کہ میرا نفس مجھے تاویلیں سکھا رہا تھا، آج معلوم ہوا کہ میرے نفس کی تاویلیں مخلوق کے سامنے نہیں چلتیں، اللہ کے سامنے کیسے چلیں گی؟ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم ایسا نہیں کرتے۔

نصیحت سننا سب سے مشکل کام:

تو میں نے کہا کہ سب سے مشکل کام دنیا میں کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو قبول کرنا ہے، خصوصاً جبکہ نصیحت تنہا ایک آدمی کو کی گئی ہو، اگر ہمیں اور کوئی تاویل نہ سوجھے تو ہم کہتے ہیں کہ ساری دنیا تو کرتی ہے، ایک ہم ہی تھوڑی کرتے ہیں، ماشاءاللہ کیا اچھی تاویل ہے جو ہمارے نفس نے ہمیں سکھادی ہے، اور ہماری زبان سے بھی اس کو جاری کردیا ہے، ہم اکیلے تھوڑا ہی کرتے ہیں، ساری دنیا کرتی ہے۔

اور سب سے آسان کام کسی کو نصیحت کرنا ہے، میرے جیسے نالائق آدمی کو

بھی اگر کہا جائے تو میں نصیحتوں کا دفتر کھول کر بیٹھ جاؤں گا، اپنی خبر ہے ہی نہیں، لیکن لوگوں کو نصیحتیں کر رہا ہے، اور بعض لوگوں نے اپنے اس جذبہ نصیحت کے لئے اس حدیث کو آڑ بنالیا ہے کہ جی حق کہو چاہے کسی کو کڑوا لگے، بالکل بجا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ حق کہو چاہے کسی کو کڑوا لگے، مگر تمہارا مقصود حق کہنا ہے یا لوگوں کو کڑوا لگوانا ہے، یہ بھی دیکھنے کی چیز ہے، اگر حق کہنا ہی مقصود ہے تو بہت مبارک اور بہت اچھی بات ہے، لوگوں کا ذائقہ کڑوا کرنا مقصود نہیں گو فطری طور پر ہوجائے وہ دوسری بات ہے، لیکن تمہارا مقصود یہ نہیں کہ لوگوں کا دل برا ہو، ان کا حلق کڑوا ہوجائے اور نصیحت کرنے والے سے نفرت کرنے لگیں، نہ صرف یہ کہ تم سے نفرت کرنے لگیں بلکہ آئندہ نصیحت کرنے والوں سے بھی نفرت کرنے لگیں۔

نصیحت کا انداز:

سچی بات یہ ہے کہ ہم میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو حق کہتے ہیں صرف لوگوں کا منہ کڑوا کرنے کے لئے، لوگوں کا منہ کڑوا کرنا مقصود نہیں، حق ہی مقصود ہے تو کڑوی دوائی مٹھائی میں بھی لپیٹ کر دی جاسکتی ہے، بعض کیپسول ایسے ہوتے ہیں، ان کو بند کرکے معدہ میں اتارا جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ تحلیل ہوں گے اور ان کا اثر ظاہر ہوگا، تو اگر حق ہی کہنا مقصود ہے اور تم واقعتاً چاہتے ہو کہ حق ان کے معدے میں اتر جائے تو کوشش کرو کہ اس پر کوئی شیرینی لپیٹو، کسی ڈھنگ سے اور کسی صحیح انداز سے بات کرو تاکہ ان کے حلق سے اتر جائے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخاطب اتنا ضدی اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا منہ کڑوا کرنا ہی ضروری ہوتا ہے تو مضائقہ نہیں۔

حق بات کہنے سے پہلے اپنا دل ٹٹولو!

بہرحال حق ضرور کہو، چاہے کسی کو کڑوا ہی لگے، لیکن اپنی طرف سے کوشش کرو کہ کسی کا منہ کڑوا کرنا مقصود نہ ہو، اپنی نیت کو پہلے دیکھ لو، اپنا جائزہ لے لو اور پھر

تم سوچو کہ اگر میں اس کو کسی اور انداز سے بات کروں تو شاید صحیح رہے، کسی کو نصیحت کرنی ہے تو کوشش کرو کہ اچھے سے اچھا اسلوب اور انداز اختیار کرو۔

اپنی کوتاہی پیشِ نظر رکھو!

میں اپنی بات کرتا ہوں، جب بھی کوئی بات کسی کو کہی اور اسے کڑوی لگی مجھے بعد میں افسوس ہی ہوا، مجھے ندامت ہوئی کہ میں اس کو دوسرے انداز سے بھی کہہ سکتا تھا، اور شاید کہ اگر میں دوسرے انداز میں کہتا تو اس کو ناگوار نہ ہوتی، استغفراللہ! لاحول ولاقوۃ الا باللہ! میری کوتاہی ہے، دوسرے آدمی نے جب برا مانا اور میری بات کو رضا کے ساتھ قبول نہیں کیا تو اس میں کوتاہی میری ہی ہے، مجھے ڈھنگ سے بات کہنی نہیں آئی، بیسیوں مرتبہ نہیں بلکہ سینکڑوں مرتبہ میری زندگی میں یہ واقعات پیش آئے ہوں گے کہ میری عجلت پسندی نے یا یوں کہو کہ بات کو سوچ کر نہ کہنے میں یہ موقع پیش آیا کہ میں نے کسی کو حق بات کہی، لیکن اس نے قبول نہیں کی، بلکہ برا مانا اور مجھے ہمیشہ اس پر افسوس ہوا کہ میں اگر اس کو اور کسی صحیح انداز سے بات کہہ دیتا تو شاید یہ قبول کرلیتا، لیکن کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں نے اپنی حد تک بات بہتر سے بہتر انداز سے کہنے کی کوشش کی، مگر اس نے نہیں مانا، اس کو کڑوی لگی، چلو ہمارا فرض ادا ہوگیا، اب اس سے الجھنا نہیں، کہہ دو اچھا بھئی تمہیں اگر یہ بات اچھی نہیں لگی تو میری غلطی ہے کہ میں صحیح طور پر سمجھا نہیں سکا، لڑائی نہ کرو، اگر ان تمام امور کی رعایت کرکے قولِ حق کہو، سچی بات کہو تو پھر ان شاءاللہ ثم ان شآءَ اللہ بات مفید بھی ہوگی، کارگر بھی ہوگی اور عنداللہ تم اس کے اجر وثواب کے بھی مستحق ہوگے، لیکن اگر ویسے ہی دوسرے کو لاٹھی مارنا مقصود ہو، عنوان تو قولِ حق کا ہے لیکن حقیقت میں یہ نہیں، حقیقت میں دوسرے کی تذلیل، دوسرے کی توہین، دوسرے کو طعنہ دینا یہ مقصود ہے تو پھر معاملہ گڑبڑ ہی ہے۔

قولِ حق سب کے لئے:

اور ایک بات یہ ہے کہ ہم قولِ حق کہتے ہوئے دوست اور دشمن کے درمیان تمیز کرتے ہیں، ہماری عقل خداداد دوست اور دشمن کے درمیان تمیز کرتی ہے، اپنے اور پرائے کے درمیان میں امتیاز کرتی ہے، دشمنوں کے سامنے ہم قولِ حق کہتے ہیں لیکن دوستوں کے سامنے نہیں، کیونکہ اگر دوستوں کے سامنے کہیں گے تو پھر ہمارا دوست رہے گا کون؟ دشمن تو دشمن ہیں، اگر ان کے سامنے سچی بات کہہ دی اور ان کو کڑوی لگی تو ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کے بارے میں غالباً حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا یا کوئی اور صحابی تھے، اس وقت میرے ذہن میں نہیں رہا، فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائے، ان کے قولِ حق نے ان کا کوئی دوست نہیں چھوڑا، لیکن ہم بڑے محتاط رہتے ہیں کہ دوسروں کے سامنے قولِ حق کہیں، پرائے کے سامنے قولِ حق کہیں، لیکن اپنوں کے سامنے نہیں، دشمنوں کے سامنے کہیں، دوستوں کے سامنے نہیں، ہاں بھئی تم بتاؤ پھر ہم اس کی جواب دہی قیامت کے دن کیا کریں گے؟

فتنہ کے اندیشہ سے حق نہ کہنا:

البتہ ایک وجہ امتیاز اور بھی ہوتی ہے، کبھی کبھی ہم اس شخص کے سامنے قولِ حق کہتے ہیں جس کے بارے میں توقع ہوتی ہے کہ ہماری بات سن لے گا، اور اس شخص کے سامنے قولِ حق نہیں کہتے جس کے بارے میں توقع ہوتی ہے کہ یہ سنے گا تو نہیں، لیکن الٹا دست و گریباں ہوگا، یہ صحیح بات ہے، یہ فرق کرنا البتہ صحیح ہے۔

عام عنوان سے نصیحت کیجئے!

ایک اور بات بھی لائق غور ہے کہ اگر آپ کو حق بات کہنی ہے تو عام عنوان سے کہئے، خاص آدمی کو مخاطب بنا کر اور اس پر درشتی اور سختی کرتے ہوئے بات نہ کہئے۔

نبی اکرم ﷺ کا اندازِ نصیحت:

رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسی بات معلوم ہوتی تھی جس کی اصلاح ضروری ہوتی تھی تو منبر پر تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے: ”مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذَا وَکَذَا۔“ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسا ایسا کرتے ہیں، سمجھنے والا سمجھ جاتا کہ مجھے کہہ رہے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو سامنے بھی کہہ دیتے، ڈانٹ بھی دیتے، فرض کرو جوتی بھی کسی کے لگا دیتے تو اس کے لئے یہ فخر کی چیز ہوتی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کریمانہ اس سے بالاتر تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے منہ پر ایسی بات نہیں کہتے جو اس کو ناگوار گزرے، بلکہ یوں فرماتے کہ: ”مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذَا وَکَذَا۔“ ان لوگوں کا کیا حال جو ایسا ایسا کرتے ہیں، اور اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں، میں اس سے پہلے ذکر کرچکا ہوں، مثلاً جنہوں نے یہ کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بخشے بخشائے ہیں، ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہئے، کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو کم سمجھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: ”مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَتَنَزَّهُوْنَ شَیْئًا اَفْعَلُهَا۔“ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی چیز سے پرہیزگاری کرتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، ایسی چیز سے پرہیزگاری کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، حالانکہ یہ چار پانچ آدمی تھے، ان کو بلاکر بھی کہہ سکتے تھے، لیکن نہیں، ان کو بھی نہیں فرمایا، آپؐ کے خدام تھے، جاں نثار تھے، لیکن ان کو نہیں فرمایا، کیونکہ آپ کا اخلاق کریمانہ اس سے بالاتر تھا کہ کسی کے منہ پر ایسی بات کہیں جو اس کو ناگوار گزرے، حدیث شریف میں بیسیوں نہیں، سینکڑوں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

اپنے عیوب پر نظر ہو:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! کچھ اور

اضافہ کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عیب کو تو اپنے اندر پاتا ہے اور تجھے اس کا علم ہے تو تجھے اپنے نفس کے عیب کا علم ہونا دوسروں کے عیوب بیان کرنے سے روک دے، اور فرمایا کہ جو کام خود کرتے ہو اس کام کے دوسروں کے کرنے پر اظہار ناراضگی نہ کرو اور تیرے عیب کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تو اپنے نفس کے عیب سے ناواقف ہو، اور لوگوں کے عیب سے واقف ہو اور خود کرے تو تجھے اپنے پر غصہ نہ آئے اور لوگ کریں تو تجھے اس پر غصہ آئے، اس مضمون کو متفرق طور پر میں کئی موقعوں پر ذکر کر چکا ہوں۔

دوسروں کی عیب بینی:

ایک تو یہ کہ جس شخص کی نظر اپنے عیوب پر ہو وہ دوسروں کے عیوب سے اندھا ہوجاتا ہے، اور جس کی نظر دوسروں کے عیوب پر جائے وہ اپنے آپ سے اندھا ہوجاتا ہے، اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ دوسروں کے اندر اگر عیوب ہیں تو یہ اس کے لئے عار کی بات ہوگی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، لیکن تمہارا تو کوئی نقصان نہیں اور اگر ہمارے اندر عیب ہوگا تو یہ ہمارے لئے عار کی بات ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ہمیں دوسروں کے عیوب کی تو فکر ہے، اپنے عیب کی فکر نہیں۔

عجیب تماشہ:

عجیب تماشہ ہے یہ میرے دامن پر گندگی لگی ہوئی ہے اور دوسرے کے دامن پر کوئی معمولی سا دھبہ لگا ہوا ہے، اپنے دامن کی گندگی تو مجھے نظر نہیں آتی البتہ دوسروں کے دامن کا معمولی دھبہ مجھے نظر آتا ہے، اور میں دوسروں سے کہتا ہوں کہ بھائی! یہ اچھا نہیں لگتا، اس کو ہٹاؤ یعنی میں دوسروں کے عیوب بیان کرتا ہوں لیکن اپنے نفس کی پڑتال کرتا ہوں، نہ اس کا محاسبہ کرتا ہوں، نہ تفتیش کرتا ہوں، نہ یہ دیکھتا ہوں کہ میرے اندر یہ عیب ہے یا نہیں؟ اور اگر عیب کا پتہ چل جائے تو تاویل کے پردے

میں ڈھانکنے کی کوشش کرتا ہوں اور اس کو تاویل کے ساتھ ڈھانک کر یہ سمجھ لیتا ہوں کہ لوگوں کی نظر اس پر نہیں جاتی، فرض کرو کہ لوگوں کی نظر نہیں جاتی، اول تو یہ غلط ہے، اگر تمہیں نظر آتا ہے تو لوگوں کو بھی نظر آسکتا ہے۔

گناہ یا نیکی چُھپتی نہیں:

ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ تم رات کی تاریکی میں دروازہ بند کر کے کوئی نیک عمل کرو اللہ تعالیٰ صبح کو اس کا چرچا کر دیں گے، خود بخود مخلوق کو خیال ہو جائے گا کہ بھئی یہ نیک آدمی ہے، اور اگر تم رات کی تاریکی میں چھپ کر بند کمرے میں کوئی گناہ کا کام کرو گے تو اگلے دن چرچا ہو جائے گا یا دو دن بعد ہو جائے گا، مگر ہو گا ضرور۔

دروازے پر، پیشانی پر لکھا آجاتا تھا:

میں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل جب کوئی گناہ کرتے تھے چھپ کر تو صبح کو دروازے پر لکھا ہوتا تھا، اس امت کی اللہ پاک نے ستاری فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں، دروازے پر نہیں لکھتے لیکن پیشانی پر لکھ دیتے ہیں، یہ تمہیں بتاؤں تم جو بھی خیر کا عمل یا برائی کا عمل کرو گے، تمہاری پیشانی سے ظاہر ہو کر رہے گا، اور مخلوق کو اس کی خوشبو یا بدبو ضرور آئے گی۔

دوسروں کو تو پتہ نہیں میرے عیب کا، حالانکہ واقعہ یہ ہے لوگوں کو فرض کرو تفصیل معلوم نہ ہو لیکن اس کے اثرات معلوم ہو جاتے ہیں، اگر تم چھپ چھپ کر نیکی کرتے ہو، بقول ہمارے خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کہ:

ارے کچھ تو مجذوبؔ یاروں کا حق بھی
یہ چپکے چپکے پینا اکیلے اکیلے

تم اگر تنہائی میں، علیحدگی میں، اکیلے اکیلے شراب معرفت کے جام لٹاتے ہو

تو لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے، اور اگر تم بند کمروں میں منہ کالا کرتے ہو تو تمہاری سیاہی تمہارے چہروں پر آجاتی ہے، اگرچہ مخلوق کو یہ معلوم نہیں ہے، اپنے نفس کو یہ کہہ کر مطمئن نہ کرو کہ کسی کو کیا پتہ؟ تمہیں معلوم ہے کہ نیکی اور بدی کی تاثیر کا لوگوں کو پتہ چلتا ہے، اگرچہ تمہارے عیوب کا تفصیلی علم نہ ہو، اور اگر فرض کرلو کہ مخلوق کو پتہ نہیں تو کیا تمہارے خالق کو بھی پتہ نہیں؟ میں مخلوق کے سامنے اپنی زندگی پر پردہ ڈال سکتا ہوں، لیکن کیا خالق کے سامنے بھی پردہ ڈال سکتا ہوں؟ ہمیں اپنے عیوب معلوم ہوتے ہیں اور ان کو تو ہم ڈھانپ لیتے ہیں، کبھی تاویل کے پردے سے، کبھی غفلت کے پردے سے، کبھی جہل کے پردے سے لیکن لوگوں کے عیوب پر تو ہماری نظر فوراً جاتی ہے، مگر اپنا ستر نظر نہیں آتا۔

دوسروں کے نہیں اپنے عیوب کی فکر کرو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ سے فرماتے ہیں: بڑے عیب کی بات ہے کہ جو عیوب تمہاری اپنی ذات کے اندر تمہیں معلوم ہیں ان عیوب کی بنا پر تو تم لوگوں پر نکتہ چینی کرو، لیکن تم اپنی اصلاح کی فکر نہ کرو اور بات یہ ہے کہ مجھے تو اپنی تاویل معلوم ہے کہ میں گناہ کرتا ہوں، میرے اندر یہ کیوں کمزوری ہے، مجھے خود معلوم ہے، چاہے لوگوں کو مطمئن کردوں، لیکن میں جانتا ہوں کہ میں غلط کہتا ہوں، لیکن بھائی! دوسروں کے اندر کوئی عیب اگر پایا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کی بھی کوئی تاویل ہو، ہوسکتا ہے کوئی عذر ہو، اور اگر فرض کرلو کہ کوئی بھی تاویل نہیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے گناہ سے تائب ہوگئے ہوں، ممکن ہے جہاں دو ماشے سیاہی لگ گئی تھی وہاں انہوں نے دو پاؤ صابن لگادیا ہو اور اس کی توبہ کا تمہیں علم نہ ہو۔

امام مالکؒ کا قصہ:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آخری زمانے میں مسجد نہیں آتے تھے، اتنا بڑے امام ہیں لیکن مسجد میں جماعت کے لئے نہیں آتے، اپنے گھر پر نماز پڑھتے تھے،

کسی نے کہا کہ حضرت آپ مسجد میں نہیں آتے، آپ نے مسجد چھوڑ دی؟ ارشاد فرمایا: ہر آدمی کو اپنا عذر معلوم ہے، بعض عذر ایسے ہیں کہ کسی کے سامنے نہیں بیان کئے جاسکتے، اب وہ شریعت کے امام ہیں، اور امیرالمؤمنین فی الحدیث ہیں، ظاہر ہے ان کا کوئی عذر ہوگا۔

مشکوٰۃ شریف میں، ''دارمی'' کے حوالے سے حدیث نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ لوگ اونٹ دوڑائیں گے، یعنی سواریوں پر سفر کریں گے اور ان کو مدینے کے ایک عالم سے بڑا کوئی عالم نہیں ملے گا، علماؒ فرماتے ہیں کہ اس سے امام مالکؒ مراد ہیں، اس لئے وہ مسئلہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، وہ اگر جماعت میں نہیں آتے، تم کیوں آگ لگاتے ہو، وہ مسئلہ بہتر جانتے ہیں، ہم سے زیادہ جانتے ہیں، کیا ان کو جماعت کی اہمیت اتنی بھی معلوم نہیں جتنی ہمیں معلوم ہے؟

دوسروں کے بارے میں تاویل کرو!

تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے عیب پر اول تو تمہاری نظر نہ جائے، اگر ہماری نظر اپنے عیوب پر جمی ہوتی تو لوگوں کے عیوب پر نظر نہ جاتی، جو شخص اپنے عیوب کا بصیر ہو، دیکھنے والا ہو، وہ مخلوق کے عیوب سے اندھا ہوجاتا ہے، اور اگر تمہاری نظر چلی بھی گئی تو تمہارے ذہن میں کوئی تاویل آجانی چاہئے کہ چلو بھئی اس بیچارے کا کوئی عذر ہوگا، چھوڑو، صریح گناہ میں بھی مبتلا ہے تو چلو اللہ معاف کرے، ہم بھی بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے نجات عطا فرمادیں اور اگر کوئی تاویل بھی نظر نہیں آتی، تو یوں سوچ لو کہ شاید اس نے توبہ کرلی ہوگی، اللہ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمادے تو اس کا گناہ دھل جائے گا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔'' گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کئے ہی نہیں، توبہ سارے داغ دھبے

بھی دھو دیتی ہے۔ کیونکہ سچی توبہ صرف گناہ کو نہیں بلکہ گناہ کے داغ دھبوں کو بھی مٹا دیتی ہے، ہم بعض دفعہ کسی گندے کپڑے کو دھوتے ہیں، تو کپڑا تو پاک ہو جاتا ہے، نجاست بھی اتر جاتی ہے، لیکن اس کا دھبہ باقی رہ جاتا ہے، لیکن سچے دل سے تائب ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے چھینٹے سے داغ دھبے بھی دور کر دیتے ہیں۔

توبہ کے آداب:

لیکن بھائی سچی توبہ کے کچھ آداب ہیں، ان کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں، دوسرے موقع پر بیان کر دوں گا۔

وہ جو بزرگ فرماتے ہیں نا کہ:

سبح در کف تو بر لب دل ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

حضرت کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور زبان مبارک سے توبہ توبہ کے الفاظ صادر ہو رہے ہیں: ''اَسْتَغْفِرُ اللہَ، اَسْتَغْفِرُ اللہَ، اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ، اَسْتَغْفِرُ اللہَ الَّذِیْ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔'' لیکن دل ذوقِ گناہ سے بھرا ہوا ہے، دل کے اندر گناہ کا حرص اور ذوق ہے۔ جیسے کہ میٹھا کھا کھا کے حلق میٹھا ہو جاتا ہے، اسی طرح دل ابھی تک ذوقِ گناہ اور گناہ کی شیرینی سے میٹھا ہے، دل کے اندر گناہ کی لذت محسوس ہو رہی ہے، تو ہمارے ایسے استغفار پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے اور گناہ زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ میں تو زہر کا انجکشن اس کے دل میں لگا چکا ہوں، اور یہ زبان سے بیچارا استغفار کر رہا ہے، اگر تمہارے دل میں گناہ کا انجکشن لگا ہے اور زہر اندر پھیل گیا ہے تو مہربانی کر کے توبہ کا انجکشن بھی دل کے اندر لگاؤ تاکہ جہاں زہر پہنچا ہے وہاں تریاق پہنچے، زبان کو انجکشن لگانے کا کوئی فائدہ نہیں اور ہاتھ کے ساتھ تسبیح کو گردش دینے کا کوئی فائدہ نہیں، اس سے گناہ نہیں دھلے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ دوسروں کے لئے تاویل کر لو کہ شاید بے چارے

سے گناہ تو ہوگیا ہے، لیکن اس نے توبہ کرلی ہوگی، اور اگر یہ تاویل بھی تمہاری عقل میں نہیں آتی تو اتنا ہی کرلو کہ: ''لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔'' (الغاشیہ) یعنی تو ان پر کوئی داروغہ نہیں ہے، وہ جو کہتے ہیں نا رندخراب حال کو جو بیچارہ پی کر کے مست ہوگیا ہے، حالت اس کی بری ہوگئی ہے،

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

قیامت کے دن لوگوں کے عیوب کے بارے میں تم سے بازپرس نہیں ہوگی، تم سے تمہارے عیوب کے بارے میں بازپرس ہوگی، اپنی نبیڑو، ان کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہو، خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب سے اندھے ہوجاؤ، تمہاری نظر ان کے عیوب پر نہیں جانی چاہیے، گونگے بن جاؤ، دوسروں کے عیوب مت بیان کرو، اور تمہارا دل ان کی برائی کے ادراک سے مردہ ہوجانا چاہیے، جانے دو، بس ان کا معاملہ ان کے ساتھ ہے۔

تدبیر عقل سے بڑھ کر:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ باتیں ارشاد فرما کر آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا، سبحان اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک اور کسی کا سینہ! کیا بات ہے!! صحابہ کرامؓ کے بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے سینے پر ہاتھ مارا، یا کسی کے سینے پر ہاتھ پھیرا، تو صحابہ کرامؓ یوں کہتے ہیں کہ: ''حَتّٰى وَجَدْتُّ بَرْدَ يَدِهٖ فِيْ قَلْبِيْ۔'' یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی، گویا ایک ہاتھ پھیرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو یہ سعادت مبارک کرے، اللہ تعالیٰ ان کو مبارک کرے، بڑے سعادت مند لوگ تھے، فرمایا کہ پھر میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

”یَا اَبَا ذَرٍّ! لَا عَقْلَ کَالتَّدْبِیْرِ۔“ تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل نہیں ہے، تدبیر کے معنی ہوتے ہیں کہ کسی کام کے انجام کو سوچ لینا کہ یہ جو میں کام کرنے جارہا ہوں، یا جو بات کہنے جارہا ہوں اس کا انجام کیا نکلے گا؟ سب سے بڑا عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر کام کے انجام کو سوچ کر قدم اٹھائے۔

سب سے بڑا تقویٰ:

”وَلَا وَرَعَ کَالْکَفِّ۔“ اور ممنوع چیزوں سے رکنے سے بڑھ کر کوئی پرہیزگاری نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ سب سے بڑی پرہیزگاری یہ ہے کہ آدمی ممنوع اور گناہ کی چیزوں سے رک جائے، نماز روزہ بھی اچھی چیز ہے، نیکیاں بھی اچھی چیز ہیں، اور دوسری چیزیں بھی اچھی ہیں، بہت اچھی ہیں، لیکن اس سے آدمی پرہیزگار نہیں بنتا، آدمی پرہیزگار بنتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے اور اور مکروہ چیزوں سے پرہیز کرنے سے، آدمی کی پرہیزگاری کا اصل معیار یہ ہے کہ یہ محرمات سے اور گناہوں سے کتنا بچتا ہے؟

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا: ”اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ۔“ اللہ نے جو چیزیں حرام کردی ہیں ان سے بچو تم ساری دنیا سے بڑھ کر عبادت گزار بن جاؤ گے، سب سے بڑا عبادت گزار وہ ہے جو حرام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے، یہ حرام چیزیں خواہ لقمہ سے تعلق رکھتی ہوں، پیٹ سے تعلق رکھتی ہوں، آنکھوں سے تعلق رکھتی ہوں، زبان سے تعلق رکھتی ہوں، ہاتھ پاؤں سے تعلق رکھتی ہوں، یا تمہارے وجود میں سے کسی اور چیز کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں، حقوق سے تعلق رکھتی ہوں یا فرائض سے تعلق رکھتی ہوں، بہرحال حرام سے بچو، یہ سب سے بڑی پرہیزگاری ہے، اسی لئے فرمایا: ”وَلَا وَرَعَ کَالْکَفِّ۔“ گناہوں اور ممنوعات سے بچنے سے بڑھ کر کوئی پرہیزگاری نہیں ہے۔

حسنِ اخلاق:

”وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ۔“ اور حسنِ اخلاق سے بڑھ کر کوئی حسب نہیں، ہمارے یہاں مشہور ہے اس کا حسب نسب کیا ہے؟ عربی زبان میں حسب کہتے ہیں ان کمالات کو جو خاندانی طور پر لوگوں میں منتقل ہوتے آئے ہیں، کچھ کمالات آدمی کے انفرادی ہوتے ہیں، اور کچھ موروثی ہوتے ہیں، جو باپ دادا سے چلے آتے ہیں، مثلاً: ایک خاندانی روایت چلی آتی ہے کہ لوگ سخی ہوتے ہیں، ایک خاندانی روایت چلی آتی ہے کہ حلیم ہوتے ہیں، بردبار ہوتے ہیں، ایک خاندانی روایت چلی آتی ہے کہ متواضع ہوتے ہیں، متکبر نہیں ہوتے، خاندان اونچا ہے لیکن رہتے ہیں نیچے ہوکر، یہ بیچارے نو دولتیے ہوتے ہیں ناں! یہ اپنی دولت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اور جو خاندانی طور پر متمول اور رئیس چلے آرہے ہیں، ان کو اظہار دولت کی ضرورت پیش نہیں آتی، ان کو اپنی بڑائی کے اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی، اور جو بالشتیئے بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں ان کو اپنی بڑائی کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ لباس کے ذریعہ سے، چال ڈھال کے ذریعہ سے لوگوں کو بتادیں کہ ہم بڑے ہیں، بہرحال ان کمالات کو جو خاندانی طور پر لوگوں میں منتقل ہوتے چلے آتے ہیں ان کو حسب کہا جاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ حسب ان کمالات کو کہتے ہیں جو انسان کو ذاتی طور پر حاصل ہوں اور نسب کہتے ہیں ان کمالات کو جو موروثی طور پر حاصل ہوں۔

ایک حدیث شریف میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

”اِنَّمَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِيْنِهَا، فَاظْفُرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔“
(مشکوٰۃ ص:۲۶۷)

ترجمہ:...... ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی لڑکی سے شادی کی جاتی ہے کبھی تو مال دیکھ کر، کبھی اس کا حسب دیکھ کر (کہ لڑکی اونچے خاندان کی ہے)، کبھی اس کا جمال دیکھ کر اور کبھی اس کا دین دیکھ کر، (یہ چار ترجیحات ہوتی ہیں لوگوں کے سامنے) پس تو کامیاب ہو دین والی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھوں کو خاک آلود کرے (تجھے سجدے کی توفیق ہو، سجدے میں جاتا ہے تو ہاتھوں کو مٹی لگتی ہے، چہرے کو مٹی لگتی ہے)۔“

تو یہاں حسب سے مراد خاندان ہے، تو یہاں فرمایا حضرت ابوذرؓ سے:

”لَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ۔“ سب سے بڑا حسب موروثی یا ذاتی کمال حسن اخلاق ہے، حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی حسب نہیں۔

یہ موضوع بہت تشریح طلب ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کو جو نصیحت فرما رہے تھے وہ یہاں ختم ہوگئی، اسی پر ختم کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو سمجھنے کی اور اپنے دل میں بٹھانے کی اور ان پر عمل کرنے کی اور اپنے ظاہر اور باطن کو ان ارشادات نبویہ سے منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے، یہ بات یاد رکھو پہاڑوں میں چشمے نکلتے اور پھوٹتے ہیں، کوئی گرم ہوتا ہے، کوئی سرد اور ٹھنڈا ہوتا ہے، اور کوئی کچھ ہوتا ہے، کوئی کچھ ہوتا ہے، مختلف تاثیریں ہوتی ہیں ان کی، اور بعض مشہور بھی ہوجاتے ہیں ان تاثیروں میں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک بھی معدن نبوت تھا، جو کچھ بھی یہاں سے پھوٹ رہا ہے یہ نبوت کا چشمہ ہے، اور جو کلمات طیبات آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوتے ہیں، یہ نبوت کے کلمات ہیں، ایسے پاک اور شفاف، ایسے صحت افزا، صحت مند، امراض کو دور کرنے والے، اور ایسے متبرک کلمات دوسری جگہ نہیں ملیں گے، یہ چشمہ نبوت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا، اللہ

کرے یہ کلمات ہمارے کان کے راستے سے ہمارے دل میں اتر جائیں تاکہ وہ انوارِ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلیتًا حاصل تھے، اس کا کچھ حصہ ہمارے قلب کو بھی نصیب ہوجائے، آمین یا رب العالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

دین و ایمان سیکھنے کی ضرورت

بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ اگر صحیح اور ٹھیک اصولوں کے مطابق امیر کی اطاعت کرتے ہوئے، ساتھیوں کی رعایت رکھتے ہوئے، حق تعالیٰ شانہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے ہوئے اس راستے میں قدم اٹھایا جائے، تو تین چلے اور چار مہینے میں ان شاء اللہ تعالیٰ دین پر چلنے کی استعداد پیدا ہوجائے گی، یہ نہیں کہ تبلیغی بن گیا، بلکہ استعداد پیدا ہوجائے گی، ان شاء اللہ اگر یہ اس استعداد کو بڑھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے کام لے لیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تُنْكَحُ الْعَمَّةُ عَلٰی بِنْتِ الْاَخِ وَلَا ابْنَةُ الْاُخْتِ عَلَی الْخَالَةِ۔"

(مسلم شریف ج:۱ ص:۴۵۲)

ترجمہ:...... "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح نہ کیا جائے پھوپھی سے بھتیجی پر اور نہ بھانجی سے اس کی خالہ پر۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر، نہ اس کی خالہ پر، یہ دراصل ایک ہی حدیث ہے، البتہ روایت کے الفاظ مختلف ہیں۔

نسبی محرمات کا بیان:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۂ نسأ میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے نکاح کرنا درست نہیں، ان میں سات نسبی رشتے ذکر فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

’’حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰتِىٓ اَرْضَعْنَكُمْ.....الخ۔‘‘ (النسآء:۲۳)

ترجمہ:......’’حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری رضاعی مائیں .....الخ‘‘

رضاعی محرمات:

اسی طرح اس سے آگے ہے: ’’وَاَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ۔‘‘ (اورتمہاری دودھ شریک بہنیں بھی حرام ہیں)۔

علمائ فرماتے ہیں اس سے بھی سات رضاعی رشتے حرام ہوجاتے ہیں، یعنی جس طرح سات نسبی رشتے حرام ہیں، ایسے سات رضاعی بھی حرام ہوجاتے ہیں، اس کے بعد دو رشتے سسرالی ہیں جن سے نکاح ناجائز ہے، اس کو اگر مزید پھیلایا جائے تو زیادہ بن جائیں گے، اور وہ دو رشتے یہ ہیں: یعنی ساس اور بہو، اور آخر میں فرمایا: ’’وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔‘‘ یعنی یہ بھی منع ہے کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، یعنی ایک نکاح میں دو بہنیں جمع نہیں ہوسکتیں، آگے پیچھے ان سے نکاح ہوسکتا ہے۔

آگے پیچھے کا مطلب یہ ہے کہ ایک بہن سے نکاح کیا تھا، وہ مرگئی اب اس کے مرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح کرلیا، یا ایک بہن کو طلاق دے دی تھی، اس کی عدت بھی گزر گئی، اب دوسری بہن سے نکاح کرلیا، تو یہ تو جائز ہے، یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح صحیح ہے، بشرطیکہ ایک وقت دونوں بہنیں نکاح میں جمع نہ ہوں۔

مزید دو محرمات:

اس حدیث شریف میں دو رشتے مزید بتائے گئے ہیں، ایک یہ کہ جس طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں اسی طرح ایک خالہ کے ساتھ اس کی بھانجی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں اور جس طرح کہ دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسی طرح ایک پھوپھی کے ساتھ اس کی بھتیجی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں، یہاں تو روایت میں لفظ نہیں آئے دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

"لَا تُـنْـكَـحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى." (مشکوٰۃ ص: ۲۷۴)

ترجمہ:...... "نہ چھوٹی کو بڑی پر اور نہ بڑی کو چھوٹی پر نکاح میں لایا جائے۔"

بڑی سے مراد ہے خالہ، پھوپھی اور چھوٹی سے مراد ہے بھتیجی، بھانجی ہیں، یعنی اگر پہلے سے بھتیجی یا بھانجی نکاح میں ہے تو اس کی خالہ کو یا اس کی پھوپھی کو اس پر نکاح میں نہ لایا جائے، مطلب یہ کہ اپنی بیوی کی خالہ سے یا اپنی بیوی کی پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں، جب تک کہ یہ بیوی اس کے نکاح میں ہے۔

"وَلَا تُـنْـكَـحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى." اور نہ چھوٹی کو بڑی پر لایا جائے، مطلب یہ کہ جس شخص کے نکاح میں ایک عورت ہو، اب اس کی بھانجی یا بھتیجی کو نکاح میں لانا جائز نہیں، یعنی بیوی کے ہوتے ہوئے بیوی کی خالہ یا پھوپھی کو لانا جائز نہیں اور بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بھانجی یا بھتیجی کو لانا بھی جائز نہیں، یہ گویا "اَنْ تَـجْـمَـعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ." کی نبوی تشریح ہوگئی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تشریح فرمارہے ہیں۔

دین سے دوری کی نحوست:

یہ مسائل الحمد للہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہیں، لیکن بعض بیچارے اتنے

دین سے، دین کے علم سے اور دین والوں کی صحبت سے دور ہوگئے ہیں کہ بعض لڑکوں نے مجھے لکھا کہ میری خالہ میری ہم عمر ہیں، میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اندازہ کرو! یہاں ہم گفتگو کر رہے ہیں بیوی کی خالہ کے بارے میں، بھائی تمہاری خالہ کے بارے میں نہیں، یا تمہاری سگی بھانجی، بھتیجی کے بارے میں نہیں، بلکہ تمہاری اہلیہ کی بھانجی، بھتیجی، خالہ اور پھوپھی سے نکاح جائز نہیں ہے، میں نے کہا عام طور سے مسلمان ان مسئلوں کو جانتے ہیں، لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو یہاں تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اپنی سگی خالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں اور ساتھ کہتے ہیں کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے، اُو بدبخت! اپنی ماں سے کیوں نہیں کرلیتا؟ لیکن ان لوگوں سے کیا تعجب ہے!!

پہلی امتوں کے قدم بقدم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”لتتبعن سنن من کان قبلکم۔“ (تم اپنے سے پہلی امتوں کے نقش قدم پر چلو گے) ان میں سے کسی نے اگر گوہ کے سوراخ میں گوہ کے بل میں پاؤں دیا ہوگا تو تم بھی ضرور دو گے، اور ایک روایت میں ہے:

”لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذَالِکَ....الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۰)

ترجمہ:......”میری امت پر وہی احوال آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے اور اگر ان پہلی امتوں میں سے کسی بدبخت نے اپنی ماں سے اعلانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ کام کریں گے۔“

تم میں بھی ایسے ہوں گے، نعوذباللہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں پوری کر رہی ہے یہ امت، اور جب امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

مزاج سے اور آپ کے دین سے ہٹ جائے تو وہ امت کہلانے کی مستحق نہیں رہتی۔ اور سنت کی خلاف ورزی کرنے کے بعد ان کے درمیان میں نفاق اور شقاق پیدا ہوجاتا ہے۔

ایمان کی محنت کی ضرورت:

ایمان وہ دولت ہے جو امت کو جوڑتی ہے اور نفاق اور شقاق وہ نحوستیں ہیں جو امت کے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد ۲۳ سال دنیا میں قیام فرمایا، ۱۳سال مکہ مکرمہ میں اور ۱۰ سال مدینہ منورہ میں، مکہ مکرمہ میں احکام نہیں تھے، ۱۳سال گزرے اور کوئی حکم نہیں آیا، صرف نماز کا حکم تھا کہ نماز پڑھ لیا کرو، وہ بھی دو وقت کی، دو وقت یعنی فجر اور عصر کی نماز، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے ہیں، تب آپ پر پانچ نمازیں نازل ہوئیں اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد پھر ہجرت کا حکم ہوگیا، گویا احکام کی باقاعدہ پابندی کا حکم وہاں سے شروع ہوتا ہے، معراج سے پہلے اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا حکم بھی تھا، لیکن اس کی مقدار معین نہیں تھی، اس زمانے کی جو سورتیں اور آیتیں ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ لمبی نہیں چھوٹی ہیں، اور بیشتر مضامین ان کے آخرت کے متعلق ہیں، آخرت کے مضامین سے مراد جنت، دوزخ، اللہ تعالیٰ سے ڈرانا، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کا بیان، اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر، آپ ﷺ کو تسلی، یہ مضامین تھے، گویا مکی زندگی میں یقین دل میں اتارا جارہا تھا۔

مکی زندگی کے مجاہدے:

میں نے کہا کہ مکی زندگی میں احکام تو نہیں تھے لیکن اللہ پاک مجاہدہ کروا رہے تھے، اور وہ دو قسم کا مجاہدہ تھا، ایک مجاہدہ تو مخالفوں کے ذریعے سے کروا رہے

تھے، ٹھکائی خوب ہوتی تھی مسلمانوں کی، جتنا کسی کو ذلیل کیا جاسکتا ہے، جتنا کسی کو نکّو بنایا جاسکتا ہے اور جتنی کسی پر لعنت ملامت کی جاسکتی ہے وہ کفار مکہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ روا رکھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر ایمان لے آنا گویا ان مصائب اور بلاؤں کا ایک طوفان تھا جس میں آدمی گھر جاتا تھا۔

۵ / ۶ سال میں چالیس آدمی:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵ نبوی میں مسلمان ہوئے ہیں، ۵ میں یا ٦ میں ۴۰ آدمیوں کی تعداد انہوں نے پوری کی تھی، اللہ اکبر! اندازہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت کے راستے میں کتنی مشقت برداشت کرنا پڑی ہوگی، چھ سال گزر رہے ہیں، چالیسواں آدمی مسلمان ہوا ہے، اور وہ بھی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا کہ اے اللہ! تو دو عمروں میں ایک دے دے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

”اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنَ الْخَطَّاب.....الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۵۵۷)

یعنی یا اللہ! دو عمروں میں سے ایک عمر دے دیجئے، یا عمر ابن ہشام کو (ابوجہل) یا عمر ابن خطاب، دو میں سے ایک دے دے، کام نہیں چلتا ہمارا، دعوت کا کام ٹھیک سے نہیں چلتا، یا اللہ! عطا فرمادے اس کام کے لئے دعا کی، اللہ نے منظور فرمالی۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا قصہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن اتارنے کے لئے، مگر اپنی گردن دے بیٹھے، لمبا قصہ ہے، آپ نے پڑھا ہوگا حیاۃ الصحابہ میں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تھے، یہ صفا کے پاس ایک جگہ تھی،

صفا پہاڑی کے پاس دارِ ارقم تھا، یہ ہمارے دیکھنے تک تو لائبریری بنی ہوئی تھی، اب وہاں سے سب کچھ اڑا دیا، اب سب کچھ حرم شریف میں آ گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے، تو چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ان میں شیرِ خدا اسد اللہ الغالب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، "حمزة اسد الله واسد رسوله۔" (حمزہ اللہ اور اللہ کے رسول کے شیر ہیں) اور عجیب بات یہ ہے کہ ان کو بھی مسلمان ہوئے کوئی چار پانچ دن ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دارِ ارقم میں جا رہے تھے، لوگوں نے دروازے کی دراڑ سے دیکھا تو کانپ گئے کہ عمر آ رہے ہیں، مسلمان کانپ گئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دہشت ایسی تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ بھئی گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ادھر اگر عمر ہیں تو ادھر حمزہ ہیں، آنے دو، دیکھ لیتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دروازہ کھول دو، آنے دو، حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا: عمر کہاں پھر رہے ہو؟ کہا: یا رسول اللہ! مسلمان کر لیجئے!

صحابہ کرامؓ کا مجاہدہ:

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ دعوت کا کام دلوں میں ایمان کے اتارنے کے لئے تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو! گرم چٹان پر لٹا کر (مکہ کی گرمی، اللہ کی پناہ! ایک دن مجھے دو رکعتیں پڑھنا پڑیں، حرم شریف سے باہر، بس کچھ نہ پوچھو کہ کیا ہوا میرے ساتھ؟ حالانکہ نیچے کپڑا بھی بچھایا تھا) تو کفار حضرت بلالؓ پر اس گرمی میں زمین پر لٹا کر اوپر بھاری پتھر کی چٹان رکھتے تھے، تاکہ ہل نہ سکیں، اور کہتے تھے کہ ایمان چھوڑ دو، اور یہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات ہو رہی تھی، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے، خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: امیر المؤمنین! ذرا میرا کپڑا

اٹھایئے پیچھے سے، کپڑا اٹھایا تو کمر پر اتنے بڑے بڑے داغ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے: حضور! آگ کے انگاروں پر مجھے لٹادیا جاتا تھا، اور ان انگاروں کو میری چربی پگھل پگھل کے بجھاتی تھی۔

میں نے کہا کہ مکی زندگی میں صرف مجاہدے کروائے جارہے تھے اور کچھ بھی حکم احکام نہیں تھے، گویا یہ کہا جارہا تھا کہ پہلے تم مسلمان ہوجاؤ بعد میں بتائیں گے، پہلے کام کرنے کی صلاحیت تو پیدا کرو، اپنے اندر۔

حق تعالیٰ کی جانب سے مجاہدہ:

اور دوسرا مجاہدہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے یہ تھا:

"قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا۔ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا۔
اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًا۔" (المزمل: ۲ تا ۴)

یعنی رات کا تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر پوری رات قیام کیا کیجئے، رات کا حصہ چھوڑ کر، کیا مطلب؟ یعنی آدھا کرلیں، یا اس سے کچھ کم کرلیں، یا اس سے کچھ زیادہ کرلیں، پیمانہ ہے آدھی رات، اب تو گھڑی گھنٹے ہیں، اب رات آدھی کب ہوئی، اس کا اندازہ کرتے کرتے ہی پوری رات گزر جاتی تھی، وہ اوپر سے مجاہدہ اور یہ نیچے سے مجاہدہ، یہی مجاہدہ تھا جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں وہ ایمان پیدا کردیا تھا، قرآن میں ہے: "وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ۔" (الحجر: ۴۶) (ان کافروں کے مکر ایسے ہیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں) مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہیں ٹلے کافروں کے مکر سے۔ ان کی سازشوں اور خوفناک تدبیروں سے قریب تھا کہ ہمالیہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے راسخ الایمان ہوگئے تھے کہ نہیں ہٹ سکے، کوئی خوف اور کوئی لالچ ان کو ایک انچ کیا ایک بال برابر بھی ان کے ایمان سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

صحابہ کرامؓ کے نہج کی دعوت کی ضرورت:

اب سمجھو لوگ کہتے ہیں کہ علم، تعلیم و تعلّم اور پڑھنا سیکھو، جب تک دعوت کے راستے سے تم میں ایمان نہیں آئے گا، اس وقت تک پڑھنے پڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کتابیں رسالے اور فتوے تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان چیزوں کو مانتے ہوں اور آج ہمارے دلوں کی استعداد نے ماننے سے انکار کردیا ہے، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ دعوت کے کام کو پھر اسی نہج پر لایا جائے، ادھر سے بھی گالیاں پڑیں اور ادھر سے بھی مشقتیں آئیں، گھر سے بے گھر ہوں، بیوی بھی طعنہ زنی کر رہی ہے، ماں باپ بھی طعنہ دے رہے ہیں، ملاّ بن گیا اور جماعتوں کی جماعتیں طعنہ دے رہی ہیں کہ ان کی علامت کیا ہے؟ تبلیغ والوں کی علامت کیا ہے؟ میں نے اس سلسلے کی کتاب پڑھی ہے، بتاتا ہوں کہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ آدھی پنڈلی تک پاجامہ، سر پر عمامہ، کان پر مسواک آج اس کا مذاق اڑا رہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی، کبھی کہتے ہیں بستر بند پارٹی۔ اور پارٹیاں چندے کرتی ہیں، کوئی ظلماً، کوئی کچھ، یہ جماعت تو کسی سے چندہ نہیں کرتی، نہ جماعتی حیثیت سے اور نہ انفرادی حیثیت سے، تو بھائی مقصد کہنے کا یہ ہے (شاید میں اپنی بات کو سمیٹ نہیں سکا) کہ یہ جو دعوت کا کام ہے، یہ دعوت کا کام بنیاد ہے، جتنی مضبوطی سے دعوت چلے گی، اتنی تیزی سے دین آئے گا، اور جتنی گہرائی کے ساتھ کوئی شخص دعوت کا کام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اتنا ہی گہرا ایمان پیدا فرمائیں گے، تو یہ دعوت کا کام جو نکل کرکے کیا جاتا ہے، یہ ایمان سیکھنے کا کورس ہے۔

اصولوں کی پابندی کی ضرورت:

بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ اگر صحیح اور ٹھیک اصولوں کے مطابق امیر کی اطاعت کرتے ہوئے، ساتھیوں کی رعایت رکھتے ہوئے، حق تعالیٰ شانہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے ہوئے اس

راستے میں قدم اٹھایا جائے، تو تین چلے اور چار مہینے میں انشاءاللہ تعالیٰ دین پر چلنے کی استعداد پیدا ہوجائے گی، یہ نہیں کہ تبلیغی بن گیا، بلکہ استعداد پیدا ہوجائے گی، جیسے مشائخ اجازت دیتے ہیں، خلافت دیتے ہیں کہ تمہیں بیعت کرنے کی اجازت ہے، اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ اس میں استعداد پیدا ہوگئی ہے، انشاءاللہ اگر یہ اس استعداد کو بڑھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے کام لے لیں گے۔

تو آج تشکیل کرنی ہے، بھئی جو پرانے لگے ہوئے ہیں وہ بھی اور جو نئے لگے ہوئے ہیں وہ بھی اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ کام کرکے جائیں اور اپنے رمضان کو وصول کرکے جائیں، آپ تقاضا رکھیں، ڈاکٹر صاحب آپ تقاضا رکھیں ایک تقاضا ملکوں کی جماعت کا ہے، ماشاءاللہ! ماشاءاللہ! اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

صومِ وصال کی ممانعت:

صحیح بخاری میں روایت ہے:

”عَنْ اَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تُوَاصِلُوْا فَاَیُّکُمْ اَرَادَ اَنْ یُّوَاصِلَ فَلْیُوَاصِلْ حَتَّی السَّحَرِ۔ قَالُوْا: فَاِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّی اَبِیْتُ لِی مُطْعِمٌ یُّطْعِمُنِی وَسَاقٍ یَسْقِیْنِی۔“ (بخاری ج:۱ ص:۲۶۴)

ترجمہ:......”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صوم وصال نہ رکھا کرو۔ یعنی بغیر افطار کئے کئی دن کا روزہ اکٹھا رکھ لینا۔ تم میں سے جو شخص ایسا روزہ رکھے اس کو چاہئے کہ سحر تک وصال کرلیا کرے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو صوم وصال

رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں رات اس طرح گزارتا ہوں کہ مجھے کھلانے والا کھلاتا بھی ہے اور پلانے والا پلاتا بھی ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

"عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا جَآءَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰهُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔"

(بخاری ج:۱ ص:۱۹۳)

ترجمہ:......"حضرت اسمأ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بند کرکے نہ رکھ، ورنہ اللہ بھی تجھ پر بند لگا دے گا، اور دیتی رہ اللہ کے راستے میں جتنا تجھ سے ہو سکے، گن گن کر نہ دے ورنہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی گن گن کر دے گا۔"

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

"عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا حِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ وَاَیُّمَا حِلْفٍ کَانَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ لَمْ یَزِدْهُ الْاِسْلَامُ اِلَّا شِدَّةً۔"

(مسلم ج:۲ ص:۳۰۸)

ترجمہ:......"حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کفر کے عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں، اور جس شخص نے کوئی عہد معاہدہ کیا تھا جاہلیت میں نیک کام کا تو اسلام اس کی شدت

اور سختی ہی میں اضافہ کرے گا۔“

پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے، صوم وصال یہ ہے کہ ایک دن کا روزہ رکھا اور پھر اس کو افطار کئے بغیر اور سحری کھائے بغیر اگلے دن کا روزہ رکھ لیا، کئی دن کے روزے ملا کر رکھ لئے، اس طرح کہ درمیان میں آدمی افطار نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے روزے رکھتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کچھ صحابہؓ نے بھی ایسے روزے رکھنے شروع کردیئے، کہا کہ ہم نے آپ کو دیکھا، ہم نے بھی شروع کردیئے، فرمایا: ”ایکم مثلی؟“ (تم میں سے کون سا آدمی ہے جو میری مثل ہو؟) کون بہادر آدمی ہے جو میری مثل ہو؟ ”انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی۔“ میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے، اور پلاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے روا نہیں ہے، چنانچہ روزے پر روزہ رکھ لینا اور درمیان میں افطار نہ کرنا مکروہ ہے۔

صوم وصال کی صورتیں:

اور علمائے فرماتے ہیں کہ اس کو موالات کہو یا وصال کہو، اس کی کئی شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ آدمی روزے کو افطار بھی نہ کرے، اور سحری بھی نہ کھائے، یہ ”اشد کراھتاً“ ہے، یعنی سب سے زیادہ کراہت والا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ افطار کرلے، سحر نہ کرے یہ مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے: ”تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَةً۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۷۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سحری کا کھانا کھایا کرو کیونکہ اس کھانے میں برکت ہے۔ رات کو کھا کے لیٹو گے تو صبح تک وہ ہضم ہوجائے گا، ورنہ تو پھر ناطاقتی ہوجائے گی، چند دن تو تم نبھالو گے پھر آگے جاکے مشکل پڑے گی، عقل مند آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے کہ بعد میں پشیمانی ہو۔

کہتے ہیں کہ عاقل خان اصل میں وزیر تھے، بادشاہ کی لڑکی سے (شہزادی سے) کچھ تعلق ہوگیا، بادشاہ کو پتہ چلا، اس نے اس کو معزول کردیا، لڑکی نے شعر لکھ کر کے بھیج دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

میں نے سنا ہے کہ عاقل خان نے ترک خدمت کردی ہے نادانی کی وجہ سے، اپنی حماقت کی وجہ سے نوکری چھوڑ دی یا چھڑا دی گئی، اس نے نام تو عاقل خان رکھا ہوا ہے، عاقل ایسا کام ہی کیوں کرے کہ جس پر پشیمانی ہو۔

افطار میں تأخیر کا حکم:

اور تیسری صورت یہ کہ آدمی سحری تو کھائے، سحور کھائے، لیکن افطار کے وقت افطاری نہ کرے، یہ اس سے زیادہ کراہت کی چیز ہے، اس لئے کہ اس میں ایک درجہ میں یہ عقیدہ ہوا کہ روزے کا افطار ہوجانے کے بعد اور افطار کا وقت ہوجانے کے بعد بھی روزہ رکھنا، یہ بھی عبادت ہے، اسی قسم کا عقیدہ بنانا یعنی باوجودیکہ اللہ کی طرف سے تو روزہ کھولنے کا حکم ہوگیا، لیکن جناب فرماتے ہیں کہ نہیں! میں نہیں کھولوں گا، گویا اللہ تعالیٰ کو مشورہ دینا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفُطَرَ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۷۵) ہمیشہ لوگ خیر پر رہیں گے جب تک کہ وہ فطر میں جلدی کرتے رہیں گے، اور ایک روایت میں ہے: "لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَا لَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ.... الخ۔" (مشکوٰۃ ص:۶۱) کہ میری امت خیر پر رہے گی یا فرمایا کہ سنت پر قائم رہے گی جب تک کہ مغرب میں جلدی کریں گے۔

افطار میں جلدی کرنا:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ قَالَ: دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰی عَائِشَۃَ، فَقُلْنَا: یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلَانِ مِنْ

اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَدُھُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلٰوۃَ وَالْآخَرُ یُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَیُؤَخِّرُ الصَّلٰوۃَ، قَالَتْ: اَیُّھُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلٰوۃَ؟ قُلْنَا: عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ! قَالَتْ: ھٰکَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ اَبُوْمُوْسٰی۔" (مشکوٰۃ ص:۱۷۶)

ترجمہ:......"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابی عطیہ اور مسروق رحمہما اللہ نے کہا کہ دو صحابی ہیں، ایک افطار اور نماز میں ذرا جلدی کرتے ہیں، اور دوسرے ذرا تاخیر کرتے ہیں، کہنے لگیں کون کون ہیں؟ بتایا گیا کہ تعجیل یعنی جلدی تو کرتے ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور تاخیر کرتے ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرمانے لگیں: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ٹھیک کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت تھی۔"

بھوکے مرنے کا نام روزہ نہیں:

اور راز اس کا یہ ہے کہ بھوکے مرنے کا نام روزہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کا نام روزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔" (پھر پورا کرو روزہ رات تک) رات آئی تو روزہ غائب، اب اگر کوئی شخص توقف کرتا ہے اس کے افطار کرنے میں، تو وہ حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتا، بلکہ ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے، اپنے نفس کی خواہش اور نفس کی پیروی کرتا ہے۔

بیوی کا شوہر کے مال سے صدقہ کرنا:

دوسری حدیث میں ایک قصہ ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی صاحبزادی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا، جو

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہوتی سوائے اس کے جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لا کر کے دیتے ہیں، گھر میں اور تو کوئی چیز ہوتی نہیں، تو مجھے صدقے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ صدقہ کرسکتی ہوں؟ فرمایا: کرلیا کرو! شوہر کی طرف سے اگر اجازت ہو تو کرسکتی ہو، اور اگر شوہر کی طرف سے اجازت نہیں تو صدقہ نہیں کرسکتی، بلکہ فقہاً نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عورت اپنا مال بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں خرچ کرسکتی، یہ عجائبات میں سے ہے، تم نے نادان بچے کو پیسے دیئے ہوئے ہیں تو بچے کو اگر تم اپنے طور پر خرچ کرنے کا عادی بنادو گے تو بے مصرف اور فضول خرچ ہوجائے گا، ٹھیک ہے پیسے اسی کے ہیں، لیکن تم سے پوچھ کے خرچ کرے، اور عورت بھی آدھا بچہ ہوتی ہے، اس لئے اس پر بھی کوئی نگران ہونا چاہئے، جس سے یہ مشورہ کرلیا کرے کہ میں یہ خرچ کروں یا نہ کروں، ورنہ بچگانہ کام کرے گی۔

تو میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اجازت دینا حضرت اسمأ رضی اللہ عنہا کو کہ تو خرچ کیا کر، اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت تھی، یا یوں کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے فرمانے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ منع نہیں کریں گے، بلکہ خوش ہوں گے۔

بند لگا کر اور گن گن کر خرچ نہ کیا جائے:

اس کے بعد فرمایا: بند لگا کر نہ رکھا کر، ورنہ اللہ بھی بند لگادے گا، خرچ کرے گی تو اللہ دے گا اور اگر بند لگا کر کے رکھ دیا تو پھر اللہ بھی بند لگادے گا کہ بس ان کی ضرورت سے زیادہ پہلے ہی پڑے ہوئے ہیں، اور گن گن کے نہ دیا کرو ورنہ اللہ بھی گن کے دے گا، انگنت دے گی تو اللہ بھی انگنت دے گا، بھئی یہ عورتوں کو نہ جاکے بتادینا کہیں، ورنہ وہ شام ہونے سے پہلے بازار کا رخ کریں گی، اللہ کے راستے میں نہیں خرچ کریں گی، توبہ کرو، آپا بازار کا رخ کریں گی اور نئے نئے کپڑے جتنے

بھی ان کو مل سکیں گے، نئے ڈیزائن کے آئے ہوئے، سب خرید لائیں گی اور کہیں گی حدیث میں آیا ہے کہ خرچ کیا کرو، انگنت خرچ کیا کرو، بھائی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسراف کا حکم نہیں دیا، بلکہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اور وجہ یہ ہے کہ طبائع میں بخل ہے، اس کو کتنا ہی کہو کہ لٹا دے، کہتا ہے جانے دے یار! یعنی پھر وہ رکے گا، اس کو جتنی بھی ترغیب دو تب بھی وہ کہے گا کہ اگر جان طلب حاضر است، جان مانگتے ہو، حاضر ہے، کوئی اور چیز مانگتے ہو حاضر ہے، اگر زر طلبی سخن دریں چہ است، اگر مال مانگتے ہو تو اس میں ذرا سوچنا پڑے گا، جان حاضر ہے، لیکن مال نہیں، بڑے حوصلے کا کام ہے مال کا خرچ کرنا، بڑے حوصلے کا کام ہے، اور خرچ کہاں کرنا؟ اللہ کے راستے میں! اپنی خواہشات پر خرچ کرنا کوئی مشکل نہیں، یہ تو نادان بچے اور بے وقوف عورتیں بھی کرلیتی ہیں، اللہ کے راستے میں خرچ کرنا صرف رضائے الٰہی کے لئے، یہ مشکل کام ہے، اس لئے فرمایا: گن کر نہ دیا کرو، اور ایک لفظ اس میں اور آیا: برتن میں بند کرکے نہ رکھ ورنہ اللہ بھی بند کرکے رکھے گا، ایک ہے بند لگانا اور ایک ہے بند کرکے رکھنا، بلکہ فرمایا: جتنا تجھ سے ہوسکے دیتی رہ، یعنی خرچ کرتی رہ۔ یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج معلوم ہوجائے گا کہ آپؐ کا ذوق کیا تھا مال کے بارے میں؟ اپنے اوپر تو خرچ کرتے ہیں نہیں، اللہ کے راستے میں دینے کے لئے ترغیب دی۔

جاہلیت کے معاہدوں کا حکم:

اور تیسری حدیث میں ایک مضمون کو ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں دو آدمی یا دو قبیلے آپس میں حلیف ہوجاتے تھے، حلیف یعنی ایک دوسرے سے معاہدہ کرنے والے، مددگار، معاون اور اس معاہدہ کرنے کا نام تھا ''حلف''، یعنی آپس میں قسمیں کھالیتے تھے کہ بھئی تم پر کوئی افتاد آن پڑے گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور ہم پر کوئی افتاد پڑے گی تو تم مدد کروگے، دونوں طرف سے

قسمیں ہو جاتی تھیں، اور پھر یہ ہوتا تھا کہ اب ایک حلیف نے کسی کے ساتھ جنگ چھیڑ دی، دوسرے کو لامحالہ اس میں شرکت کرنا پڑے گی، کیونکہ تقاضا حلف یہی ہے، وہ حق پر ہو یا باطل پر ہو، ظالم ہو یا مظلوم ہو، اس کو اس کا ساتھ دینا پڑتا ہے، چنانچہ جاہلیت کا فقرہ گویا چلتے سکے کی طرح تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اپنے بھائی کی مدد کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: ”لا حلف فی الاسلام۔“ اسلام میں اس قسم کے معاہدوں کی پابندی نہیں ہے، یہ جاہلیت میں جو معاہدہ کر لیتے تھے دو قبیلے یا دو آدمی کہ ہم حق پر ہوں یا ناحق پر، تمہیں ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔ اسلام میں ایسا حلف نہیں، ہاں حق پر ہو تو اس کا ساتھ دو اور ناحق پر ہو تو اس کو روکو، نہیں رکتا تو اسے کہو کہ جا جہنم میں، ہم تیرا ساتھ نہیں دیں گے، چنانچہ فرمایا کہ جو حلف جاہلیت میں ہو چکے ہیں اور وہ شریعت کے خلاف نہیں تو اسلام ان کی شدت اور ان کی مضبوطی میں اضافہ کرے گا، یعنی اسلام اس کی تائید کرے گا، اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپس میں ایسا معاہدہ کر لینا جائز نہیں جس کی وجہ سے ظلم کی معاونت ہوتی ہو، البتہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے پہلے سے ہی معاہدہ ہے کہ: ”اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُ وَلَا یَخْذِلُ۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ کبھی اس پر ظلم کرے اور نہ کبھی اس کو بے مدد چھوڑے، یعنی کوئی اس پر ظلم کرے تو یہ نہ کہے کہ مجھے کیا پڑی ہے؟ نہیں! اس کی مدد کرے، اس کو بے مدد نہ چھوڑے۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔

تبلیغ میں جانے والوں کے لئے ہدایات

یہ بات خوب یاد رکھئے کہ آپ جب اللہ کے راستے میں نکلے ہیں تو اپنی ''انا'' کو ختم کردیجئے، اس کی قربانی دے دیجئے اور دوسرے ساتھی سے یا اپنے رفیق سفر سے یا جہاں آپ جائیں وہاں گھر والوں سے، ان کے کسی عزیز سے، غرضیکہ کسی بھی انسان سے، کسی قسم کی کوئی تکلیف آپ کو پہنچے، اگر آپ اس کو محسوس کریں گے یا کریں گی تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے سفر کا ثواب ضائع ہوگیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اللہ کے دین کی خاطر، اللہ کے راستہ میں چلنا بہت ہی اونچا عمل ہے، اگر اس راستے کی صحیح رعایت نہ رکھی گئی اور اس راستے کی عظمت کو سامنے رکھ کر اس کے حقوق ادا نہ کئے گئے تو پھر محض یہ چلنا، پھرنا اور خالی سفر رہا، جیسے کہ سیر سپاٹے کر کے آپ آجائیں گے، جیسے دوسرے لوگ جاتے ہیں سفروں میں، اور پھر سفر کر کے واپس آجاتے ہیں۔

جذبات کی قربانی:

ان آداب میں سے سب سے پہلی چیز جس کو آپ کو یاد رکھنا چاہیۓ وہ بہت دقیق سی بات ہے، اگر سمجھ میں آجائے تو فائدہ بہت ہوگا، وہ یہ کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ نے جان کی قربانی دی، مال کی قربانی دی، اپنے اہل و عیال اور اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہونے کی قربانی دی، کیونکہ ہر ایک آدمی کا کچھ نہ کچھ مشغلہ تو ضرور ہوتا ہے، اب آپ نے ان مشاغل کی اور اپنے کاروبار کی ایک اچھی خاصی مدت کے لئے قربانی دی، اور پھر سفر، اور سفر بھی ایسا کہ در در پھرنا ہے، تو جہاں آپ نے اتنی قربانیاں دی ہیں، ایک قربانی آپ کو اور بھی دینا ہوگی، اس قربانی کا ذکر میں اس لئے کر رہا ہوں تاکہ آپ اس کے لئے پہلے سے تیار رہیں، اور وہ اپنے جذبات کی اور اپنی انا کی قربانی ہے، آپ جب اللہ کے راستے میں نکلے ہیں تو اپنی ''میں'' اور اپنی

''انا'' کوتو گھر رکھ کے جائیں، اگر ضروری ہوا تو واپس آکر لے لیں، اس راستے میں جس وقت تک آپ اللہ کے راستے میں ہیں، آپ کے پاس ''میں'' نہیں آنی چاہئے۔

ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا صحیح اکرام نہیں کیا، یا یہ کہ اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ دی، ایک بہن نے دوسری بہن کا اکرام نہیں کیا، تو دلوں میں قدرتی طور پر نفرت پیدا ہو ہی جاتی ہے، منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔

مشکل کام:

اس تبلیغ کے راستے میں سب سے بڑا مشکل کام جماعت کے ذمہ دار کے لئے ساتھیوں کے درمیان جوڑ پیدا کرنا ہوتا ہے، کیونکہ کوئی کہیں کا ہے اور کوئی کہیں کا، کوئی کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی کسی طبقے سے، کوئی چھوٹی سطح کا آدمی ہے اور کوئی بڑی سطح کا، کوئی عالی حوصلہ ہے اور کوئی میرے جیسا کم ظرف ہے، مختلف مزاج کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، اور ان کے درمیان اس سے پہلے کوئی رابطہ بھی نہیں ہوتا، ایک دوسرے کے مزاج سے آشنائی نہیں ہوتی، تو ان تمام ساتھیوں کا جڑ کر چلنا اور جڑ کر رہنا بڑا مشکل کام ہے، اور میری مراد جڑنے سے دلوں کا جڑنا، دلوں کا جڑ کر چلنا، آپ ساتھیوں سے اس طرح کا معاملہ کریں کہ ان کے دل اتنے جڑ جائیں کہ ایک دل بن جائے، جو سب ساتھیوں کے بدنوں میں دھڑک رہا ہے، سینوں میں دھڑک رہا ہے۔

مستورات کا جوڑ:

اور مستورات کے لئے یہ بات اور بھی مشکل ہو جاتی ہے، مرد لوگ تو پھر بھی تھوڑا بہت صبر کرلیا کرتے ہیں، جذبات پر قابو کرلیا کرتے ہیں، عورتیں ذرا جلدی لڑ پڑتی ہیں، آپ نے یہ دیکھا ہوگا کہ ریل کے ڈبوں میں مردوں کی بھی بڑی بھیڑ ہوتی ہے، لیکن وہ جیسے کیسے گزارا کرلیتے ہیں، ان کا باقاعدہ جنگ کا میدان نہیں بنتا، لیکن

عورتیں جس ڈبے میں ہوتی ہیں وہاں ایسا کہرام مچتا ہے کہ خدا کی پناہ! جھک جھک کرتی رہتی ہیں، اور سارا سفر اسی میں گزر جاتا ہے، اب جو بیٹھی ہوئی ہیں ان کو اتار بھی نہیں سکتے، اگر یہ عورتیں جوڑ کے ساتھ، تحمل اور برداشت کے ساتھ، صبر کے ساتھ یہ وقت گزار لیا کرتیں تو کسی کو بولنے کی ضرورت پیش نہ آتی، لیکن وہ بولتی ہیں ان کی عادت ہے، تو یہیں سے معلوم ہوگیا کہ بے چاری عورتوں میں تحمل اور برداشت کا عنصر تھوڑا کم ہوتا ہے، اب جب مردوں کا ایک ساتھ چلنا اور جڑ کر چلنا مشکل ہے تو عورتوں کا تو اور بھی زیادہ مشکل ہوگا۔

پھر ایک مشکل یہ کہ مرد تو آپس میں مشورے کر رہے ہیں، عورتیں بے چاری اپنے مکان میں بند ہیں، اب اس کا محرم اس سے جاکر بات کرسکتا ہے، دوسرا بات بھی نہیں کرسکتا، تو یہ بڑا مشکل ہے، عورتوں کا ایک جماعت بن کر چلنا جس کو انگریزی والے ٹیم کہتے ہیں، بڑا مشکل ہے۔

''انا'' کو ختم کیجئے:

پھر یہ بات خوب یاد رکھئے کہ آپ جب اللہ کے راستے میں نکلے ہیں تو اپنی ''انا'' کو ختم کردیجئے، اس کی قربانی دے دیجئے اور دوسرے ساتھی سے یا اپنے رفیق سفر سے یا جہاں آپ جائیں وہاں گھر والوں سے، ان کے کسی عزیز سے، غرضیکہ کسی بھی انسان سے، کسی قسم کی کوئی تکلیف آپ کو پہنچے، اگر آپ اس کو محسوس کریں گے یا کریں گی تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے سفر کا ثواب ضائع ہوگیا۔

لیلائے دین کے مجنون بن جاؤ!

بزرگ فرماتے ہیں کہ اس لیلٰی کے راستے میں جہاں جان کا خطرہ ہے، یہاں پہلا قدم رکھنے کی شرط یہ ہے کہ تم مجنوں بن جاؤ، اس کو نہ سردی کی پرواہ، نہ گرمی کی پرواہ، نہ کسی کے پتھر مارنے کی پرواہ، نہ کسی کی تحسین کی پرواہ، کسی چیز کی

پرواہ نہیں، بس دیوانہ ہے، مجنون ہے، وہ تو اپنی لیلیٰ کا مجنون ہے اور اس کو کوئی غرض نہیں، کسی سے کوئی غرض نہیں، نہ کسی کے اچھے سے، نہ کسی کے برے سے، اس کے لئے تو ایک ہی چیز سامنے ہے کہ منزل لیلیٰ میں جارہا ہوں، اور ایک دوسرے عارف اسی مضمون کو فرماتے ہیں کہ اگر تم اس محبوب کے راستے میں نکلے ہو، اور تمہارے قدموں اور تمہارے پاؤں کی ببول کے کانٹے تواضع کرتے ہیں تو تم غم نہ کھاؤ، اتنے اتنے بڑے کانٹے ہیں، میخوں جیسے، نیچے پاؤں کے تلوے میں لگا اوپر نکل آیا، پرواہ نہ کرو، تم اس اونچے راستے میں چل رہے ہو یہ تو معمولی مشقتیں ہیں، تو اس راستے میں نکلنے کے لئے سب سے بڑے کانٹے یہ ہوتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کی طرف سے تکلیف پہنچے اور تم اس پر صبر و برداشت سے کام لو، اس کا اہتمام کرو، احتیاط کرو کہ تمہاری کسی بات سے، تمہارے کسی طرز عمل سے، تمہاری کسی حرکت سے، تمہارے سکون سے، تمہارے اٹھنے سے، تمہارے بیٹھنے سے، تمہارے لیٹنے سے، آرام کرنے سے، تمہارے جاگنے سے، غرضیکہ کسی بھی حرکت سے تمہارے کسی ساتھی کو تکلیف نہ پہنچے۔

کسی کو ایذا نہ دو:

بزرگ تو فرماتے ہیں چپل بھی ایک دوسرے کی نہ اٹھاؤ، استعمال نہ کرو، چنانچہ استنجاء خانے میں جانے لگے اور دوسرے کے چپل پڑے ہیں، بغیر اجازت لے جائیں، ایسا نہ کرو، بلکہ اگر دوسرے کی اطلاع کے ساتھ ہو اور اس کی اجازت کے ساتھ ہو، ہاں عموماً اس کی اجازت ہوتی ہے، ساتھیوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی، لیکن اطلاع ہونی چاہئے، تو جہاں تک اپنا رویہ ہے وہ یہ رکھو کہ تمہاری طرف سے کوشش ہو کہ پورے سفر میں کسی کو ایک بال برابر بھی تمہارے سے کوئی ایذا نہ پہنچے، اپنے اندر کا شیطان ہے ناں! اس کو گھر باندھ کر کے جاؤ۔

اپنے شیطان کو گھر چھوڑ جاؤ:

یوں کہتے ہیں کہ آدمی کے اندر دو حصے ہیں، ایک حصہ فرشتے کا ہے، دوسرا حصہ شیطان کا ہے، اور یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، اگر فرشتہ پن اس کا غالب آجائے تو یہ فرشتوں سے آگے نکل جاتا ہے، اور اگر اس کا شیطان کا حصہ غالب آجائے تو ابلیس سے بڑھ جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے راستے میں نکلو تو اپنے شیطان کو گھر باندھ کے جاؤ، اور پورا سفر تمہارا ایسا گزرے کہ (تم نہ کہو اپنے آپ کو) تمہارے ساتھ بیٹھنے والے کہیں یہ انسان نہیں، یہ تو فرشتہ ہے، لیکن اسی کے ساتھ جب دوسروں کی طرف سے کوئی معاملہ تم کو پہنچے تو اس کو محسوس نہ کرو۔

صبر وتحمل کے درجات:

دیکھو یہ تین درجے ہیں:

پہلا درجہ:

ایک یہ کہ آدمی دوسروں کی تکلیف کو محسوس ہی نہ کرتا ہو، کوئی ایسا بے حس ہوجائے، یہ تو بڑا مشکل ہے، آدمی تو آدمی ہے، اور محسوس بھی کرتا ہے، لیکن کوئی بات نہیں، اللہ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو بے حس کرلو۔

دوسرا درجہ:

اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی محسوس تو کرتا ہے لیکن معاف کردیتا ہے، چلو درگزر کردیتا ہے، اگر پہلے درجے میں نہیں آسکتے تو دوسرے درجے میں آجاؤ کہ چلو محسوس تو ہوگیا لیکن درگزر کرو، اس پر صبر کرو، صبر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی سے نہ شکوہ نہ شکایت، نہ اس سے، نہ کسی دوسرے سے، تمہارے شوہر تمہارے ساتھ ہیں، ان سے بھی شکایت نہ کرو کہ مجھے آج یہ تکلیف پہنچی ہے، اگر ایسا کیا تو پھر وہ صبر نہ رہا،

ہاں! ایک یہ ہے کہ جس کے سامنے تم تنہائی میں شکایت کرسکتے ہو، اور وہ بھی یہ کہے کہ: یا اللہ! میری اصلاح ہوجائے، اپنی اصلاح کی نیت سے اللہ سے درخواست کرسکتے ہو تو یہ دوسرا درجہ ہوا۔

تیسرا درجہ:

اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی محسوس بھی کرے اور اس کو معاف بھی نہ کرے، پھر اس کے بھی کئی درجے ہوتے ہیں، بعض لوگ معافی مانگنے پر معاف کردیتے ہیں کہ جب تک معافی نہیں مانگو گے، نہیں معاف کروں گا، چلو بہت بڑا بن گیا یہ آدمی کہ لوگ اس سے معافی مانگتے ہیں، اچھی بات ہے، چلو اس کو بڑا بنادو، لیکن حاصل کچھ نہیں ہوا بلکہ بغیر معافی مانگنے کے اگر یہ معاف کرتا تو بڑا اچھا ہوتا، یہ بڑا آدمی ہوتا، اور ایک درجہ یہ ہے کہ معافی مانگنے پر بھی معاف نہیں کرتا، اور بعض لوگ تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ میں قیامت میں بھی معاف نہیں کروں گا، اس پر ایک بزرگ نے بہت اچھی بات کہی تھی، مجھے بہت اچھی لگی کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کریں، تو پھر کیا ہوگا؟ تم تو کہتے ہو میں قیامت میں بھی معاف نہیں کروں گا، تم نے بھی تو اللہ تعالیٰ کے کئی قصور کئے ہوں گے، اگر اللہ تعالیٰ بھی تم سے کہہ دیں کہ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا، سزا دوں گا، اور تم تو سزا دینے پر بھی قادر نہیں ہو، وہ تو قادرِ مطلق ہیں، مگر نہیں، اللہ تعالیٰ تم جیسے کم ظرفوں کی سطح پر نہیں آتے، یہ کم ظرفی کی بات ہے، تو ایک نکتہ یہ ہوا کہ اپنی ''انا'' کو ختم کرو۔

اپنی اصلاح کو پیش نظر رکھو:

یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس راستے میں اپنے آپ کو کچلنے کے لئے، روندنے کے لئے مٹی کی طرح پامال ہونے کے لئے بھیجا ہے، اور مجھے اس راستہ میں نکالا ہے، مجھے اپنی اصلاح مقصود ہے، دوسروں کی اصلاح تو جب ہوگی ہوگی، سب

سے پہلے اپنی اصلاح مقصود ہے، اور اگر تم کو یہ دولت مل گئی، یہ ''انا'' کے ختم ہونے کی، تواضع کرنے کی کہ تم مٹی بن جاؤ اور ان تین چار مہینوں میں اگر اتنی مشق ہوگئی اور گھر آنے کے بعد بھی تمہاری کایا پلٹ جائے اور وہی لوگ جن کے ساتھ لڑائیاں تھیں، اب کوئی لڑائیاں نہ رہیں اور تم کہو: اچھا بھئی کرلو جو کرنا ہے، تو سمجھ لو کہ تمہارا وقت قیمتی بنا ہے اور کچھ اصلاح ہوگئی ہے، اس پر ایک مثال دیتا ہوں:

کچھ بننے کے لئے رگڑائی کی ضرورت ہے:

یہ جو ہم جوتے پہنتے ہیں ناں! ابتدا میں یہ صرف کھال ہوتی ہے، اس کو پہلے رنگ لیتے ہیں، اور رنگنے کے بعد موچی اس کو ملتا ہے، اتنا ملتا ہے، اتنا رگڑتا ہے کہ یہ چمڑا جھاگ جیسا ہوجاتا ہے، تب وہ اس کا جوتا بناتا ہے، ایسا نہیں کہ گائے کی کھال اتارلی اور اس کا جوتا گانٹھ لیا، ایسا نہیں ہوتا، اس غریب کھال کو جوتا بننے کے لئے کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، تمہیں انسان بننے کے لئے کتنے مراحل سے گزرنا پڑے گا، یہ تو سوچو، جوتے کو جوتا بننے کے لئے اتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تب وہ جوتا بنتا ہے۔

یہ کپڑے جو تم نے بدن پر پہنے ہوئے ہیں، یہ بیچارے کتنے مرحلوں سے گزرے ہیں؟ کپاس تھی، اگر کپاس کے کپڑے ہیں تو پہلے تو یہ بیلنے میں دیا گیا، آپ جانتے ہیں بیلنے سے گزرنا آسان ہے؟ پھر دھنکی کے ساتھ اس کو دھنا گیا، پھر اس کے تار بنائے گئے، پھر اس کو بننے والوں نے بنایا، بنائی کی اس کی، پھر دھوبی نے اس کی دھلائی کی، پٹخا اس کو، اور نہ معلوم کیسے کیسے گرم پانی میں اور کیسے کیسے مصالحے ڈال کے پھر اس پر استری گرم گرم چلائی، پھر درزی کے پاس آیا، اس نے قینچی لے کر کے اس کے ویسے ہی ناک کان کاٹ دیئے، اور پھر اس پر مشین چلائی، سوئی چلائی، اتنے مرحلوں سے گزرنے کے بعد وہ آپ کے سینے سے لگا، ایسے نہیں لگتا، ایک کپڑا معمولی

جس کی کل عمر چھ مہینے ہے، چھ مہینے پہنتا ہے آدمی، چلو زیادہ پہن لے، کئی کئی سال کے بھی لوگ رکھ لیتے ہیں، اور ایک جوتا جو چھ مہینے کی چیز ہے، اس کے بننے کے لئے اس غریب کو اتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، تم سوچو کہ تم انسان ہو، تم کو انسان بننے کے لئے کتنے مراحل سے گزرنا پڑے گا؟ اور اپنے آپ کو کتنا مٹانا پڑے گا؟ کتنا روندنا پڑے گا؟ اور یہ تو بیچارے بے جان ہیں، بے شعور ہیں، تم ہو باشعور، تم جو کچھ کرو مولا کی رضا کے لئے کرو، مالک کی رضا کے لئے کرو۔

ارکانِ نماز میں تذلل:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ حقیقت رکوع کی یہ ہے کہ جب آدمی رکوع میں جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھی قامت کا، سیدھے قد کا بنایا تھا، یہ بیل کی طرح بن جاتا ہے، اور بیل کی طرح بن کے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے: جو کچھ لادنا ہے لاد دیجئے، میں حاضر ہوں، میں آپ کے سامنے بیل کی حیثیت رکھتا ہوں، جو کچھ لادنا ہے اس گدھے پر لاد دیجئے، اٹھاؤں گا، اور پھر حقیقت سجدے کی یہ ہے کہ اپنی پیشانی جو سب سے محبوب ترین عضو ہے، آدمی کے حسن و جمال کی بھی مظہر یہی ہے، اس کی عزت وشرف کا بھی مظہر یہی ہے، تمام کمالات اللہ تعالیٰ نے انسان کے اسی چہرے کے اندر رکھے ہیں، جتنے بھی کمالات ہیں سب اس کے اندر رکھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسان کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، آدمی زندہ ہے، پاؤں کاٹ دیئے جائیں، آدمی زندہ ہے، اور کوئی اور عضو کاٹ دیا جائے، آدمی زندہ ہے، لیکن اگر سر کاٹ دیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا، تو انسان نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا، پستی کی حد ہوگئی، انتہا ہوگئی کہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میں تو مٹی ہوں، اور ساتھ ہی زبان قال سے کہہ رہا ہے: ”سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ“ پاک ہے میرا رب جو سب سے اونچا ہے، سب سے اونچا

ہے، آج سب سے اونچے کے سامنے سب سے نیچا بننے کی آج توفیق حاصل ہوگئی، الحمدللہ! تو میں نے کہا یہ سب کچھ تمہیں برداشت کرنا ہے اور اس کے لئے کرنا ہے کہ ایک راضی ہوجائے، ہمارے پنجابی میں کہتے ہیں کہ:

سفر کی قبولیت کی علامت:

میں سارے خاندان کی غلام ہوں، صرف ایک تیری جان کے لئے، ایک تیری جان کے لئے سب کی غلام ہوں، اللہ تعالیٰ سے کہو ایک تیری ذات کے لئے سب کے غلام، میری کوئی حیثیت ہی نہیں، کوئی مرتبہ ہی نہیں، نہ میری کوئی عزت، نہ میرا کوئی مرتبہ، نہ میری کوئی انا، کوئی روندتا ہے، روند جائے، اُف نہ کرو، یہ چیز آپ کو اس راستے میں جتنی زیادہ میسر آجائے گی اور اس راستے میں جتنی زیادہ اس کی تربیت ہوجائے گی اور اس راستے میں جتنی زیادہ اس کی مشق ہوجائے گی تو تم سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سفر کو اتنا ہی زیادہ قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

علم پر عمل کی ضرورت ہے:

دوسری بات یہ کہ کتابوں کی اور ورقوں کی تو کمی نہیں ہے، لیکن امت میں دو چیزوں کی کمی ہے، ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں علم دیا تھا، تین چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہیں، خوب یاد رکھو! ایک تو علم ہے، دوسرا عمل ہے، اور تیسرا ہے علم پر عمل سے آدمی پر کیفیات کا پیدا ہونا، جس کو ہم حال کہتے ہیں، یہ تین چیزیں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہیں، علم کی حد تک تو الحمدللہ کا غذ کالے کرنے کا میں بھی تیس سال سے کام کر رہا ہوں، اور پڑھنے پڑھانے کا بھی سلسلہ الحمدللہ چل ہی رہا ہے، کوئی شک نہیں، لیکن اگر دس من علم ہے تو عمل ایک چھٹانک بھی نہیں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ علم ایک چھٹانک ہوتا تو عمل دس من ہوتا، لیکن قصہ الٹ ہوگیا کہ زبان چلانے پر، علم پر تو بہت زور ہو رہا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے

کمزور ہیں۔

مجھے بہت سے ساتھی شکایت کرتے رہتے ہیں کہ فلاں آدمی تبلیغ میں ہے، لیکن اپنی کاروباری زندگی میں الٹے سیدھے معاملات میں وہ دوسروں سے بھی اونچا نکلا ہوا ہے، یہ بھی ایک ذہن ہے کہ یہاں تبلیغ میں تو اکرام مسلم بھی ہے، اور معاملات کی صفائی بھی ہے اور اپنے جذبات کو قربان کر کے دوسروں کے جذبات کی رعایت بھی رکھتا ہے، یہ بات ہمیں تعلیم میں بھی اور ہدایات میں بھی بتائی جاتی ہے، لیکن جب گھر آگئے تو فارغ ہوگئے، پھر وہی ماحول اور وہی قصہ کہانی، وہی رگڑے جھگڑے، معلوم ہوا کہ عمل جمع نہیں ہوا، علم کی حد تک تو وہ تبلیغ میں گیا، لیکن عمل کی مشق نہیں ہوئی۔

کیفیات عمل سے حاصل ہوں گی:

اور تیسری چیز احوال و کیفیات جو پیدا ہوتی ہیں وہ تو اعمال سے پیدا ہوں گی، بھائی! دودھ ایک چھٹانک ہوگا تو مکھن اس میں سے کتنا نکلے گا؟ وہ تو مکھن ہے۔

اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک دودھ بیچنے والا تھا، وہ کسی نالے سے پانی ڈال کر لایا، اس میں مچھلی کا پونگ چھوٹا سا تھا، اس نے دودھ دیا تو وہ دودھ میں نکل آیا، دودھ لینے والے نے اس سے کہا کہ یہ تو مچھلی کا پونگ اس دودھ میں سے نکلا ہے، کہنے لگا ایک پاؤ تو آپ نے دودھ لیا ہے، اس میں سے یہی نکلے گا، اس میں دس سیر کی مچھلی تھوڑا ہی نکلے گی! اتنا سا ہی نکلے گا، تو جب ہمارا عمل بہت کمزور ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ احوال و کیفیات کیسے پیدا ہوں گی؟

اپنی فکر کرنی چاہئے:

تو ایک بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ اس راستے میں نکل کر جہاں آپ کو دعوت کی مشق کرنی ہے، جہاں آپ کو لوگوں کو بلانے کی مشق کرنی ہے، جہاں، جس جگہ، جس بستی میں، محلے میں آپ جائیں وہاں کے احباب کو یا بہنوں کو جوڑنے کی اور

اس راستے کی ترغیب دینے کی فکر کرنی ہے، اس کام میں جوڑنے کی فکر کرنی ہے، وہاں بلکہ اس سے بھی پہلے خود اپنے عمل کی فکر کرنی ہے، آپ کے اعمال اور اخلاق میں کوئی کچا پن نہ رہے۔

کرنے کا کام:

ہماری تو کوئی حیثیت ہے نہیں، ہم تو دنیا دار لوگ ہیں، لیکن ہم نے راستہ اللہ والوں کا اختیار کرلیا ہے، اہل اللہ کا راستہ اختیار کرلیا ہے، تو جب ان کا راستہ اختیار کرلیا تو چلو جھوٹی سچی ان کی نقل تو اتاریں، اس لئے اپنی نمازوں کا اہتمام، تلاوت کا اہتمام، تسبیحات کا اہتمام، اپنے نوافل کا اہتمام، اور اسی طرح اپنے اخلاق کا اہتمام، غرضیکہ جو کچھ آپ سنیں اور جس کی ہم دعوت دیں، سب سے پہلے اپنے دل میں اتاریں اور عمل میں لائیں۔

اس سفر سے آگے ایک اور سفر ہے:

بے شک یہ ہماری زبان کے الفاظ ہیں، مگر ان کی حقیقت بھی ہمارے دل میں اتر جانی چاہئے کہ آپ اللہ کا راستہ طے کر رہے ہیں، جس کو خروج فی سبیل اللہ کہتے ہیں، جس طرح آپ اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں، اسی طرح ایک راستہ طے کرکے آپ کو اللہ کے سامنے بھی کھڑا ہونا ہے، اس کی ہیبت، اس کا جلال، اس کی عظمت اور اس کی محبت، اس کی ذات عالی سے امید، جیسی اس وقت ہوسکتی ہے جب ہم اس کے سامنے ہوں، اس کی مشق ابھی سے کرلو، پھر قبر کی تنہائی میں جب عزیز و اقارب ہم سے جدا ہوجائیں گے، اور ایک بند کوٹھری میں جس میں کوئی سوراخ بھی نہیں ہوگا، کوئی کھڑکی بھی نہیں رکھی ہوئی ہوگی، ہمیں بند کردیا جائے گا، وہاں کوئی روشنی بھی نہیں ہوگی، اور وہاں کسی تک آواز پہنچانا بھی ممکن نہیں ہوگا، خدانخواستہ کوئی تکلیف ہو تو کسی کو بلا ہی لیں، آواز ہی دے دیں، یہ بھی ممکن نہیں ہوگا، وہاں صرف ایک

ذات کا سہارا ہوگا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، سارے تعلقات ختم اور ایک تعلق باقی رہ گیا، اس کی مشق کرو، اس راستے میں نکل کے تو اپنے اعمال کی، اپنے اخلاق کی اور اپنے یقین کی مشق کرو، اب یہ دونمبر ہوگئے، اخلاق میں یہ ساری چیزیں آجاتی ہیں، اکرام مسلم اور اسی میں اعمال اور اذکار وغیرہ، نمازوں کا اہتمام بھی ہوگیا، یہ ساری چیزیں نکل آئیں، ان چیزوں کی آپ کو عملی طور پر مشق کرنی ہے اور ان کو پختہ کرنا ہے، اور روزانہ آپ کو انفرادی طور پر، ہر آدمی اپنے طور پر سمجھے کہ آج میرے اعمال کا میزانیہ کیا رہا؟ اور پھر نفس کو غیرت بھی دلائے کہ اب تو، تو اتنے پیسے خرچ کرکے اللہ کے راستے میں نکلا ہوا ہے، اگر اب بھی کام نہیں کررہا تو گھر پر کیسے کام کرے گا؟

عمل سے دعوت:

تیسرا نمبر ہے دعوت کا، دعوت کے بارے میں آپ حضرات مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، ماشاءاللہ، بزرگوں کی ہدایات بھی آپ لوگوں نے سنی ہوئی ہیں، میں اس معاملے میں کیا عرض کروں؟ لیکن ایک جملہ میں بھی عرض کردیتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، ایک دعوت زبان سے ہوتی ہے، ایک اپنے عمل سے ہوتی ہے، اور ایک اپنے دل سے ہوتی ہے، زبان کی دعوت تو تقریر ہے، میں نے بھی شروع کردی، آپ کو دعوت دینا شروع کردیا، اور لاؤڈ اسپیکر کا، ٹیپ ریکارڈوں کا اور نہ معلوم کس کس کا دور ہے، اب تو خیر سے لوگ ڈش اینٹینا تک پہنچ گئے ہیں، ایک جگہ آدمی بیٹھا بول رہا ہے، ساری دنیا اس کی آواز کو سن رہی ہے، اس لفاظی کا تو عموم ہوگیا ہے، لیکن یہ سب سے کمزور چیز ہے، دوسری چیز ہے عمل، تمہارا لباس دیکھ کر، تمہاری رفتار دیکھ کر، تمہاری گفتار دیکھ کر، تمہارا سراپا دیکھ کر، تمہاری شکلیں دیکھ کر لوگوں کو ہدایت آنا شروع ہوجائے۔

صحابہؓ نے عمل سے دعوت دی:

تیس سال پرانا قصہ ہے، ایک تبلیغی دوست بیان کر رہے تھے، مجھے ان کی بات بہت پسند آئی، کہنے لگے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت سے ایسے ملکوں میں گئے جن کی زبان یہ نہیں جانتے تھے، اور وہ ان کی زبانیں نہیں جانتے تھے، اور بیچ میں کوئی ترجمان بھی نہیں تھا، کچھ دن رہنے کے بعد کچھ دو چار جملے سیکھے ہوں گے ایک دوسرے کی بات سمجھانے کے لئے، لیکن لوگ ان حضرات کی شکلیں دیکھ دیکھ کر اور ان کے معاملات دیکھ کر مسلمان ہو رہے تھے، اور جہاں جہاں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین گئے، وہاں نور پھیلتا چلا گیا، یہ بات بالکل صحیح اور حقیقت ہے۔ تو میرا جی چاہتا ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی نکلے کہ انہیں کہہ دیا جائے کہ تمہیں بولنا نہیں ہے، گونگوں کی جماعت نکلے، تم جہاں جاؤ تمہیں بولنا نہیں ہے، تمہارا کام کیا ہوگا؟ اپنے اعمال کو درست کرنا، حالانکہ بولنے والے ہیں، یہ نہیں کہ واقعتاً گونگے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہنا بس، ایک بستی میں جاؤ، ایک رات لگاؤ یا دو رات، جتنا بھی وقت لگے، پھر آگے چلے جاؤ، اپنے اذکار میں، اپنے اعمال میں، اپنے یقین بنانے میں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کرنے میں لگے رہو، پھر دیکھو کہ اس جماعت کے گزرنے سے کیا اثرات ہوں گے؟ تو یہ دعوت کے تین طریقے ہیں، ایک یہ کہ زبان سے کہا جائے، دوسرا طریقہ یہ کہ عمل سے دعوت دی جائے، آپ جائیں گے راستے میں نماز کا وقت آ گیا، وہاں اپنا سامان وغیرہ رکھا، کھڑے ہوکر اذان دی، وہ علاقے جہاں اذان کی آواز گونجی اللہ تعالیٰ کی زمین کے وہ ٹکڑے جو اللہ تعالیٰ کے نام کو ترس رہے ہیں، وہاں اللہ کا اور اللہ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گونجے گا، تو فرشتے تمہارے لئے دعائیں کریں گے، حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهٗ

مَدٰی صَوْتِہٖ وَیَشْھَدُ لَہٗ کُلُّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ......“

(مشکوٰۃ ص:۶۵)

ترجمہ:......”مؤذن کی آواز جہاں جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک اللہ تعالیٰ بخشش فرما دیتے ہیں، اور قیامت کے دن یہ شجر وحجر تک اس کے حق میں گواہی دیں گے (کہ اس نے اللہ کا نام بلند کیا تھا)۔“

آپ کی اذان کی آواز ایک فرلانگ تک پہنچے گی، وہاں کے درخت اور سارے کے سارے شجر وحجر اور پرندے آپ کے حق میں قیامت کے دن گواہی دیں گے اور لوگ بھی آپ کو دیکھیں گے تو یہ ایک عملی مشق ہے، دعوت ہے۔

دنیا پیاسی ہے:

ماشاءاللہ جن علاقوں میں آپ جارہے ہیں وہاں کے لوگ بہت پیاسے ہیں، وہ اپنی زندگی سے عاجز ہوچکے ہیں، میں دیکھتا ہوں شراب پر شراب انڈیل رہے ہیں، اور ہمارے یہاں جس طرح ہے ناں کہ مولویوں نے گلی گلی میں مسجدیں بنا رکھی ہیں، اچھا کام کرتے ہیں، وہاں میں نے دیکھا ہے باہر ملکوں میں، انگلینڈ وغیرہ میں کہ ہر گلی کے کونے پر آپ کو شراب خانہ ملے گا، اور شراب پی کر بدمست مرد اور عورتیں میں نے سڑکوں پر لیٹے ہوئے دیکھے ہیں، وہ اپنی زندگی سے اتنے عاجز ہوچکے ہیں بیچارے کہ ان کو سوائے اس کے کہ شراب پی کر اپنے آپ کو عقل وخرد سے محروم کرکے بے ہوش ہوجائیں، اور کوئی ذریعہ سکون نظر نہیں آتا، آپ اپنے عمل اور دعوت کے ذریعے ان کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے جوڑیں گے تو ان کے دلوں کو ایک خاص سکون محسوس ہوگا، اس لئے کہ ارشادِ الٰہی ہے: ”اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔“ (الرعد:۲۸) (آگاہ ہوجاؤ! اللہ کے ذکر میں دلوں کا اطمینان ہے)، اس وقت ان کو پتہ

چلے گا کہ ہم کس دوزخ میں جل رہے تھے۔

مسلمان دنیا میں بھی جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں جنت عطا فرمادی ہے، ہم لوگ ناقدرے ہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں جنت ملے گی، یعنی وہاں آگے چل کر جنت ملے گی، مگر میں یوں سمجھتا ہوں کہ جنت تو تمہیں اللہ نے ابھی سے عطا فرمادی ہے، راحت اور سکون کی وہ زندگی اور تعلق مع اللہ کی وہ زندگی اور قلبی راحت کی وہ زندگی جو اللہ نے تمہیں اپنے دین کی نسبت اور اپنے دین کی برکت سے عطا فرمادی ہے، وہ دنیا میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہے، تو آپ اور کس جنت کو چاہتے ہو؟ یہ لوگ تخت شاہی پر بیٹھے ہیں، کرسی صدارت پر بیٹھے ہیں، لیکن اندر جا کے دیکھو کتنے کھوکھلے ہیں؟

اتباع سنت کی خوشبو:

تو عملی طور پر بھی دعوت دو اپنے اعمال کو اپنی شریعت کے مطابق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ڈھالو، اور کوشش کرو کہ تم سے ایک چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی اس سفر میں چھوٹنے نہ پائے، ان سنت والے اعمال کے خود اثرات ہوں گے، جن کو ہم نہیں محسوس کرتے، جیسے ظاہری خوشبو کی ایک خوشبو ہوتی ہے، اور جتنی تیز خوشبو ہوتی ہے، اتنی زیادہ پائیدار بھی ہوتی ہے، اتنی زیادہ پھیلتی بھی ہے، اور جتنی اس ظاہری گندگی کی بدبو ہوتی ہے وہ اتنا ہی ماحول کو متعفن کرتی ہے، اس طرح ہمارے وہ اعمال جو سنت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں گے ان کی ایک خوشبو ہے۔ جب وہ عمل سنت کے سانچے سے ڈھل کر نکلے گا تو اس کی خوشبو خود بخود پھیلے گی۔

گناہوں کی بدبو:

اسی طرح ہماری بدعملیاں جو آج پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں، جب وہ

شیطان کے سانچے سے ڈھل کر نکلیں گی تو ان کی بدبو خودبخود پھیلے گی، اب اگر تم اس بدبو کو روکنا چاہو ہاتھ کے ذریعہ، یا زبان کے ذریعہ اور اس کے خلاف تقریر کرو کہ بدبو پھیلی ہوئی ہے، تو تمہاری تقریروں سے کیا ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ یہ بدبو جو ہمارے ماحول میں پھیلی ہوئی ہے کسی تقریر سے، کسی مقالے سے، کسی تحریر سے یہ ختم نہیں ہو رہی، یہ تو اعمال کی بدبو ہے، وہ اعمال جو سنت سے نہیں بلکہ شیطان کے سانچے سے نکلے ہیں، شیطانی اعمال ہیں، ان اعمال کی بدبو تو رہے گی۔ ہاں جب آپ سنت کے سانچے سے نکلے ہوئے اعمال لے کر چلیں گے اور آپ کا ہر عمل سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوگا تو انشأ اللہ خودبخود یہ خوشبو پھیلے گی اور گناہوں کی بدبو ختم ہوگی۔

ہدایت کے لئے قلوب کو متوجہ کرو:

تیسری بات یہ کہ آپ کا قلب پوری طرح متوجہ ہو ہدایت کے لئے، ہدایت دینا تو میرے اللہ کا کام ہے، کسی انسان کے قبضے میں اللہ نے ہدایت کو نہیں رکھا، لیکن جب قلوب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسم ''ہادی'' کا ظہور فرماتے ہیں، اسم ''ہادی'' کی تجلی فرماتے ہیں، شرط یہ ہے کہ ہم اللہ کے سامنے التجا کریں۔ تو عرض ہے کہ اپنے قلب کو پوری طرح مخلوق کی طرف متوجہ نہ کرو، مخلوق کی طرف متوجہ کرو گے تو اللہ سے محجوب ہوجاؤ گے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو، عین اسی وقت جب تم مخلوق سے بات کر رہے ہو اس وقت بھی متوجہ اللہ کی طرف رہو، اس لئے کہتے ہیں کہ: متکلم بات کرے، باقی ساتھی ذکر کرتے رہیں، بزرگ نصیحت کرتے ہیں ناں، اس کی یہی شرح ہے، اس وقت بھی تمہارا تعلق اللہ کی طرف رہے، اس کے حکم کو بجالانے کے لئے، اس سے دین کی بات کہو باقی اللہ سے التجا کرو کہ یا اللہ! ہماری زبان سے تو نہیں آپ کی قدرت سے کام چل سکتا ہے، بس انہی کلمات پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عزم کرنے پر ہی توفیق ملے گی!

اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے رہو، اور کام کا عزم کرتے رہو، اور پھر کام کرتے ہوئے کوشش کرو کہ یہ اللہ کی رضا کے مطابق ہوجائے، اس کے بعد پھر استغفار کرو، تو یہ چار مرتبے ہوگئے۔ پہلا مرتبہ ہوگیا اللہ سے مانگنا، دوسرے نمبر پر عزم کرو، تیسری چیز ہے کام شروع کرنا، چوتھا اب استغفار کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱:......"عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَلتَّوْفِیْقُ خَیْرُ قَائِدٍ وَحُسْنُ الْخُلْقِ خَیْرُ قَرِیْنٍ وَالْعَقْلُ خَیْرُ صَاحِبٍ وَالْاَدَبُ خَیْرُ مِیْرَاثٍ وَلَا وَحْشَۃَ اَشَدُّ مِنَ الْعُجْبِ۔" (کنز العمال ج:۱۶ ص:۲۹۶ حدیث:۴۴۳۹۶)

۲:......"عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ وَانْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ۔"

(کنز العمال ج:۱۶ ص:۲۹۶ حدیث:۴۴۳۹۷)

۳:......"وَعَنْہُ قَالَ کُلُّ اِخَاءٍ مُنْقَطِعٌ اِلَّا اِخَاءً کَانَ عَلٰی غَیْرِ طَمَعٍ۔"

(کنزل العمال ج:۱۶ ص:۲۹۶ حدیث:۴۴۳۹۸)

ترجمہ:۱:......"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: توفیق سب سے بہتر قائد ہے، اور حسن خلق سب سے بہترین ساتھی ہے اور رفیق ہے، اور عقل سب سے بہترین ساتھی ہے، اور ادب سب سے بہترین میراث ہے اور کوئی وحشت عجب اور خود پسندی سے بڑھ کر نہیں۔"

۲:......’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا، یہ دیکھو کہ کیا کہا ہے۔‘‘

۳:......’’حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہر دوستی ٹوٹنے والی اور ختم ہونے والی ہے، سوائے اس دوستی کے جو بغیر طمع کے ہو۔‘‘

پہلی روایت میں پانچ فقرے ہیں، اور دوسری روایت میں دو فقرے ہیں،

۱:......انسان کا سب سے بہتر راہ نما توفیق ہے۔

توفیق:

اگر کسی بندے کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے خیر کے اسباب مہیا کردیئے جائیں تو اس کو توفیق کہتے ہیں، جیسے لوگ کہتے ہیں کہ الحمدللہ اس کی توفیق ہوگئی۔

خذلان:

اور کسی بندے کے لئے شر کے اسباب جمع کردیئے جائیں تو اس کو ’’خذلان‘‘ کہتے ہیں، یعنی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اس کو رسوا کردیا جائے اور دور کردیا جائے، یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی کا کام کرو یا برائی کا کام کرو، اس سے پہلے کچھ اسباب ہوتے ہیں، اور ان اسباب کا مہیا کردیا جانا من جانب اللہ ہوتا ہے، اگر کسی بندے کے لئے خیر کے اسباب جمع کردیئے گئے، تو یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے انعام ہے، توفیق ہے۔

توفیق کے اسباب:

مزید یہ ہے کہ اسباب دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی کام کو تیار کرنے

کے لئے ہوتے ہیں، اور ایک وہ ہیں جو عین کام کرنے کے وقت مہیا کئے جاتے ہیں، مثال کے طور پر کسی شخص کو حج پر جانا ہے، اس کے لئے زادِ راہ بھی چاہئے، پیچھے بال بچوں کا انتظام کرنا چاہئے، یہ سارے حج کے اسباب ہیں، اور جب یہ سارے اسباب مہیا ہوگئے تو اب اس کے سفر حج کے دوران اس کو طاقت کا مِل جانا، اور تمام معاملات میں اس کی راہنمائی ہوجانا، اور ٹھیک ٹھیک مناسک حج کا ادا کرنا، سفر حج کے آداب بجا لانا، یہ وہ توفیق ہے جو حج کے ساتھ ہوتی ہے، اسی طرح نماز کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کے اسباب مہیا فرمادیئے ہیں، بدن کی بھی صحت ہے، چلنے پھرنے کی بھی گنجائش ہے اور اپنے ستر کو ڈھانکنے کے بھی اللہ تعالیٰ نے اسباب مہیا کردیئے ہیں، تو جتنے اسباب، نماز پڑھنے کے لئے پہلے چاہئیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے مہیا فرمادیا۔ اس کے بعد نماز کے لئے ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز شروع کی، تو ایک توفیق وہ ہے جو نماز شروع کرنے سے لے کر اس کے ختم کرنے تک حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے شامل حال ہوتی ہے، اور ایک توفیق وہ ہے جو نماز کے شروع کرنے سے پہلے پہلے تھی، اور اسی توفیق میں سے آدمی کا عزم اور ارادہ کرنا بھی ہے، اسباب خواہ کتنے ہی مہیا ہوں لیکن آدمی عزم اور ارادہ نہ کرے تو ظاہر ہے کہ سارے اسباب بے کار ہوں گے، اور دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

توفیق کے ساتھ عزم بھی ضروری ہے:

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب بہت مالدار تھے، سیٹھ تھے، جب ان سے کہا جاتا کہ بھئی آپ حج کرلیں، تو وہ کہتے کہ بس دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمادیں، ایک بزرگ نے اسی طرح حضرت تھانویؒ سے کہا، حضرت! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے، حضرتؒ فرمانے لگے: دعا ضرور کریں گے، لیکن آپ اپنے نفس پر مجھے اختیار دے دیں، کہنے لگے: کیا اختیار؟ حضرتؒ کہنے لگے: حج کے لئے روانگی کا وقت آئے اور جہاز چلے تو میں آپ کو

اٹھا کر اندر بٹھا دوں، اس کی مجھے اجازت دے دیجئے۔ تو اسباب تو مہیا ہیں تمام کے تمام، لیکن پھر نہیں جاپاتا کیوں؟ اس لئے کہ کوئی اس کو اٹھا کر کے بٹھانے والا نہیں ہے جہاز پر اور وہ چیز انسان کا اپنا عزم اور ارادہ ہے۔

سنت ابراہیمی یہی ہے:

میرے ایک عزیز تھے، میرے چھوٹے بھائی کے خسر تھے، فوت ہوگئے بیچارے، اچھے خاصے مالدار تھے، میں ہمیشہ ان کو کہا کرتا تھا کہ چچا جی! آپ حج کر آئیں، تو مجھے کہتے مولوی جی! چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے، ان کی اہلیہ تھی نہیں، اب میں ان کو چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں؟ میں ان سے کہتا تھا کہ سنت ابراہیمی یہی ہے کہ چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر فریضہ حج کے لئے آپ چلے جائیں۔

بیت اللہ شریف کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی، اور حج کا ارادہ کیا تھا، قرآن کریم میں ہے: ”وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ۔“ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سنت یوں جاری ہوئی تھی کہ شیرخوار بچہ اور اس کی ماں کو حج کی جگہ بٹھانے کا حکم فرمایا، وہاں نہ کوئی آبادی تھی، نہ کوئی بستی تھی، حتیٰ کہ بیت اللہ بھی نہیں تھا، اردگرد پہاڑ تھے اور درمیان میں وادی تھی، حکم دے دیا کہ تم اپنی بیوی اور شیرخوار بچے کو وہاں چھوڑ کے آجاؤ، اس قربانی پر اللہ تعالیٰ نے حج کو شروع کیا، جبکہ نہ ان کا کوئی مونس ہے، نہ کوئی غمخوار ہے، نہ کوئی ان کا پرسانِ حال ہے، نہ کوئی آدم نہ آدم زاد، اس کے برعکس ہمیں حکم دیا کہ تم اپنے بیوی بچوں کو یہاں چھوڑ جاؤ، خود چلے جاؤ حج کے لئے، اور ان کو کہا تھا کہ اپنے شیرخوار بچے کو اور اس کی والدہ کو میرے گھر کے پاس چھوڑ کر جاؤ، اور خود اپنے وطن ملک شام میں واپس چلے جاؤ، کہاں ملک شام اور کہاں مکہ مکرمہ، اور ہمیں حکم دے دیا کہ تم اپنے بیوی بچوں کو گھر چھوڑ جاؤ، جیسے بھی ہیں، جس حال میں بھی ہیں ان کو چھوڑ جاؤ، تم فریضہ حج ادا کرو، جاکے میرے گھر کا حج کرو، انہوں نے تو اس حکم کی تعمیل کرلی، ہم اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے، چنانچہ مرحوم کو

حج کی توفیق نہیں ہوئی، اس کے بعد ان کے صاحبزادے ہیں، ایک ہی صاحبزادے ہیں، کئی لڑکیاں ہیں، ہم نے ان سے بھی کہا کہ بھئی تم حج کرلو، اور اپنے باپ کا حج بھی کراؤ، اس کے ذمہ فرض تھا، اس نے آج تک نہیں کیا، لوگ عیاشیوں پر تو پیسہ خرچ کرتے ہیں، لیکن اس پر نہیں، بس یوں کہتے ہیں کہ توفیق نہیں ہے۔

ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ لوگ جب سارے کاموں سے فارغ ہوجاتے ہیں، بچے بچیوں کی شادیاں ہوجاتی ہیں، پوتے پوتیوں کی بھی اور بوڑھے میاں اور بڑھیا جب کسی کام کے نہیں رہتے، تو کہتے ہیں کہ چلو ان کو حج پر بھیج دو، راستے میں مریں یا جئیں اس سے ان کو کوئی غرض نہیں اور ٹھیک بھی ہے، بھائی! جب یہ لوگ یہاں نماز نہیں پڑھتے تو حج کرکے کیا کریں گے؟ جب یہاں اللہ کے گھر پر نہیں آتے تو وہاں اس کے گھر پر کیسے جائیں گے؟ جی ہاں! وہ وہاں بھی ایسے ہی سیر سپاٹے کرکے آئیں گے۔

ہمارے ایک ملتانی بھائی حج پر گئے ہوئے تھے، تو وہ بیت اللہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ یہ کس کی خانقاہ ہے؟ ان بیچاروں کو بس یہی معلوم ہے کہ لائق احترام اور لائق زیارت مزار ہی ہوتا ہے، اس لئے وہ کہنے لگا کہ یہ کس کا مزار ہے؟ تو میں عرض کررہا تھا کہ تمام اسباب مہیا ہوجائیں، لیکن آدمی کے قلب میں عزم پیدا نہ ہو اور وہ ارادہ نہ کرے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا، توفیق کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزم بھی پیدا کردیں کہ کچھ بھی ہوجائے مجھے یہ کام کرنا ہے، نہ کوئی مصلحت آڑے آئے گی، نہ کوئی مشغولیت رکاوٹ بنے گی اور نہ اِدھر اُدھر دیکھوں گا، مجھے اللہ کا یہ حکم بجالانا ہے، عزم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا دنیا میں۔

کسان کا عزم:

میں دیکھتا ہوں ہمارے کسان بھائی ہیں۔ میں خود بھی دیہاتی ہوں۔ ہمارے کسان بھائی سردی کے موسم میں آدھی رات کو یعنی رات کے ایک، دو بجے جبکہ

برف جمی ہوئی ہوتی ہے، ہاتھ اور پاؤں ٹھٹھر رہے ہوتے ہیں، اگر فصل کو پانی لگانا ہو اور دو بجے کا وقت ہو، تو وہ اس وقت بھی کندھے پر کسّی رکھ کر وہاں جاتا ہے، اور دو گھنٹے پہلے جاکے گھڑی کے پاس بیٹھ جاتا ہے کہ کب میرا وقت ہوتا ہے؟ کوئی سستی درمیان میں مانع نہیں ہوتی کہ جی آنکھ نہیں کھلی، بس کیا کریں۔ بعض دفعہ آدمی بیمار ہوتا ہے، طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی، لیکن وہ عزم ہے جو انسان کو لئے لئے پھرتا ہے، اور یہ عزم پیدا ہوتا ہے نفع کے فوت ہوجانے کے اندیشے سے، یا کسی ضرر کے لاحق ہونے کے اندیشے سے کہ اگر پانی نہ لگایا تو فصل سوکھ جائے گی، بچے چھ مہینے کہاں سے کھائیں گے؟ لیکن دین کے معاملہ میں یہ عزم پیدا نہیں ہوتا، یہ بے توفیقی ہے، خذلان ہے اللہ کی جانب سے اور شیطان نے ہمارے کان میں پھونک دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، پرواہ نہ کرو، اگر ہمارا عزم تھوڑا سا ابھرتا بھی ہے، تو شیطان سلانے والا یہ انجکشن دے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

دنیاوی کاموں میں ہمارا طرز عمل:

ہمارے حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے کاموں میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، خود ہی پال دے گا، رب العالمین ہے، بچہ بیمار ہے، بیوی بیمار ہے، کبھی آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، خود ہی ٹھیک کردے گا، اس کو تڑپنے دو، ہسپتال لے جانے کی ضرورت نہیں، یا کسی ڈاکٹر یا حکیم کو بلانے یا دکھانے کی ضرورت نہیں ہے، صرف دین ہی سے ہٹانے کے لئے شیطان یہ انجکشن دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، میں دنیاوی اسباب اختیار کرنے سے انکار نہیں کرتا، اللہ کا حکم بجا لاؤ، پھر کہو کہ اللہ غفور رحیم ہے، ان شاءاللہ قبول کرلے گا، ہمارے گناہوں کو معاف کر ہی دے گا، ہم سے بن تو نہیں پڑا جیسا ہونا چاہیئے، لیکن اللہ غفور رحیم ہے پھر تو بات ہوتی۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”اَلتَّوفِیقُ خَیرُ قَائِدٍ۔“ توفیق کا

ہو جانا یہ سب سے بہترین قائد ہے، قائد کے معنی کھینچنے والا، لے جانے والا، اللہ تعالیٰ توفیق سے کسی کو محروم نہ فرمائے، ظاہری اور باطنی اسباب کا، اسباب خیر کا مہیا ہو جانا یہ توفیق کہلاتا ہے، حق تعالیٰ شانہ نے ہر انسان میں طاقت رکھی ہے، ہر انسان نیکی بھی کرسکتا ہے، برائی بھی کرسکتا ہے، طاقت رکھی ہے، نیکی کا ارادہ بھی کرسکتا ہے، برائی کا ارادہ بھی کرسکتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔" (الشمس: ۷ تا ۱۰)

ترجمہ:...... "اور قسم ہے نفس کی اور جس نے نفس کو بنایا اس کی، پس اللہ نے الہام کیا اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس کا تقویٰ، تحقیق مراد کو پہنچا وہ شخص جس نے اس کو پاک کرلیا (آلودگیوں سے، نجاستوں سے، گندگیوں سے، اور اللہ کی نافرمانیوں سے اس کو پاک رکھا) اور نامراد اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے اس کو مٹی میں ملادیا۔"

نفس کی بدکاری بھی الہام فرمائی اور نفس کا تقویٰ بھی الہام فرمایا، دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں، "دسھا"، "دس" کے معنی مٹی میں دفن کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے رہو، اور کام کا عزم کرتے رہو، اور پھر کام کرتے ہوئے کوشش کرو کہ یہ اللہ کی رضا کے مطابق ہو جائے، اس کے بعد پھر استغفار کرو، تو یہ چار مرتبے ہوگئے۔

۱:...... پہلا مرتبہ ہوگیا اللہ سے مانگنا، روٹی مانگتے ہیں اللہ سے، رزق مانگتے ہیں، صحت مانگتے ہیں، اور دوسری چیزیں مانگتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانگو، یا اللہ! میں آپ کی عبادت کا محتاج ہوں، مجھے اپنی رضا کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمادیجئے۔

۲:......دوسرے نمبر پر عزم کرو اور جو ظاہری اسباب اللہ نے پیدا کئے ہیں ان کو بھی مہیا کرو اور یہ عزم اور ارادہ ایسی چیز ہے، میں نے ابھی کہا ہے نا کہ کسان آدھی رات کو اٹھتا ہے، پانی کے اندر کھڑا ہوتا ہے، کپکپی طاری ہے، ٹھٹھر رہا ہے، اور بعض دفعہ تو گرمی حاصل کرنے، سینکنے اور تاپنے کے لئے قریب میں آگ جلانی پڑتی ہے، مگر پانی ضرور لگاتا ہے۔

عزم کی طاقت:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی دلّی میں صاحب فراش تھے، اور اتنے بیمار تھے کہ کروٹ خود نہیں بدل سکتے تھے، کسی نے آکے بتایا کہ حضرت تشریف لاتے ہیں، یعنی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے پیر تھے، اس خبر کا سننا تھا کہ بستر سے اٹھ کر بھاگنے لگے، یہ کہاں سے طاقت آگئی تھی؟ بھائی یہ اندر کے جذبہ اور عزم کی طاقت تھی، ان کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں بیمار ہوں، اور میں ہل نہیں سکتا، حضرتؒ سے ایسا تعلق تھا کہ یہ سننا تھا کہ بستر سے اٹھ کر خود ہی حضرتؒ کی طرف بھاگنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے راستے کا ایسا عزم نصیب فرمائیں، یہ دوسری چیز ہے عزم کرنا۔

۳:......اور تیسری چیز ہے کام شروع کرنا، مثلاً نماز ہے، شروع کردی تو اب ایک ایک حصہ، ایک ایک رکن ایسا ادا کرنے کی کوشش کرو کہ یہ اللہ کی رضا کے مطابق ہو، جیسی نماز اللہ تعالیٰ مجھ سے پڑھوانا چاہتے ہیں میں ایسی نماز پڑھ کے دکھاؤں، جب نماز پڑھ لی۔

۴:......اب استغفار کرو کہ یا اللہ! نہیں پڑھ سکے، سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ فرماتے تھے: ''استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ'' یعنی جب نماز پڑھ لی تو اب کہو کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، جیسی کیسی تھی منظور کرلے گا۔

شیطان کی چال:

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے شیطان کہتا ہے: کیا کرو گے پڑھ کے؟ تمہاری نماز اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کی خدائی اور بڑائی میں کیا اضافہ کردے گی؟ چھوڑو! ایسی نماز کا کیا فائدہ؟ خیر نماز شروع کردی تو اب وسوسے ڈال رہا ہے، کبھی ادھر کا خیال، کبھی ادھر کا خیال، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو نماز میں وہ چیزیں یاد دلاتا ہے جو اس کو کبھی یاد نہیں آتی تھیں، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا لطیفہ مشہور ہے، ایک صاحب نے آکے کہا کہ حضور! میں کسی جگہ کچھ روپیہ، خزانہ دبا کر، یا دفن کرکے بھول گیا ہوں، اب مجھے وہ جگہ نہیں مل رہی، حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا: اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز کی نیت باندھ لو تمہیں یاد آجائے گا، لیکن نماز پوری کرلینا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا مگر اس نے ابھی سورۂ فاتحہ بھی نہیں پڑھی تھی کہ یاد آگیا، اور وہ نماز چھوڑ کر بھاگ گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو اس کو کبھی یاد نہیں آتی تھیں، نماز کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا، اور جب آدمی نماز سے فارغ ہوگیا تو اب دوسرا کام کرتا ہے، اب اس کو ملامت کرتا ہے کہ یہی نماز تھی، شرم نہیں آتی تجھے، قربان جاؤں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس کو کہہ دو کہ میرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ خود ہی قبول فرمائے گا، تو جا۔

تو اب اس پر پچھتاوے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ استغفار کی ضرورت ہے، شیطان تم سے اخلاص یا محبت کی بنا پر نہیں کہتا کہ تم نے کیسی نماز پڑھی ہے؟ بلکہ یہ کہتا ہے کہ آئندہ پڑھو ہی نہیں، تو حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے، اپنے فضل سے اپنا کرم ہمارے شامل حال فرمائے کہ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق ہوجائے۔

وہ اعمال جو اللہ کو پسند ہیں، ان کو اعمالِ حسنہ بھی کہتے ہیں، اعمالِ صالحہ بھی کہتے ہیں، اور جو اعمال اللہ کو پسند نہیں ہیں ان کو اعمالِ سیئہ اور برے اعمال کہتے

ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو اور قہر کو دعوت دینے والے ہیں، اعمالِ صالحہ تمہیں اللہ کے قریب کرنے والے ہیں، اور اعمالِ طالعہ یا یوں کہو اعمال سیئہ، برے اعمال یہ اللہ پاک سے دور کرنے والے ہیں، نیک اعمال، اعمالِ صالحہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کے لطف اور فضل کا مورد بنانے والے ہیں اور برے اعمال بندے کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنانے والے ہیں، نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!

حسن خلق:

دوسرا فقرہ ہے: ''وَحُسْنُ الْخُلقِ خَیرُ قَرِیْنٍ۔'' قرین کہتے ہیں ساتھی کو جو ہمیشہ ساتھ رہے، اس لئے ہمزاد کو قرین کہتے ہیں، یوں کہتے ہیں کہ ایک آدمی کا ہمزاد ہوتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان کو لگا دیتے ہیں اور ایک فرشتے کو لگا دیتے ہیں، اس کی راہ نمائی کے لئے دو مشیر اس کو دے دیتے ہیں، ایک نیکی کا مشورہ دینے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا، اور ایک اس کو بہکانے والا، ایک اس کی روح کا معاون، دوسرا اس کے نفس کا معاون تو ایک فرشتہ اس کے ساتھ رہتا ہے ہمہ وقت، اور ایک شیطان آدمی کے ساتھ رہتا ہے، ایک حدیث شریف میں فرمایا:

''عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُکِّلَ عَلَیْھِمْ قَرِیْنُہٗ مِنَ الْجِنِّ، قَالُوْا: وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ وَاَنَا اِلَّا اَنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمُ فَلَیْسَ یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ۔'' (مسند احمد ج:۱ ص:۴۶۰)

ترجمہ:......''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس پر ایک جن نہ مسلط کیا گیا ہو (یعنی

شیطان نہ مسلط کیا گیا ہو)، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر بھی مسلط کیا گیا ہے؟ فرمایا: جی ہاں! مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری اس کے مقابلے میں مدد فرمائی، پس میں صحیح سالم رہتا ہوں، بچا رہتا ہوں۔“

اور دوسری روایت میں: ”فَاَسْلَمَ۔“ پس وہ میرے کہنے سے مسلمان ہوگیا، اب وہ مجھے خیر ہی کا بتلاتا رہتا ہے۔

کوئی بعید نہیں کہ شیطان بھی مسلمان ہوگیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے سے، اس کو کہتے ہیں ”قرین“، امیر المؤمنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر قرین جو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا ہے وہ اچھا اخلاق ہے، خوش خلق آدمی ہر جگہ معزز ہے، اور بد خلق آدمی کو ہر جگہ دھتکار اور پھٹکار ہوتی ہے۔

حسن خلق کی تعریف:

حسن اخلاق یعنی اچھا اخلاق۔ اچھے اخلاق میٹھی میٹھی باتیں کرنے کا نام نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق نہیں تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سخت الفاظ کے ساتھ ڈانٹ پلائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے تفسیر ابن کثیر میں اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر جمعہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اُخْرُجْ یَا فُلَانُ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ۔“ (تفسیر ابن کثیر ج:۴ ص:۱۴۳) فلانے اٹھ جا نکل جا یہاں سے تو منافق ہے، ”اُخْرُجْ یَا فُلَانُ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ۔“ ستر آدمیوں کو نکال دیا کان سے پکڑ کے جمعہ کی نماز میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ذرا آنے میں دیر ہوگئی تھی، تو اتنے آدمیوں کو میں نے دیکھا تو میں نے کہا شاید جمعہ ختم ہوگیا، آگے گیا تو

پتہ چلا کہ یہ قصہ ہوا ہے، لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تم بڑے بداخلاق ہو، میں کہتا ہوں: ہاں میں بداخلاق ہوں، بے شک کوئی شک نہیں، میں اپنے لئے تو ہر جرم کا اقرار کرنے کے لئے تیار ہوں، مجھے جو چاہو کہو لیکن ذرا آپ اپنے طرزِ عمل کو بھی دیکھئے، آپ اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں، میں بداخلاقی کا مظاہرہ آپ کی کن اداؤں پر کرتا ہوں، یہ بھی یاد ہے؟ یہ بھی تو دیکھو ہم کیا کرتے ہیں، میں نے یہ قصہ سنایا تھا، حدیث شریف میں ہے کہ:

”عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ دَیْنٍ کَانَ عَلٰی اَبِیْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقُلْتُ: اَنَا! فَقَالَ: اَنَا اَنَا۔ کَاَنَّهٗ کَرِهَهَا۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۰۰)

ترجمہ:...... ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ایک قرض کے سلسلہ میں جو میرے باپ پر تھا میں نے دروازہ باہر سے کھٹکھٹایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: ”میں!“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں میں کیا ہوتی ہے؟ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے اور وہی ہی دروازہ کھٹکھٹانے والے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں، فرمایا: میں میں کیا ہوتی ہے۔

خوش خلقی اور بدخلقی کا معیار:

تم نے صرف میٹھی بات کرنے کا نام ہی خوش اخلاقی سمجھا ہے، اگر کوئی

اصلاح کے لئے ڈانٹے تو یہ بداخلاقی ہے، نہ بھائی! خوش اخلاقی کا معیار بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، نرمی کی جگہ نرمی کرو، سختی کی جگہ سختی ہونی چاہئے، قرآن کریم میں ہے: ''یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔'' (التحریم:۹) اے نبی جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں قرآن کریم کی آیت ہے، بہرحال اپنے عزیزوں کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا، اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا، اپنے دوست احباب کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا، اپنے معاملہ والوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا یہ حسن خلق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حسن خلق سے بہتر کوئی دولت نہیں ہے۔

خوش خلقی کی قیمت:

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ:

''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَثْقَلَ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ ....الخ۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۳۱)

ترجمہ:......''حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن حسن خلق سے زیادہ بھاری مؤمن کے میزان عمل میں کوئی چیز نہیں ہوگی۔''

یعنی قیامت کے دن اعمال کو تولنے کے لئے جو ترازو رکھی جائے گی، اس میں حسن خلق سب سے بھاری عمل ہوگا۔

بنی اسرائیلی تاجر کا واقعہ:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَلَقَّتِ

الْمَلٰٓئِكَةُ رُوْحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَقَالُوْا: اَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا! قَالُوْا: تَذَكَّرْ! قَالَ: كُنْتُ اُدَايِنُ النَّاسَ فَاٰمُرُ فُتْيَانِىْ اَنْ يُنْظِرُوْا الْمُعْسِرَ وَيَتَجَوَّزُوْا عَنِ الْمُوْسِرِ۔ قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: تَجَوَّزُوْا عَنْهُ۔ وَفِىْ رِوَايَةٍ: فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: اَنَا اَحَقُّ بِذَالِكَ! تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِىْ۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۷، ۱۸)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ملائکہ کی تم سے پہلے کے ایک شخص کی روح سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کوئی نیکی وغیرہ بھی کی تھی؟ اس نے کہا: نہیں! ملائکہ نے کہا: یاد کرو، شاید کوئی نیکی یاد آجائے، کہنے لگا: ہاں! یہ ضرور ہے کہ میں نے اپنے عملہ کو کہہ رکھا تھا کہ غریب کو مہلت دے دیا کرو اور مال دار سے بھی درگزر کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ: اس سے بھی تجاوز کرلو۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ عز وجل فرمائیں گے کہ: میں اس تجاوز کرنے کا زیادہ حق دار ہوں، پس میرے بندے سے درگزر کرو۔"

یعنی بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا امیر کبیر تھا، اس کی دوکانیں بڑی چلتی تھیں، سوداگری بڑی تھی، تجارت بڑی تھی، لیکن اس نے اپنے نوکروں چاکروں سے کہہ رکھا تھا کہ بھئی کسی کے ساتھ سختی نہیں کرنی، کوئی دے دے تو بھی ٹھیک ہے، نہ دے تو بھی ٹھیک ہے، اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں پیسے نہیں ادا کرسکا، کچھ مہلت دے دی جائے، دے دیا کرو، جب اس کا انتقال ہوا، اور اُسے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کیا عمل لے کر آئے ہو؟ کہا: عمل وِل تو کچھ نہیں ہے، لیکن اتنا

ضرور تھا کہ میں اپنے نوکروں سے کہا کرتا تھا کہ بھئی کسی پر سختی نہ کرو، کسی غریب کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ان سے نہ لو، بلکہ کہہ دو کہ پھر دے دینا جب تمہیں گنجائش ہو، اور کوئی میعاد مقرر کی گئی تھی کہ فلاں وقت پیسے دیں گے اگر وہ اس وقت پر نہیں دے سکے تو اس میں بھی سختی نہ کرو، دے دے گا۔

اور میں درمیان میں یہ نکتہ بتادوں کہ ایسی تجارت میں گھاٹا نہیں ہوتا، لوگ تو کہتے ہیں کہ سختی سے پیسے وصول کرو تو تب دوکان چلے گی اور تجارت چلے گی، ورنہ ٹھپ ہوجائے گی، ایسا نہیں ہے، کرکے دیکھو، میرے سامنے کی بات ہے، ہمارے مدرسے کے پاس ایک کتب خانہ ہے، وہ مولوی صاحب بیچارے مسجد کے سامنے چارپائی رکھ کر کتابیں بیچا کرتے تھے، ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے بڑا کتب خانہ بنالیا، حتی کہ وہ کتب خانہ سنبھالا نہیں گیا تو وہ کسی کو دے دیا، پھر چھوٹی سی دوکان لے لی، میں ان سے کتابیں منگواتا یا آپ منگوالیں، یا کوئی اور منگوالیں سال دو سال تو پوچھتے ہی نہیں، اگر ہم نے پوچھ لیا کہ آپ کے پیسے دینے ہیں تو کہتے کہ آجائیں گے جی! پٹھان ہیں، آجائیں گے جی کوئی بات نہیں! دو سال کے بعد پوچھیں کہ بھئی تیرے پیسے میرے ذمہ تھے، آپ سے کتابیں خریدی تھیں، تو جواب دیتے کہ آجائیں گے جی، خود ہی اپنی ذمہ داری پر دو، اس نے ایک دن بھی کسی سے پیسے نہیں مانگے، ایسی اللہ نے اس میں برکت فرمائی کہ دوکان سنبھالے نہیں سنبھلتی۔

تو غرض یہ ہے کہ اس شخص نے کہا کہ عمل ول تو میرے پاس ہے نہیں، یہ بات ضرور تھی کہ میں نے اپنے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ آسانی کا معاملہ رکھو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا یہ محتاج ہوکر اپنے مقروضوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتا تھا، میں تو غنی ہوں، اس کو لے جاؤ جنت میں۔

بھائی! معاملات میں سختی نہ کرو، بدزبانی نہ کرو، خوش اخلاقی سے پیش آؤ، غرض یہ ہے کہ خوش اخلاقی اس کا نام ہے، اپنے حقوق کے طلب کرنے میں سختی نہ کرو،

اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں اپنے نفس پر سختی کرو۔

عقل بہترین مصاحب:

اور تیسرا فرمایا عقل سب سے بہترین مصاحب ہے اور مصاحب وہ ہوتا ہے نا پاس بیٹھنے والا جو مشورہ دیا کرتا ہے کہ یہ ایسے کرلینا چاہئے وغیرہ، تو سب سے بہترین مصاحب عقل ہے، بشرطیکہ عقل، عقل سلیم ہو، عقل صحیح ہو، عقل ایک آئینہ ہے، جس میں اشیاءٔ کی تصویریں صاف صاف منعکس ہوتی ہیں۔ میں غسل خانے میں غسل کرتا ہوں، بعض دفعہ پانی گرم ہوتا ہے تو غسل خانہ میں جو آئینہ لگا ہوا ہے اس پر دھند آجاتی ہے، شکل ہی نہیں دکھاتا، اس کو صاف کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہواؤ و ہوس، خواہشاتِ نفس کا غبار عقل پر آجائے گا، یا دھند آجائے گی تو آپ کو صحیح تصویر نہیں دکھائی دے گی، اور نہ ہی عقل صحیح مشورہ دے گی، عقل کو سلیم ہونا چاہئے، صاف اور شفاف ہونا چاہئے، اغراض سے، نفسانیت سے، خودغرضی سے، لالچ سے، طمع سے، بدگمانی سے، بدخواہی سے، لوگوں کی برائی سے عقل کو صاف شفاف ہونا چاہئے، پھر تمہیں صحیح تصویریں دکھائے گی، اس کی اسکرین پر تمام چیزوں کی تصویریں صحیح آئیں گی، عقل دوربین ہے، لیکن اگر دوربین کے شیشے خراب ہوں تو کیا کرے گی بے چاری؟ لوگ عقل کا تو بہت پرچار کرتے ہیں، لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے کہ عقل صحیح بھی ہے یا نہیں؟ بھئی عقل کا بھی تو کوئی پیمانہ ہونا چاہئے۔ ہر چیز کا ایک پیمانہ ہوتا ہے، اور ہر چیز کو صیقل کرنے والی ایک چیز ہوتی ہے، لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اس کو صیقل کرتے ہیں، صاف کرتے ہیں، رگڑتے ہیں، دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَءُ كَمَا تَصْدَءُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ، قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا جِلَائُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۸۹)

ترجمہ:......''ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے، جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے، کہا گیا: یا رسول اللہ! پھر اس کو صیقل کیسے کیا جائے؟ ان کو مانجھا اور صاف کیسے کیا جائے؟ فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔''

قلوب کا زنگ تو اس سے صاف ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ عقل کیسے صاف ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقل صاف ہوگی شریعت کی ریتی سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ریتی سے عقل کو ذرا رگڑو تو پھر صاف ہوگی، اور آج اپنی عقل نارسا کے ذریعہ سے لوگ شریعت کے احکام پر اعتراض کرتے ہیں، نکتہ چینی کرتے ہیں، نعوذ باللہ!

بہترین وراثت:

چوتھا فقرہ ہے: ''وَالْاَدَبُ خَیْرُ مِیْرَاثٍ۔'' سب سے بہترین وراثت ادب ہے، وراثت تو آپ جانتے ہی ہیں، باپ کی جو جائیداد بیٹے کو ملتی ہے، اس کو وراثت کہتے ہیں، اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ باپ جو سب سے زیادہ قیمتی چیز اولاد کو دے سکتا ہے وہ ادب سکھانا ہے، یہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

''مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۱۷)

ترجمہ:......''کسی باپ نے اپنی اولاد کو اس سے بہتر تحفہ نہیں دیا جتنا کہ اچھا ادب سکھا دینا۔''

یعنی کسی باپ نے اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔ اور سب سے بڑی وحشت عجب اور خود پسندی ہے، یہ بات پہلے بھی آچکی ہے کہ خود پسند آدمی اپنی

دنیا میں، اپنے قلب میں بند رہتا ہے، اس کا کوئی رفیق، مونس و غمخوار نہیں ہے۔

یہ دیکھو کیا کہا؟

دوسری روایت میں ہے کہ یہ نہ دیکھو کس نے کہا؟ یہ دیکھو کیا کہا؟ اگر تم کیا کہا کی تمیز کر سکتے ہو، یہ بات یاد رکھو اگر تم میں اتنی صلاحیت موجود ہے کہ تم کھوٹے اور کھرے کو پہچان سکتے ہو تو پھر یہ دیکھو صحیح کہا یا غلط کہا؟ اور اگر اتنی صلاحیت نہیں تو پھر یہ دیکھو کہنے والا قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ دیکھو میں نے اصول بتا دیا، زیادہ تشریح کا موقع نہیں۔

دائمی دوستی:

اور آخری فقرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کہ ہر دوستی ختم ہونے والی ہے، سوائے اس دوستی کے جس کی بنیاد طمع پر نہ ہو، دوستی اخلاص اور خلوص پر ہو، دوستیاں بھی کئی قسم کی ہوتی ہیں، ایک دوستی نفسانیت کے لئے ہوتی ہے، جیسے آج کل کے لڑکے لڑکیوں کی دوستیاں لگتی ہیں، یہ کہتا ہے مجھے خلوص کی محبت ہے اس کے ساتھ، مجھے معلوم ہے کیسا خلوص ہے؟ میں جانتا ہوں، من خوب می شناسم پیران پارسا را، پاک محبت ہے! میں جانتا ہوں کیسی پاک محبت ہے؟ ایک محبت خلوص پر ہوتی ہے اور ایک محبت فلوس پر ہوتی ہے، خلوص والی محبت پائیدار رہتی ہے اور فلوس والی محبت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو خلوص کے ساتھ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ جو معاملہ بھی کریں تمہاری محبت قائم رہے گی، اور اگر اللہ سے محبت مطلب کے لئے ہے تو مطلب پورا ہوتا رہے گا تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے رہو گے اور کہتے رہو گے کہ اللہ تعالیٰ بہت اچھے ہیں، اور اگر خدانخواستہ کبھی معاملہ دوسرا ہو گیا تو شکایتیں کرنے لگو اللہ تعالیٰ کی شکایتیں کرنے لگو گے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں خلوص والی محبت نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دنیا
ایک گزرگاہ ہے!

حدیث شریف میں ہے کہ تین آدمی اللہ کی ذمہ داری میں ہیں۔ ایک تو وہ جو اپنے گھر سے جدا ہوا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے، وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے،دوسرا وہ شخص جو اپنے گھر سے نکلا اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے، یعنی نماز پڑھنے کے لئے مسجد گیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے تیسرا وہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے جو گھر میں داخل ہوا ہو السلام علیکم کہہ کر، بھائی! گھر میں جاؤ تو گھر میں جاتے ہوئے السلام علیکم کہا کرو۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حضرت ابوامامہؓ کا وعظ :

”قَدْ أَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ حَبِيْبٍ قَالَ دَخَلْتُ فِيْ نَفَرٍ عَلٰى أَبِىْ أُمَامَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَاِذَا شَيْخٌ قَدْ رَقَّ وَكَبُرَ وَاِذَا عَقْلُهٗ وَمَنْطِقُهٗ أَفْضَلُ مِمَّا يُرٰى مِنْ مَنْظَرِهٖ فَقَالَ فِىْ أَوَّلِ مَا حَدَّثَنَا أَنَّ مَجْلِسَكُمْ هٰذَا مِنْ بَلَاغِ اللّٰهِ اِيَّاكُمْ وَحُجَّتِهٖ عَلَيْكُمْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَلَّغَ مَا اُرْسِلَ بِهٖ وَاِنَّ أَصْحَابَهٗ قَدْ بَلَّغُوْا مَا سَمِعُوْا فَبَلِّغُوْا مَا تَسْمَعُوْنَ، ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يُدْخِلَ الْجَنَّةَ أَوْ يُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ وَغَنِيْمَةٍ، فَاصِلُ فَصَلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ اَوْ يُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ وَغَنِيْمَةٍ، وَرَجُلٌ تَوَضَّأَ ثُمَّ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ وَغَنِيْمَةٍ، وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهٗ بِسَلَامٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ فِىْ جَهَنَّمَ جِسْرٌ لَهٗ سَبْعُ قَنَاطِرَ

اَلا أَوْسَطِهِنَّ الْقَضَاءُ فَيُجَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى اِذَا انْتَهٰى اِلَى الْقَنْطَرَةِ الْوُسْطٰى، قِيْلَ مَاذَا عَلَيْكَ مِنَ الدَّيْنِ فَيُحْبَسُهٗ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ: ”وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۔“ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ عَلَيَّ كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ: اَقْضِ دَيْنَكَ فَيَقُوْلُ: مَالِيْ شَيْءٌ مَّا أَدْرِيْ مَا اَقْضِيْ بِهٖ فَيُقَالُ خُذُوْا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَمَا زَالَ يُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِهٖ حَتّٰى مَا يَبْقٰى لَهٗ مِنْ حَسَنَةٍ، فَاِذَا فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ فَيُقَالُ خُذُوْا مِنْ سَيِّاٰتِ مَنْ يَّطْلُبُهٗ فَرَكَّبُوْا عَلَيْهِ، قَالَ فَلَقَدْ بَلَغَنِيْ أَنَّ رِجَالًا يَجِيْئُوْنَ بِأَمْثَالِ الْجِبَالِ مِنَ الْحَسَنَاتِ فَمَا زَالَ يُؤْخَذُ لِمَنْ يَّطْلُبُهُمْ، حَتّٰى مَا يَبْقٰى لَهُمْ حَسَنَةٌ، ثُمَّ يُرَكَّبُ لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَنْ يَّطْلُبُهُمْ حَتّٰى يُرَدَّ عَلَيْهِمْ أَمْثَالِ الْجِبَالِ، ثُمَّ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ، وَالْفُجُوْرُ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ، وَعَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ، وَالْبِرُّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ۔ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ لَأَنْتُمْ أَضَلُّ مِنْ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ جَعَلَ لِأَحَدِكُمُ الدِّيْنَارَ يُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِسَبْعِ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَالدِّرْهَمَ بِسَبْعِ مِائَةِ دِرْهَمٍ، ثُمَّ اِنَّكُمْ صَارُّوْنَ تُمْسِكُوْنَ اَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ فَتَحَتِ الْفُتُوْحُ بِسُيُوْفٍ مَا حِلْيَتُهَا الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَلٰكِنْ حِلْيَتُهَا الْعُلَابِيُّ وَالْاٰنُكُ وَالْحَدِيْدُ۔“

(کنز العمال ج:۱۶ ص:۲۱۷ تا ۲۱۹ حدیث:۴۴۲۳۸)

ترجمہ:...... ”ابن عساکرؒ نے سلیمانؒ ابن حبیب سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں چند آدمیوں کے ساتھ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گیا، دیکھا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ دبلے پتلے اور بوڑھے ہو چکے ہیں اور دیکھا کہ ان کی عقل اور ان کی گفتگو ان کے منظر سے زیادہ بہتر ہے، سب سے پہلی بات جو آپ نے بتائی، اس میں فرمایا تمہاری یہ مجلس اللہ کی جانب سے تمہارے لئے توشہ اور اس کی طرف سے تمہارے لئے محبت ہے، رسول اللہ ﷺ نے وہ پیغام پہنچا دیا جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا تھا اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے وہ پیغام پہنچادیا جو انہوں نے سنا تھا، تم آگے پہنچا دو جو سنتے ہو۔

تین آدمی اللہ کی ذمہ داری میں ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے یا اجر اور غنیمت کے ساتھ ان کو واپس کردے۔

ایک تو وہ شخص جو اپنے قبیلے اور گھر سے جدا ہوا، اللہ کے راستے میں، پس وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادیں یا اس کو اجر اور غنیمت کے ساتھ واپس کردیں۔

دوسرا وہ آدمی جس نے وضو کیا پھر مسجد کی طرف چلا گیا، پس وہ اللہ کی امان میں ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردیں یا اجر اور غنیمت جو اس نے حاصل کی اس کے ساتھ اس کو واپس کردیں۔

تیسرا وہ آدمی جو اپنے گھر میں داخل ہوا سلام کے ساتھ، پھر فرمایا کہ جہنم میں ایک بڑا پل ہے، جس کے ساتھ

چھوٹے چھوٹے سات پل ہیں، ان میں سب سے درمیانہ پل پر لوگوں کے معاملات کا فیصلہ ہوگا، پس ایک بندے کو لایا جائے گا یہاں تک کہ جب درمیان پل پر پہنچے گا، تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے ذمہ لوگوں کے حقوق کیا تھے؟ وہ گننے لگے گا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکے گا۔'' وہ کہے گا: اے رب! میرے ذمہ فلاں فلاں چیزیں ہیں، کہا جائے گا کہ تیرے ذمہ جو کچھ ہے اس کو ادا کر، وہ کہے گا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں، میں نہیں جانتا کہ کس چیز کے ساتھ ادا کروں، فرمایا جائے گا کہ اس کی نیکیاں لے لو، پس اس کی نیکیاں لی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ اس کے پاس ایک بھی نیکی باقی نہیں رہے گی، جب اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی، تو فرمایا جائے گا کہ اُس شخص کی برائیاں لو جو اس سے مطالبہ رکھتا ہے، پس لوگ اس پر سوار ہوجائیں گے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ پہاڑوں جتنی نیکیاں لے کر آئیں گے، پس ان نیکیوں سے وصول کیا جاتا رہے گا، مطالبہ کرنے والوں کے لئے، یہاں تک کہ ان کے پاس ایک بھی نیکی نہیں رہے گی، پھر ان پر برائیاں ڈال دی جائیں گی ان لوگوں کی جو اس سے مطالبہ رکھتے ہوں گے اور وہ پہاڑوں کے برابر ہوں گی، پھر فرمایا جھوٹ بولنے سے بچو، کیونکہ جھوٹ بولنا گناہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

سچ بولنے کو لازم پکڑو، اس لئے کہ سچ بولنا نیکی کی

ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے، پھر فرمایا: لوگو! تم اہل جاہلیت سے بھی گمراہ ہو، اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک دینار خرچ کرے اللہ کے راستے میں، تو اس کو سات سو دینار دیں گے، اور ایک درہم خرچ کرے، تو سات سو درہم دیں گے، لیکن تم لوگ بچابچا کر رکھتے ہو، اللہ کی قسم! بہت سی فتوحات تلواروں کے ساتھ ہوئیں ہیں، جن تلواروں کا زیور سونا اور چاندی نہیں تھا، بلکہ لوہا اور اس قسم کی دوسری چیزیں تھیں۔"

حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مواعظ:

"اَخرَجَ الْبَیْھَقِیُّ وَابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اَلْمُتَّقُوْنَ سَادَۃٌ وَالْعُلَمَاءُ قَادَۃٌ وَمُجَالَسَتُھُمْ عِبَادَۃٌ بَلْ ذَالِکَ زِیَادَۃٌ وَاَنْتُمْ بِمَرِّ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ فِیْ اٰجَالٍ مَنْقُوْصَۃٍ وَاَعْمَالٍ مَحْفُوْظَۃٍ وَاَعِدُّوْا الزَّادَ فَکَأَنَّکُمْ بِالْمَعَادِ۔"

(کنز العمال ج:۱۶ ص:۲۲۲ حدیث:۴۴۲۴۷)

ترجمہ:......"امام بیہقیؒ اور ابن عساکرؒ نے حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: متقی لوگ سردار ہیں اور علماء قائد ہیں، ان کی ہم نشینی عبادت ہے بلکہ عبادت سے بھی کچھ اوپر ہے، تم لوگ رات اور دن کی گزرگاہ میں بیٹھے ہو، تمہاری مدتیں مقرر ہیں جو دن بدن کم ہورہی ہیں، تمہارے اعمال محفوظ ہورہے ہیں، اس لئے اپنا توشہ لو، گویا کہ تم میدان محشر میں جمع ہو۔"

سلیمان ابن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گیا، ہماری چند آدمیوں کی جماعت تھی، ان کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ ایک بڑے میاں ہیں، بدن بہت لاغر اور خستہ، لیکن ان کی گفتگو، ان کے ظاہری حلیے سے زیادہ بہتر لگتی تھی، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری یہ مجلس کہ جس میں تم میرے پاس بیٹھے ہو، اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے لئے توشہ بھی ہے اور تمہارے لئے حجت بھی ہے۔ توشہ اس لئے ہے کہ کچھ حاصل کرلوگے اور اس پر عمل کرلوگے، تو تمہارا کام بن جائے گا اور اللہ کی جانب سے حجت اس لئے ہے کہ تم نے سنا اور عمل نہیں کیا، بلکہ یہاں سے کپڑے جھاڑ کر اٹھ گئے، تو قیامت کے دن یہ مجلس تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔

پھر ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا اور جس میں لوگوں کا نفع تھا، آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو پہنچا دیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جو کچھ سنا وہ آگے پہنچا دیا اور تم جو کچھ سن رہے ہو تم آگے پہنچادو، جو بات آج سنو اس کو آگے پہنچا دینا۔

تین آدمی اللہ کی ذمہ داری میں ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین آدمی اللہ کی ذمہ داری میں ہیں۔ ایک تو وہ جو اپنے گھر سے جدا ہوا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے، وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردیں، یعنی وہ شہید ہوجائے اللہ کے راستے میں، یا مال غنیمت اور ثواب کے ساتھ اس کو گھر میں واپس کردیں۔

دوسرا وہ شخص جو اپنے گھر سے نکلا اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے، یعنی نماز پڑھنے کے لئے مسجد گیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردیں، راستے میں موت آجائے، مسجد میں مرجائے، آتے جاتے

مرجائے، یا اس کو اجر وثواب کے ساتھ واپس کردیں، خیریت کے ساتھ اس کی گھر واپسی ہوجائے۔

تیسرا وہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے جو گھر میں داخل ہوا ہو السلام علیکم کہہ کر، بھائی! گھر میں جاؤ تو گھر میں جاتے ہوئے السلام علیکم کہو، گھر کے دروازے پر جاؤ تو دروازے پر داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہو، پھر گھر کا جو آدمی بھی ملے اس کو السلام علیکم کہو۔

سلام کی برکت:

یوں آتا ہے کہ دو شیطانوں کی آپس میں ملاقات ہوئی، ایک شیطان کسی مسلمان پر مسلط تھا۔ دوسرا شیطان کسی کافر پر مسلط تھا، یا کسی منافق بے ایمان پر، مسلمان کا شیطان بہت دبلا پتلا لاغر اور وہ دوسرا بہت موٹا تازہ، وہ کہنے لگا کہ بھائی تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگا نہ مجھے رہنے کو جگہ ملتی ہے اور نہ کھانے کو ملتا ہے اور نہ کوئی اور حصہ ملتا ہے، جب وہ گھر میں جاتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر کے دروازہ بند کرلیتا ہے اور گھر والوں کو السلام علیکم کہتا ہے، میرا داخلہ ممنوع، کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر کے کھانا شروع کرتا ہے، تو میرا داخلہ ممنوع، کسی چیز میں بھی میرا حصہ نہیں، کافر کا شیطان کہنے لگا مجھے تو خوب حصہ ملتا ہے بسم اللہ کہہ کر گھر میں داخل نہیں ہوتا اور دروازہ بند نہیں کرتا، بسم اللہ کہہ کر کے کھانا نہیں کھاتا اور بسم اللہ کہہ کر کے لیٹتا نہیں، مجھے کھانے کو بھی ملتا ہے، رہنے کو بھی ملتا ہے اور لیٹنے کو بھی ملتا ہے، تو جو شخص کہ السلام علیکم پڑھ کر کے گھر میں داخل ہو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہ شخص اللہ کی ضمانت میں ہے۔

جہنم کے سات پُل:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جہنم کے پل پر سات منزلیں آئیں گی۔ ایک منزل پر حساب وکتاب ہوگا لوگوں کے معاملات کا، لین دین کا، ایک آدمی سے کہا

جائے گا کہ تیرے ذمہ کوئی لین دین ہے تو پورا کردو، وہ حساب شروع کرے گا جانے کتنی دیر حساب میں لگے گی، ساری زندگی کا لین دین ہے، پھر اس سے کہا جائے گا کہ ادا کرو، عرض کرے گا کہ یاالٰہی کہاں سے ادا کروں؟ میرے پاس تو کوئی بھی چیز نہیں ہے، گھر والوں نے تو کپڑے بھی اتار لئے تھے، مکان میں تو کیا جگہ ملتی کپڑے بھی اتار لئے، فرمایا جائے گا کہ یہاں نیکیوں کا سکہ چلتا ہے، لوگوں کو نیکیاں دے دو، ارباب حقوق کو، جن جن کے ذمہ تمہارے حقوق ہیں، ان کو اپنی نیکیاں بانٹ دو، لوگ چڑھ آئیں گے اس کے اوپر، نیکیوں کی لوٹ مار کرنے لگیں گے یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی، مگر حقوق ختم نہیں ہونگے، تو اعلان ہوگا کہ لوگوں کے گناہ لے کر اس کے ذمہ ڈال دو، لوگوں کے گناہ لے کر اس کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے اس کے حقوق کے بقدر۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے، مگر سب نیکیاں ختم ہوجائیں گی۔ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! معاذ اللہ!

حقوق کا اہتمام کرو!

میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا، پھر عرض کرتا ہوں، ہم لوگوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں کوتاہیاں کیں، اور من مانی زندگی گزار رہے ہیں حافظ شیرازیؒ کہتے ہیں کہ لوگ اللہ کے معاملے میں ایسا کھوٹ اور ایسی جعلسازی کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ انصاف کے دن پر، قیامت کے دن پر ایمان ہی نہیں رکھتے، ہم بچپن سے جوانی میں گئے، جوانی سے کہولت میں گئے، کہولت سے اب بال سفید ہوگئے، اس کے بعد قبر ہے، اس سانس کی آمدورفت کب بند ہو جائے، اللہ ہی کو معلوم ہے، لیکن ہمیں کوئی ہوش نہیں اور کوئی احساس نہیں کہ بھائی جو لین دین ہے وہ یہیں کرلیں۔

مخلص گناہ گار کا قصہ:

میں نے ایک حکایت سنائی تھی کہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ایک آدمی آیا، کہا بیعت ہونا چاہتا ہوں، فرمایا کیا کام کرتے ہو؟ کہا جی پہلے چوری کیا کرتا تھا، ڈاکے ڈالا کرتا تھا، اب توبہ کرلی ہے، بیعت ہونا چاہتا ہوں، فرمایا بہت اچھا، سوچ سوچ کر فہرست بنا کر کے لاؤ کہ تم نے اپنی زندگی میں کتنے لوگوں کی چوری کی اور کتنے ڈاکے ڈالے ہیں؟ آدمی مخلص تھا، فہرست بنالایا، پتہ نہیں کتنے دن لگے ہوں گے غریب کو، حضرتؒ نے فرمایا کہ اب ایسا کرو کہ ہر ایک کے پاس جاؤ کہ میں نے فلاں وقت تمہارے گھر میں چوری کی تھی، اتنا مال چرایا تھا۔ ہر ایک سے دستخط کرواکے لاؤ کہ وہ معاف کرتا ہے، یا وصول کرتا ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ مخلص آدمی تھا، سب کے پاس گیا، سب سے دستخط کرواکے لایا اور سب نے لکھا کہ میں اللہ کے لئے معاف کرتا ہوں، یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا کہ میں حَسْبَتاً للہ معاف کرتا ہوں، زبان سے کسی کو ایذا پہنچائی ہو، ہاتھ سے کسی کو ایذا پہنچائی ہو، غیبت کی ہو، تہمت لگائی ہو، ایذا پہنچائی ہو، کسی طرح پہنچائی ہو، کسی کی بے آبروئی کی ہو، کسی کا مال کھایا ہو، یہیں صاف کروالو، اس پل پر معاملہ صاف کروانا ذرا مشکل ہے۔

یہاں نہیں تو وہاں حساب دینا ہوگا!

کہتے ہیں ایک بڑھیا تھی بڑھیا، بادشاہ کا محل بن رہا تھا، بادشاہ کے کارندوں نے کہا کہ تمہاری کٹیا بادشاہ کے محل میں آتی ہے، تم اس کو دے دو، تمہیں معاوضہ ادا کردیں گے، اس نے کہا میں نہیں دیتی، وہ بیچاری بڑھیا کیا کرسکتی تھی؟ انہوں نے زبردستی بڑھیا کی کٹیا کو محل میں شامل کرلیا، محل تیار ہوگیا، تو بادشاہ سلامت دیکھنے کے لئے آئے تو راستے میں ایک چھوٹی سے نہر تھی اس کو عبور کرکے آنا تھا، بڑھیا راستہ میں بیٹھ گئی، بادشاہ کی سواری وہاں پہنچی تو بڑھیا نے لگام پکڑلی، بادشاہ کے گھوڑے کی لگام

پکڑ لی اور کہا بادشاہ سلامت! آپ کے کارندوں نے مجھ غریب کا مکان آپ کے محلات میں شامل کرلیا ہے، ہر چند میں انکار کرتی رہی، لیکن انہوں نے نہیں چھوڑا، اب بتاؤ کہ حساب اس پل پر دینا ہے یا اس پل پر دینا ہے، کوئی نواب ہوگا اپنے گھر میں ہوگا، کوئی رئیس ہوگا اپنے گھر میں ہوگا، بڑا ہوگا اپنے گھر میں ہوگا، چھوٹا ہوگا اپنے گھر میں ہوگا، لیکن قیامت کے دن سب برابر ہوں گے، نہ کوئی بڑا ہے، نہ کوئی چھوٹا ہے، نہ بادشاہ ہے، نہ فقیر ہے، تو میاں حساب اسی پُل پر دے دو، اس پُل کے بجائے۔

سچ کی برکت اور جھوٹ کی نحوست:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جھوٹ سے پرہیز کرو اس لئے کہ جھوٹ برائی کی دعوت دیتا ہے اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے، سچائی کو لازم پکڑو، اس لئے کہ سچائی نیکی کی رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔

حدیث میں فرمایا ہے:

”اِنَّ الرَّجُلَ يَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيْقًا ..... وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔“

(مسلم ج:۲ ص:۲۳۵)

ترجمہ:...... ”ایک آدمی سچ بولتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ سچ بولوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے (سچ بولنے والا)، اور ایک آدمی جھوٹ بولتا ہے اور قصد کرتا ہے جھوٹ بولنے کا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے (جھوٹ بولنے والا)۔“ نعوذ باللہ!

ہمارا نام صدیقوں میں لکھا گیا ہے یا کذابوں میں؟ یہ بھی سوچو۔

انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب:

اس کے بعد حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو اہل جاہلیت جتنے گمراہ تھے، ایسا لگتا ہے کہ تم ان سے بھی زیادہ گمراہ ہو، جاہلیت کے لوگوں سے زیادہ گمراہ ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک ایک کے ساتھ سات سو گنا دینے کا وعدہ کر رکھا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَآءُ۔“ (آل عمران:۲۶۱)

ترجمہ:...... ”مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اللہ کے راستے میں، مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی نے بیج ڈالا اور ایک بیج سے سات خوشے نکلے اور ہر خوشے پر سو دانے تو سات سو ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔“

یہ بھی کوئی تحدید نہیں ہے کہ ایک کے سات سو دیں گے، ایک روپیہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے، محض اللہ کی رضا کے لئے تو ایک کے سات سو ملیں گے، یہ آخری حد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں، سات سو کے بجائے سات ہزار بنا دیتے ہیں، سات لاکھ بنا دیتے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اندازہ ہی نہیں ہے ہم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔

نیکیوں کے پہاڑ:

حدیث شریف میں فرمایا کہ:

”مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا

لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّىْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۶۷)

ترجمہ:...... "ایک آدمی اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہے، ایک کھجور کے برابر حلال پاکیزہ مال میں سے، اور اللہ پاک پاکیزہ مالک ہی قبول فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاتھ میں لے کر بڑھاتے رہتے ہیں جیسا کہ تم میں سے ایک آدمی اپنے پچھیرے کی (گھوڑی کے بچے کی) خدمت کرتا ہے اور اس کو پالتا ہے، یہاں تک کہ جب بندہ قیامت کے دن حاضر ہوگا تو ایک کھجور کے برابر صدقہ جو اللہ کی رضا کے لئے کیا، پہاڑ کے برابر ہوگا۔"

تو اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ایک کے سات سو دینے کا، بلکہ اس سے زیادہ دینے کا "لَا يَحْسَبُهٗ أَحَدٌ" جس کا کوئی شخص حساب نہیں کرسکتا، لیکن تم لوگ عجیب آدمی ہو، روک روک کر گھروں میں رکھتے ہو، اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی حد:

یہ مطلب نہیں ہے کہ سب کچھ لٹا دو، رکھنے کی اجازت نہیں ہے، ضرورت کا گھر میں بھی رکھ سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر میں بکری ذبح کرائی، خود باہر تشریف لے گئے کسی کام سے، اور فرما گئے کہ اس کا گوشت تیار ہوجائے تو تقسیم کردینا لوگوں کو، حکم کی تعمیل کی گئی واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ گوشت تقسیم کردیا تھا؟ عرض کیا: جی! فرمایا کچھ بچا بھی؟ کہا: جی کہ صرف ران بچی ہے، باقی سارا تقسیم ہوگیا، فرمایا وہی ران نہیں بچی، باقی سارا بچ گیا، وہی ایک ران نہیں بچی، ہم آپ کو یہ تو نہیں کہتے کہ سب کچھ لٹا دو، کنگال بن جاؤ، کیونکہ ہم سے اس کا تحمل نہیں ہوسکے گا، ہم کمزور

ہیں، لیکن اتنا تو جانیں کہ جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں وہ بچ جاتا ہے اور جو گھر میں خرچ کرتے ہیں وہ ضائع ہوجاتا ہے۔

قیامت کی سرداری:

حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ متقی لوگ سردار ہوں گے، یہاں لوگوں کو مختلف وجوہات سے سرداری ملتی ہے، لیکن قیامت کے دن سرداری ملے گی تقویٰ پر، جتنا زیادہ متقی ہوگا، اتنا بڑا سردار ہوگا اور علماء قائد ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ صحیح معنوں میں قائد، عالم باعمل، عالم ربانی، عالم حقانی کے پاس بیٹھا کریں، اور علماء کے پاس بیٹھنا عبادت ہی نہیں، بلکہ عبادت سے بھی کچھ زیادہ ہے، کیونکہ بعض اوقات ایک بات مل جاتی ہے اللہ کے کسی بندے کے منہ سے جس سے ہمارا بیڑا پار ہوجاتا ہے۔

رات دن کی گزرگاہ:

اس کے بعد فرمایا کہ تم رات اور دن کی گزرگاہ پر بیٹھے ہو، رات گئی دن آیا، دن گیا، رات آئی دن و رات کی آمد و رفت ہو رہی ہے، آتے ہیں جاتے ہیں، آتے ہیں جاتے ہیں، بعض احمق سالگرہ مناتے ہیں، میری اتنی ویں سالگرہ ہے اور بعض تو مرے ہوؤں کی سالگرہ مناتے ہیں، جو مرجاتا ہے اس کے مرنے کی تاریخ کو لوگ برسی مناتے ہیں اور زندوں کی سالگرہ مناتے ہیں، پوچھ لو یہ جو تم جس کی سالگرہ منارہے ہو، اللہ کی رحمت میں ہے یا اللہ کے غضب میں ہے؟ اور جس کی تم برسی منارہے ہو، وہ جہنم کے گڑھے میں ہے یا جنت کے باغیچے میں ہے؟ جو کچھ غیر قوموں سے سیکھ لیا، اس پر عمل کرنا شروع کردیا، اور کہتے ہیں میرے لڑکے کی سالگرہ ہے، میری لڑکی کی سالگرہ ہے، میری سالگرہ ہے اور بیوی کی سالگرہ ہے اور پھر اس موقع پر تحفے تحائف لئے دیئے جاتے ہیں، عقل کو پتہ نہیں کہاں لوگوں نے استعمال کرنا شروع

کر دیا، بھلا کیا یہ چیز خوشی کی ہے بیسویں سالگرہ ہے، یعنی بیس سال کی عمر ہوگئی؟ بالغ ہونے سے پہلے پہلے تو کوئی ذمہ داری نہیں تھی، ذرا حساب کر کے تو دیکھو کہ بالغ ہونے کے بعد جو وقت گزرا ہے ہمارے حق میں گیا یا ہمارے اوپر وبال بن گیا؟ اس پر رونا چاہیے یا سالگرہ منانی چاہیے؟ مردوں کی برسی مناتے ہو، وہ قبر میں ہے، پتہ نہیں اس کی ہڈیوں کا نام ونشان رہا بھی یا نہیں رہا، اللہ جانے وہ کس حالت میں ہے؟ اگر کوئی مردہ واپس آجائے اور اپنا حال سنائے، پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم تو ان کی سالگرہ مناتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مردوں پر جو گزرتی ہے میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی کچھ سنا دیتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، ہمت نہیں کرو گے قبرستان جانے کی، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، تو حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو تم رات اور دن کی گزرگاہ میں ہو: ’’اٰجَالٌ فِیْ اٰجَالٍ مَنْقُوْصَةٍ‘‘ تمہاری عمریں لکھ کر کے دے دی گئی ہیں، ایک ایک دانہ کر کے کم ہو رہا ہے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

یہ الارم ہوتے ہیں اس میں ایک ایسا پتھر ہوتا ہے، میں اس کو دیکھنے کا تحمل نہیں کرسکتا، اس لئے کہ ایک جو ادھر گیا ختم ہوگیا، ہماری زندگی میں سے اتنا ختم ہوگیا اور اعمال محفوظ ہیں، اچھے اعمال ہیں یا برے اعمال ہیں وہ لکھے ہوئے ہیں، محفوظ ہیں، برے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو، توبہ کرلو اور نیک اعمال کو محفوظ رکھو۔

توشہ لینے کا وقت ہے:

اور آخر میں فرمایا توشہ لینے کا وقت ہے، توشہ! یہ سمجھ کرلو کہ تم میدان محشر

میں جمع ہو گئے ہو، تمہیں توشہ لینے کی ضرورت ہے اور تم محتاج ہو، کل کو موقع نہیں ملے گا، آج موقع ہے الحمدللہ یہ باب ختم ہوگیا، اب اگلا باب آئے گا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تائیدات غیب کا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرح ان کے شامل حال تھی، اے اللہ! جتنی کوتاہیاں اور لغزشیں ہیں ہماری، ان کو معاف فرمادے، شکل وصورت رسول اللہ ﷺ جیسی بناؤ، اعمال رسول اللہ ﷺ کے مطابق بناؤ اور اپنے آپ کو غفلت میں نہ ڈالو، جن کی عمریں ابھی چھوٹی ہیں وہ اس غفلت میں نہ رہیں کہ ہماری عمریں بہت ہیں کوئی پتہ نہیں کب داعی اجل آجائے اور ہم چلتے بنیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مطلب پرستی کا دور!

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ امت بانجھ نہیں ہے، اللہ کے بندے ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے اور ان شأ اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے، جو اللہ تعالیٰ کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کو سینے سے لگائے رکھیں گے، علماً، عملاً، حالاً، ذوقاً، ہر اعتبار سے دین کی حفاظت کریں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”فَقَدْ اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ شَيْخٍ مِّنْ بَنِیْ تَمِيْمٍ قَالَ خَطَبَنَا عَلِيٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَوْ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: يَأْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ عَضُوْضٌ يَعَضُّ الْمُوْسِرُ عَلٰی مَا فِیْ يَدَيْهِ قَالَ وَلَمْ يُؤْمَرْ بِذٰلِكَ، قَالَ عَزَّ وَجَلَّ: ”وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔“ وَيَنْهَدُ الْاَشْرَارُ وَيُسْتَذَلُّ الْاَخْيَارُ وَيُبَايِعُ الْمُضْطَرُّوْنَ، قَالَ وَقَدْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ۔“ (مسند احمد ج:۱ ص:۱۱۶)

”وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ عُبَيْدٍ مَّوْلٰی عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: ثُمَّ شَهِدْتُهٗ مَعَ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَصَلّٰی قَبْلَ اَنْ يَّخْطُبَ بِلَا اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَهٰی اَنْ تَاْكُلُوْا نُسُكَكُمْ بَعْدَ ثَلٰثِ لَيَالٍ، فَلَا تَاْكُلُوْهَا بَعْدُ۔“ (مسند احمد ج:۱ ص:۱۴۱)

”وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ اَنَّهٗ سَمِعَ عَلِيًّا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَخْطُبُ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَكْذِبُ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ۔“ (مسند احمد ج:۱ ص:۱۵۰)

ترجمہ:......”مسند احمد میں بنوتمیم کے ایک شیخ سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، یا فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ مالدار اپنے مال کو دانتوں کی کچلیوں سے پکڑے گا، فرمایا حالانکہ اس کو اس کا حکم نہیں دیا گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”اور نہ بھولا کرو فضیلت کو آپس میں۔“ اور برے لوگ اوپر آجائیں گے، اچھے لوگ ذلیل سمجھے جائیں گے، اور لوگ مجبوری کا سودا کیا کریں گے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور آدمی کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور دھوکہ کی بیع سے اور پھلوں کے آنے سے پہلے پھل کی بیع سے۔

مسند احمد میں حضرت ابوعبیدہ مولیٰ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے روایت ہے کہ میں عیدالاضحیٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، پس آپؓ نے خطبہ دیا، اور فرمایا: لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ تم اپنی قربانیوں کا گوشت کھاؤ تین دن کے بعد، لہٰذا اس کے بعد نہ کھایا کرو۔

مسند احمد میں ربعی بن حراشؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، اس میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ: میرا نام لے کر جھوٹ نہ بولا کرو، اس لئے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔"

کاٹ کھانے کا دور:

یہ تین خطبے ہیں، یہاں ان میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نقل کئے گئے ہیں، ان میں سے پہلے خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک کٹکھنہ زمانہ آئے گا، یعنی کاٹ کھانے والا، مطلب پرستی کا یہ عالم ہوگا کہ ان میں سے ہر آدمی دوسرے کو کاٹ کھانا چاہے گا، اور اس زمانے میں مالدار لوگ اپنے مال پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں گے، اور مال کو گویا کچلیوں سے مضبوط پکڑ لیں گے کہ کہیں ہاتھ سے نکل نہ جائے، حالانکہ ان کو یہ حکم نہیں دیا گیا، اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اس فضیلت کو بھولا نہ کرو، مالداروں کو اللہ تعالیٰ نے فقرأ پر مال کی وجہ سے فضیلت دی ہے، تو اس کو نہ بھولا کریں، اسی طرح جتنے بھی اہل فضیلت ہیں ان کو آپس کی فضیلت کو بھولنا نہیں چاہیئے، میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوجائے، یعنی بیوی کو طلاق ہوجائے، تو وہاں اس کے ذیل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات قرآن کریم میں ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر عورتوں کے آباد ہونے سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو کوئی مضائقہ نہیں، یعنی رخصتی سے پہلے طلاق دینے پر کوئی مضائقہ نہیں، پھر اگر مہر مقرر کیا گیا تھا تو آدھا مہر ادا کرو، اور اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا تو حیثیت کے مطابق ان کو کچھ سامان دے دو، اس مسئلے کو ذکر کرکے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اِلَّـآ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ۔" آدھے مہر کا ادا کرنا یا عورت کو آدھے مہر کے بدلے متعہ دینا یعنی سامان دینا لازم ہے، الّا یہ کہ عورت معاف کردے، اور عورت کہہ دے کہ میں مہر نہیں لیتی، یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی شوہر وہ

معاف کردے، وہ کہہ دے: آدھا نہیں بلکہ پورا مہر دوں گا، یہ آدھا مہر چھڑواؤں گا نہیں، بلکہ پورا ادا کروں گا، اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔'' اور تم آپس میں اپنی بڑائی اور فضیلت کو بھولا نہ کرو، تم میں جو بڑا ہے اس کو بڑے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، اور جتنے بڑے اخلاق کا مظاہرہ کرو گے اسی کے مطابق تمہاری فضیلت اللہ کے یہاں قائم ہوگی، اور اگر گھٹیا پن کا ثبوت دو گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں گھٹیا سمجھے جاؤ گے، تو اس سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تم آپس کی فضیلت کو بھولا نہ کرو، اگر اللہ نے تم میں سے کسی کو فوقیت دی ہے کسی چیز میں، یعنی فضیلت عطا فرمائی ہے تو اس فضیلت کا حق بھی ادا کرو، اس کو نہ بھولو، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ زمانہ ایسا ہوگا کہ اس میں اشرار اور برے لوگ تو اوپر آجائیں گے، یعنی چوہدری اور لیڈر ہوں گے، ان کی مانی جاتی ہوگی، حالانکہ آدمی دو پیسے کے بھی نہیں ہوں گے، اور اخیار یعنی نیک اور اچھے لوگ ذلیل ہوجائیں گے، کوئی ان کو پوچھے گا نہیں، کوئی ان کو سنے گا نہیں۔

تنزل وانحطاط کا زمانہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک زمانہ تنزل اور انحطاط میں ہے، چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے:

''قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ، فَقَالَ اصْبِرُوْا فَاِنَّهُ لَا يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهُ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُهُ مِنْ نَّبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔''

(بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۷)

ترجمہ:......''ہم لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج بن یوسف کی طرف سے (جو اس امت میں بڑا ظالم ہوا ہے) جو سختی ہمیں پہنچ رہی تھی، اس کی ہم نے ان سے شکایت کی، تو ارشاد فرمانے لگے کہ: صبر سے کام لو بھائی! اس لئے کہ تم پر جو وقت بھی آئے گا اس کے بعد کا وقت اس سے بدتر ہوگا، یہ بات میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے۔"

راز اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت کی وجہ سے نورانیت کا زمانہ تھا، علوم کے اندر صلاحیت، تقویٰ اور خوفِ خداوندی کی استعداد نمایاں تھی، جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بُعد ہوتا گیا اسی نسبت سے یہ استعداد کم ہوتی چلی گئی۔

حق پرستوں کی ایک جماعت رہے گی:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ امت بانجھ نہیں ہے، اللہ کے بندے ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہے اور ان شاءاللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے، جو اللہ تعالیٰ کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کو سینے سے لگائے رکھیں گے، علماً، عملاً، حالاً، ذوقاً، ہر اعتبار سے دین کی حفاظت کریں گے۔

میں نے ایک موقع پر ان احادیث کو جمع کیا تھا، تقریباً پندرہ صحابہؓ سے یہ حدیث مروی ہے:

"لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى یَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰالِکَ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۴۷)

ترجمہ:......"یعنی ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ قائم رہے گی حق پر، کوئی ان کی مخالفت کرے اور کوئی ان کی مدد سے دست کش ہوجائے، ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے یعنی قیامت (اور قیامت کی علامتوں میں سب سے بڑی علامت ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دجال کا آنا)۔"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: "حَتّٰی یَأْتِیَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ۔" (مسلم ج:۱ ص:۸۷) (یعنی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوجائیں)۔

پھیکا رنگ:

تو بے شک یہ امت کبھی بھی بانجھ نہیں ہوگی، ایسا نہیں ہوگا کہ دین مٹ جائے، ایسا نہیں ہوگا کہ کتاب وسنت کا صحیح علم باقی نہ رہے، ایسا نہیں ہوگا کہ دین پر کوئی عمل کرنے والا باقی نہ رہے، ایسا نہیں ہوگا کہ اس دین کی تعلیم وترویج، اس کی نشر واشاعت کا سلسلہ منقطع ہوجائے، نہیں! ہمیشہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ ایک الگ چیز ہے اور وہ پہلی چیز الگ ہے، یعنی رنگ بدلتا رہے گا، جوں جوں زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے دور ہوتا جائے گا، اسی نسبت سے اس کی نورانیت کم ہوتی جائے گی، اور ظلمت بڑھتی جائے گی، اور قلوب کی استعداد کمزور پڑتی جائے گی، دین داری کا رنگ پھیکا ہوتا جائے گا۔

اہل اللہ کا ذوق:

ایک بزرگ تھے، وہ رات کو روٹی پکاتے، صبح کھاتے تھے، اور صبح کی روٹی شام کو کھاتے تھے، تازہ روٹی نہیں کھاتے تھے، فرماتے اس سے زیادہ وقت رہ نہیں سکتی

روٹی کیونکہ جو رات کی روٹی ہے اس کو بارہ گھنٹے قرب حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے، اور اس میں نورانیت زیادہ ہے بنسبت تازہ روٹی کے، یہ ذوق کی بات ہے، مسئلہ نہیں ہے کہ ایسا کیا جائے، محبت اور ذوق کی بات ہے، عام مزاج یہ ہے کہ لوگ جدت کو پسند کرتے ہیں اس لئے وہ ''جدت پسندی'' کے قائل ہیں، لیکن اللہ والوں کا ذوق ہے ''قدامت پسندی''، یعنی جتنی پرانی چیز ہے، اتنی زیادہ لائق قدر ہے، اس لئے کہ اس کو نسبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے۔

اشرار کا زمانہ:

ایک زمانہ گزرا جبکہ اخیار کا غلبہ تھا اور اشرار تھے ہی نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ یہی تھا، پھر آہستہ آہستہ اشرار بھی پیدا ہونے لگے، لیکن غلبہ اخیار کا ہی رہا، نیک لوگوں کا، اچھے لوگوں کا، شریف اور دیندار لوگوں کا، اور پھر چلتے چلاتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اشرار کا غلبہ ہوگیا، لیکن اخیار کی بات بھی سنی جاتی تھی، اچھے لوگوں کی بات بھی سنی جاتی تھی، اور ان کا احترام کیا جاتا تھا، ان کی بات کو بہرحال وزن دیا جاتا تھا، جس زمانے کی بات یہاں کر رہے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ اشرار غالب ہوں گے، ان کو فوقیت حاصل ہوگی اور اخیار ذلیل ہوں گے اور ان کو نظر حقارت سے دیکھا جائے گا، فانا للہ وانا الیہ راجعون!

مجبوری کی بیع:

اور ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں ''بَیْعِ الْمُضْطَرِّیْنَ'' ہوگی، یعنی ایک آدمی اپنی مجبوری کے عالم میں اپنی چیز فروخت کرنا چاہے گا، تو اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگ اونے پونے لینے کی کوشش کریں گے۔

ابونواز شاعر کا قصہ:

میں نے ابونواز شاعر کا قصہ تمہیں سنایا تھا کہ اس کے پڑوسی کو اپنا مکان

فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئی، تو خریدار نے پوچھا کہ کتنی قیمت ہے؟ کہنے لگے: بیس ہزار! کہنے لگے: بیس ہزار تو تمہارے مکان کی قیمت نہیں ہے، تم زیادہ بول رہے ہو، تو مالک مکان کہنے لگا کہ آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں، میرا مکان بیس ہزار کا نہیں ہے، دس ہزار کا ہے، میں دس ہزار مکان کی قیمت لے رہا ہوں اور دس ہزار ابونواز کے پڑوس کی قیمت لے رہا ہوں، یہ مکان ابونواز شاعر کے پڑوس میں ہے، صرف مکان نہیں بیچ رہا، بلکہ ساتھ کے ساتھ ابونواز شاعر کا پڑوس بھی دے رہا ہوں، تو اس نے کہا کہ بیچتے کیوں ہو؟ کہنے لگے: میں بالکل نہ بیچتا لیکن ضرورت پیش آ گئی ہے بیچنے کی، ابونواز کو اس کا پتہ چلا تو اس کو بلایا اور بلا کر پوچھا: کیوں مکان بیچتے ہو؟ کہا: حضور! ضرورت پیش آ گئی ہے، بیچنا ہے، پوچھا: کتنی قیمت ہے مکان کی؟ اور تمہاری ضرورت کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: مکان بھی دس ہزار کا اور میری ضرورت بھی دس ہزار کی ہے، ابونواز نے دس ہزار درہم اس کو دیئے اور کہا کہ: یہ تمہارے مکان کی قیمت ہے، اور دس ہزار مزید دیئے اور کہا کہ: یہ ابونواز کے پڑوس کی قیمت ہے۔

مؤرخ اس قصے کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ مسلمانوں پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جبکہ شاعروں کے مکان میں اخلاقیت تھی، اس وقت اللہ کے نیک بندوں کے اور دوسرے لوگوں کے اخلاق کیسے ہوں گے؟ ایک شرابی ابونواز ـــــ عام طور پر شاعر اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں ـــ اس کے اخلاق یہ تھے تو اللہ والوں کے اخلاق کیا ہوں گے؟ تو غرض یہ ہے کہ "بَیْعُ الْمُضْطَرِّیْنَ" ہوگی، یعنی لوگ مجبوری کی وجہ سے اپنی چیز فروخت کریں گے اور لوگ اس کو غنیمت سمجھیں گے بلکہ کچھ اور بھی کم کروائیں گے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور لوگوں کی چیز (سستے داموں) خریدنے سے منع فرمایا ہے، "وَقَدْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّيْنَ." یہ مکارم اخلاق کے خلاف ہے، تمہیں خریدنی ہے تو اس چیز کی پوری قیمت دو، ورنہ مت خریدو۔

اور آج کل ''بَیْعُ الْمُضْطَرِّیْنَ۔'' کی ایک دوسری صورت نکلی ہوئی ہے کہ کسی مجبور سے مکان لے لیا، اور مکان فرض کرو کہ دس ہزار کا ہے، اس سے مکان لے لیا پانچ ہزار میں، پانچ ہزار اس کے سپرد کر دیئے، مکان پر قبضہ کرلیا، اور اس کے بعد پھر دس ہزار کا مکان اس کے پاس بیچ دیا اور اس کی قیمت ادھار کرلی، یعنی بجائے اس کے کہ پانچ ہزار روپیہ نقد دے کر پانچ ہزار روپیہ اس پر سود لیتا یہ ترکیب نکالی کہ پانچ ہزار کا مکان خرید لیا اور پھر اسی مالک کو دس ہزار روپے کا بیچ دیا مگر سال کے ادھار پر، اس کو شریعت میں ''بیع عینہ'' کہتے ہیں، اور ہمارے فقہاءؒ نے تصریح کی ہے کہ: ''ویکرہ بیع عینہ۔'' بیع عینہ مکروہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منع کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ مجبور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ساتھ ایسی ٹھگی کی جائے، یہ اسلام کے اخلاق کے خلاف ہے، اسلام جن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے یہ انداز اس کے خلاف ہے، گو تمہیں قانون منع نہ کرے، کوئی عدالت تمہارا ہاتھ نہ پکڑ سکے کیونکہ مالک نے اپنی مرضی سے بیچا ہے، اور میں نے اپنی مرضی سے خریدا ہے، اس لئے کہ تمہارے دل میں اس کی وجہ سے قساوت اور سنگدلی پیدا ہوگی، اور تمہیں یہ خیال نہیں رہے گا کہ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس میں مبتلا کردیں اور مجھے کسی مجبوری کی وجہ سے یہ مکان بیچنا پڑے اور اس سے بھی کم قیمت میں بیچنا پڑے، حالات کے یہ نقشے بھی ہوسکتے ہیں۔

دھوکہ کی بیع:

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بیع الغرر'' سے منع فرمایا ہے، ''بیع الغرر'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس بیع میں دھوکہ پایا جاتا ہو، یعنی معلوم نہیں کہ یہ چیز ملے گی بھی یا نہیں ملے گی، جیسے ہماری گورنمنٹ کسی علاقے کو فروخت کردیتی ہے، شکار کے لئے ٹھیکہ دے دیا ہے کہ اس علاقے میں جتنے جانور ہیں گویا ان کو فروخت کیا جارہا ہے، یا دریا میں یا سمندر میں مچھلیاں ہیں، ان کو فروخت کردیا جاتا ہے، اور اس

کا ٹھیکہ دے دیا جاتا ہے، یہاں سے لے کر یہاں تک کا علاقہ اتنے لاکھ ٹھیکہ پر چڑھا ہے، یہ بھی حرام ہے، حضرات فقہاءؒ نے اس ’’بیع الغرر‘‘ کی بہت سے صورتیں بیان فرمائی ہیں، یہ دو مثالیں میں نے بیان کردی ہیں، ہوا میں پرندہ اڑ رہا ہے، اس کو بیچ دیا، جنگل کے شکار کو بیچ دیا، دریا میں مچھلیوں کو بیچ دیا، یہ ’’بیع الغرر‘‘ ہے، دھوکہ کی بیع ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

پھل آنے سے پہلے اس کی بیع:

ایک بیع اور ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، وہ ہے: ’’بَیعِ الثَّمَـرَةِ قَبلَ اَنْ تُدْرَکَ‘‘ یعنی پھل آنے سے پہلے پھلوں کی فروخت کردی جائے، عام طور پر باغات میں یہی ہوتا ہے، آج کل تو کئی کئی سالوں کی بیع کردی جاتی ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، پھل آجائیں تو پھل بیچو، الّا یہ کہ وہ زمین اتنی دیر کے لئے ٹھیکے پر دے دی جائے، پورا باغ ٹھیکہ پر دے دیا گیا، یعنی زمین بمع درختوں کے تو وہ دوسری بات ہے۔

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ کا تقویٰ:

سر سید احمد خان مرحوم نے ایک کتاب لکھی تھی: ’’آثار سنادید‘‘ جس میں اکابر دہلی کے حالات بیان کئے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خاندان اور دوسرے اکابر کے تذکرے کئے ہیں، اس میں شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ جو ہمارے اکابر دیوبند کے استاذ ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جیسے اکابر کے وہ شیخ ہیں، حضرت سہارنپوریؒ نے تو اجازت لی ہے اور باقی حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے باقاعدہ ان سے پڑھا ہے، اور ان کی تعلیم کے بارے میں لکھا ہے کہ ان بزرگوں کی بارہ آدمیوں کی جماعت تھی، اور صحیح بخاری شریف کا ایک نسخہ تھا، جو صرف استاذ کے پاس تھا، دوسری کوئی کتاب ہی نہیں تھی، تو استاذ کا نسخہ لے کر پہلے تو اس کو اپنے

قلم سے نقل کرتے تھے، اور پھر جتنے دن کا سبق لینا ہوتا تھا اتنا لکھتے اور نقل کرتے تھے، پھر پڑھتے تھے، یہ صحیح بخاری کے جو نسخے چھپے ہوئے ہیں سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے شائع کئے ہیں، اور اس پر پچیس پارے کا حاشیہ خود لکھا حضرتؒ نے، اور آخری پانچ پارے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے لکھوائے جو اس وقت طالب علم تھے، گویا چھوٹے مولوی تھے، ان کے شاگردوں کی مد میں تھے اور اب تو صحیح بخاری ہر ایک عالم تو کیا جاہل کے گھر میں بھی موجود ہے، نہ ہو تو لوگ ترجمہ لے لیتے ہیں، تو یہ شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ مہاجر مدنی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تھے، سرسید احمد خان نے آثار السنادید میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

حضرت شاہ صاحب دلّی میں بکنے والے پھلوں کے ذائقے سے واقف نہیں تھے، اس لئے کہ ان کی خرید وفروخت شریعت کے خلاف ہوتی ہے، کھاتے نہیں تھے، ذائقہ تک معلوم نہیں کہ پھل کا ذائقہ کیا ہے؟ مفتی رشیدالدین ان کے ہم عصر تھے، بڑے اکابر علمائیں میں سے تھے، یہ بھی ہمارے اکابر کے استاذ ہیں، یہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کے مکان کے پاس سے گزر رہے تھے، گھر کی خادمہ شاہ صاحب کے بچے کو لئے کھڑی تھی اور بچہ بالکل لاغر اور کمزور تھا، مفتی صاحب نے پوچھ لیا کہ بچہ اتنا کمزور کیوں ہے؟ بیمار ہے کیا؟ خادمہ نے بتایا کہ تین دن سے حضرتؒ کے گھر میں فاقہ ہے، بچہ بھی بھوکا ہے، مفتی صاحب کو بہت صدمہ ہوا، بازار گئے اور کھانے پینے کا سامان ساری چیزیں ایک بوری میں لدوا کے شاہ صاحب کے گھر پہنچائیں، چاول، آٹا، دالیں وغیرہ۔ شاہ صاحب گھر آئے تو گھر والوں نے کہا کہ آپ نے یہ چیزیں بھجوائی ہیں؟ کہا کہ: میں نے تو نہیں بھجوائیں، کس نے بھجوائی ہیں؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ مفتی رشیدالدین صاحب نے بھجوائی ہیں۔ مفتی رشیدالدین کو کس نے ہمارا حال بتایا؟ ٹوہ لگانے سے پتہ چلا کہ خادمہ نے بتایا ہے، تو حضرتؒ اس خادمہ سے فرماتے

ہیں کہ بڑی بی اگر تم ہمارے ساتھ صبر نہیں کرسکتی ہو تو تم جاسکتی ہو، لیکن ہمارے گھر کا حال دوسروں کو نہ بتایا کرو۔

ایک دفعہ مفتی رشیدالدین صاحب حضرت شاہ صاحبؒ سے پڑھنے کے لئے کتاب لے گئے، وہ بغیر جلد کے تھی، واپس کی تو مجلد تھی، مفتی صاحب نے مجلد کرواکے بھیج دی اور ساتھ ہی خادم سے کہلوا بھیجا کہ شاہ صاحبؒ سے کہہ دیں کہ یہ جلد میں نے اپنی تنخواہ سے نہیں لگائی، بلکہ میری زمین کی جو آمدنی ہے وہ میں الگ رکھتا ہوں اس سے یہ جلد بنوائی ہے، یہ پیغام دے دیا اور کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کو دے دی، حضرتؒ نے یہ کتاب لیتے ہوئے کتاب کی جلد پھاڑ کر کے پھینک دی اور فرمایا: ان کی زمین کی آمدنی کون سی پاک ہے؟ یہ وہی بات ہے جو میں پہلے ذکر کرچکا ہوں کہ رنگ بدلتا رہا، یہ ہمارے چوتھی پیڑھی کے استاذ ہیں اور تیرہویں صدی کے آدمی ہیں، ایک ڈیڑھ سو سال میں یہ رنگ بدل گیا، تو غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے آنے سے پہلے پھل کی خرید وفروخت سے بھی منع فرمایا ہے۔

عید کی نماز کا طریقہ:

دوسری روایت میں ہے کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ عیدالاضحیٰ یعنی بقرہ عید کی نماز میں حاضر ہوا، مجھے ان کی اقتدأ میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، تو آتے ہی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، نہ اذان، نہ اقامت، عیدین کی نماز کا یہی مسئلہ ہے کہ ان میں اذان اور اقامت نہیں ہوتی اور خطبہ بھی بعد میں ہوتا ہے، پہلے نہیں ہوتا، جمعہ کا خطبہ پہلے ہوتا ہے اور بعد میں نماز بلکہ خطبہ شرط ہے نماز کے لئے، جمعہ کی نماز خطبہ کے بغیر ہوتی ہی نہیں، چاہے مختصر ہی خطبہ ہو، لیکن خطبہ شرط ہے نمازِ جمعہ کے لئے، جبکہ عیدین کی نماز بغیر خطبہ کے ہوتی ہے اور خطبہ بعد میں پڑھا جاتا ہے۔

عید کا خطبہ سنت ہے:

اور لطف کی بات یہ ہے کہ عیدین کا خطبہ واجب نہیں ہے، سنت ہے، اگر امام صرف عیدین کی نماز پڑھا کے آجائے اور خطبہ نہ دے تو اس نے کسی واجب شرعی کا ترک نہیں کیا، البتہ خلافِ سنت کیا، اب تو کسی کی عقل میں آ ہی نہیں سکتی یہ بات کہ عید کی نماز خطبہ کے بغیر بھی ہوسکتی ہے، عیدین کا خطبہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے، بلکہ سنت ہے، اور کوئی شک نہیں کہ سنت مؤکدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہی تعامل چلا آرہا ہے۔

جمعہ کا خطبہ اور اس کا سننا فرض ہے:

لیکن اس خطبہ کا سننا فرض ہے، جمعہ کا خطبہ بھی فرض اور اس کا سننا بھی فرض، حتیٰ کہ حدیث شریف میں ہے:

”اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ اَنْصِتْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۲۲)

ترجمہ:...... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے امام کے خطبہ دیتے ہوئے اپنے رفیق سے کہہ دیا کہ ”چپ“ اس نے بھی بے ہودہ بات کی (اور اس کے جمعہ کا ثواب باطل)۔“

فرض تو ادا ہوجائے گا لیکن جمعہ کا خاص ثواب باطل ہوجائے گا۔

خطبہ جمعہ کی حالت میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنا بھی جائز نہیں ہے، حتیٰ کہ نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، اور ایک لفظ بولنا بھی جائز نہیں ہے، مکمل خاموشی اور مکمل سکوت، قرآن کریم میں ہے:

”وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔“ (الاعراف:۲۰۴)

ترجمہ:...... ’’اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘

امام بیہقیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت خطبہ اور نماز کے لئے نازل ہوئی ہے، یعنی خطبہ میں قرآن پڑھا جاتا ہے، خطبہ کا سننا لازم اور خاموشی واجب، اسی طرح نماز میں امام قرأت کرتا ہے، تو امام کے پیچھے کسی کو پڑھنے کی اجازت نہیں۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ جمعہ کا خطبہ شرط ہے نماز کے لئے اور اس کا سننا بھی فرض ہے، اور اس میں کسی کو ’’امر بالمعروف‘‘ کرنا اور یہ کہنا کہ دیکھو یہ بری بات ہے، یہ بھی نہ کرو، اسی طرح کسی بچے کو آپ کہیں کہ بیٹھ جا، یہ بھی آپ نے لغو کام کیا، اور آپ کے جمعہ کا ثواب باطل ہوگیا۔

جمعہ کا ثواب:

یہ جمعہ کا ثواب کیا ہوتا ہے؟ نماز پڑھ لی بس ٹھیک ہے۔ جمعہ کا ثواب یہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

’’قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ۔‘‘

(مشکوٰۃ ص:۱۲۲)

ترجمہ:...... ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے غسل کیا پھر مسجد کی طرف جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے گھر سے چلا، مسجد میں جاکر جتنی نماز مقدر میں تھی وہ پڑھی، خطبہ سنتے وقت خاموش رہا، امام کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی تو ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک جتنے گناہ کئے تھے، اللہ

تعالیٰ معاف کردیتے ہیں، بمع تین دن اضافے کے۔“

جمعہ کی یہ فضیلت ہے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ کے لئے توبہ شرط ہے، ایک جمعہ پڑھنے سے دس دن کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

جمعہ کے نمازیوں کی حاضری:

اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کا ایک مستقل عملہ مقرر کیا جاتا ہے جمعہ کی حاضری لگانے کے لئے کہ کون کس وقت آیا تھا، اور جب خطبہ شروع ہوتا ہے تو حدیث میں فرمایا کہ: ”طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۲۲) فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں، اور ذکر الٰہی کے سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں، اس کے بعد جمعہ میں آنے والوں کی حاضری نہیں لگتی، ان کے اپنے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہوگا، لیکن جمعہ کا جو رجسٹر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتا ہے اور اس کے لئے مستقل عملہ مقرر کیا گیا ہے، اس میں ان لوگوں کا نام درج نہیں ہوتا جو جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد آتے ہیں، تو جس طرح کہ جمعہ کا خطبہ سننا فرض ہے، علمائؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح عیدین کا خطبہ سننا بھی اسی ادب کے ساتھ فرض ہے، اگرچہ خطبہ کہنا سنت ہے، واجب نہیں اور یہ عجائبات میں سے ہے کہ خطبہ کہنا سنت اور اس کا سننا فرض۔

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے کی ممانعت:

نماز پڑھانے کے بعد امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع فرمایا، لہٰذا تین دن کے بعد نہ کھایا کرو، لیکن یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرمادیا تھا۔

حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ لِيَتَّسِعَ ذُوْ الطَّوْلِ عَلٰى مَنْ لَا طَوْلَ لَهٗ فَكُلُوْا مَا بَدَا لَكُمْ وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا۔“ (ترمذی ج:۱ ص:۱۸۲)

ترجمہ:......”میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کو منع کیا تھا تاکہ صاحب استطاعت غرباً پر وسعت کریں، اب تم کھا سکتے ہو، تین دن سے زیادہ کھا سکتے ہو، اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔“

تو یہ حکم وجوب کی حیثیت سے تو منسوخ ہوگیا، لیکن مکارم اخلاق کی وجہ سے اب بھی ہے، تین دن اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے ہیں، ان میں تو خوب کھائے بلکہ گوشت ہی کھائے۔

میں نے شاید ایک دفعہ بتایا تھا کہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کے گھر میں تین دن میں کھانا نہیں پکتا تھا، آپ کے یہاں کوئی سبزی نہیں پکتی تھی، روٹی نہیں پکتی تھی، صرف گوشت، اور ہمارے یہاں کھانا تو پکتا ہے لیکن میں گوشت ہی کھاتا ہوں، میں اور کوئی چیز نہیں کھاتا، نہ چاول نہ کوئی اور چیز، صرف گوشت کھاتا ہوں، قربانی کے تین دنوں میں۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

حق و باطل
کے درمیان امتیاز

حق حق ہے، باطل باطل ہے، اور بیچ میں لکیر ہے، امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے اور اہل باطل سے جتنی قوت ہے اپنی ہمت کے مطابق ٹکرائے، اس لئے کہ یہ ٹکر آدم علیہ السلام و ابلیس کے وقت سے چلی آرہی ہے، یہ آج کی نہیں ہے، محمد ﷺ اور ابوجہل کے وقت سے چلی آرہی ہے، اور یہ قیامت تک رہے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یُمِیْتُوْنَ الْبَاطِلَ بِھِجْرِہٖ، وَیُحْیُوْنَ الْحَقَّ بِذِکْرِہٖ۔ رُغِّبُوْا فَرَغِبُوْا، فَرُھِّبُوْا وَرَھِبُوْا، خَافُوْا فَلَا یَأْمَنُوْنَ، اَبْصَرُوْا مِنَ الْیَقِیْنِ مَالَمْ یُعَایِنُوْا، فَخَلَطُوْہُ بِمَالَمْ یُزَایِلُوْہُ، اَخْلَصَھُمُ الْخَوْفُ، فَکَانُوْا یَھْجُرُوْنَ مَا یَنْقَطِعُ عَنْھُمْ لِمَا یَبْقٰی لَھُمُ اَلْحَیَاۃُ عَلَیْھِمْ نِعْمَۃٌ وَالْمَوْتُ لَھُمْ کَرَامَۃٌ، فَزُوِّجُوا الْحُوْرَ الْعِیْنَ وَاُخْدِمُوا الْوِلْدَانَ الْمُخَلَّدِیْنَ۔“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۶ ص:۲۳۰)

ترجمہ:......”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو باطل کو مٹاتے ہیں (اس کو چھوڑ کر) اور حق کو زندہ کرتے ہیں (اس کا ذکر کرکے) ان کو ترغیب دی گئی تو انہوں نے رغبت کی اور ان کو

ڈرایا گیا تو وہ ڈر گئے اور ان کو ایسا ڈر ہوا کہ اب وہ امن نہیں پاتے، اور انہوں نے یقین کے ذریعے اس چیز کو دیکھ لیا جن کو انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھا، پس انہوں نے اس کو مخلوط کردیا ایسی چیز کے ساتھ جو ان سے زائل نہیں ہوتی، ان کے خوف نے خالص کردیا، پس وہ چھوڑتے تھے ایسی چیز کو جو ان سے منقطع ہوجاتی ہے، اس چیز کے لئے جو باقی رہتی ہے، حیات ان کے لئے نعمت ہے، موت ان کے لئے کرامت ہے، پس (جنت میں) ان کی شادی کی گئی موٹی آنکھوں والی حور کے ساتھ، اور ان کو خادم دیئے گئے ایسے بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

یہ حضرت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند ناصحانہ ارشادات ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو باطل کو مٹاتے ہیں ان کو چھوڑ کر اور حق کو زندہ کرتے ہیں اس کا ذکر کرکے۔'' اس میں باطل کو مٹانے کا حکم ہے اور حق کو زندہ کرنے کا ذکر ہے۔ حق اور باطل یہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور ابلیس کے زمانے سے چلے آرہے ہیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حق کی علامت اور حق کا نشان راہ تھے اور باطل ابلیس کی گزرگاہ ہے اور ابلیس اس کا مرشد ہے۔

حق کو حق اور باطل کو باطل پہچانا جائے:

تو پہلی بات تو یہ ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل پہچانا جائے، حق اور باطل کے درمیان شناخت کی جائے کہ حق الگ ہے اور باطل الگ ہے، آدمی پر جب حرص و ہواؑ کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کا مطمح نظر صرف پیٹ بھرنا رہتا ہے یعنی پیٹ اور جیب جب اس کا مطمع نظر بن جائے تو پھر اس کو حق و باطل سے کوئی غرض نہیں رہتی، حق و باطل کا

امتیاز اس کی نظر سے اٹھ جاتا ہے، حق و باطل کے درمیان امتیاز کیا جائے کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے اس لئے کہ ارشاد الٰہی ہے : ”جَـــآءَ الْـحَــقُّ وَزَهَــقَ الْبَاطِلُ۔“ (حق آیا اور باطل گیا) کیونکہ حق آئے گا تو باطل جائے گا۔

اور کچھ لوگ ایسے ہیں، کہ انہوں نے حق اور باطل کے درمیان صلح کروادی کہ سب کو چلنے دو، اکٹھے ہی چلنے دو، یہ بھی چلے، وہ بھی چلے اور تم کسی کے طرف دار نہ بنو، حق اور باطل میں سے کسی کے بھی طرف دار نہ بنو، اس لئے کہ تم ایک کے طرف دار بن گئے تو تمہاری غیر جانبداری پر حرف آئے گا۔

حق و باطل کے دو کیمپ :

بہت مدت ہوئی، میں دبئ گیا تھا وہاں (مرکز پاکستان) ایک ہمارے پاکستانیوں نے پاکستان گھر بنایا ہوا ہے، ایک عمارت لے رکھی ہے، یعنی اس میں کوئی اجتماعی تقریب ہوگئی، کوئی شادی ہوگئی، کوئی جلسہ ہوگیا تو وہ وہاں منعقد کرتے ہیں، وہاں دوستوں نے میرا پروگرام کروایا چونکہ میں وہاں قادیانیت کے سلسلے میں گیا ہوا تھا تو میں نے یہی بات پیش کی، دوسرے الفاظ اور دوسرے انداز میں، میں نے کہا کہ یہ لکیر لگی ہوئی ہے، ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کا کیمپ ہے، اور دوسری طرف غلام احمد کا، اب تمہیں اختیار ہے، جس کیمپ میں جانا اور شامل ہونا چاہتے ہو تو اس میں چلے جاؤ، اللہ نے تمہیں اختیار دیا ہے سوچ سمجھ کر جاؤ، لیکن یہ بات یاد رہے کہ تمہیں لکیر کے اوپر نہیں چلنے دیں گے، بلکہ درمیان کی لکیر پر نہیں کھڑے ہونے دیں گے، یہ خیال دل سے نکال دو، تمہیں اگر محمد ﷺ کے کیمپ میں نہیں آنا ہے، غلام احمد کے کیمپ میں جاسکتے ہو، شوق سے جاؤ، لیکن تم کہو کہ ہم لکیر پر رہیں گے، نہ ادھر کے نہ ادھر کے، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ تمہیں ایک طرف آنا ہوگا اور اگر نہیں آؤ گے تو دوسری طرف کے سمجھے جاؤ گے، اور حضرت محمد ﷺ کے کیمپ میں شمار نہیں کیئے جاؤ گے،

بہت تفصیل کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ میرا بیان ہوا تھا، صرف اسی ایک نکتے پر۔

غیر جانبداری کی بیماری:

ہمارے پڑھے لکھے لوگوں میں اور اونچے دماغ والوں میں انگریزی تہذیب کی وجہ سے یہ غیر جانبداری کی بیماری سرایت کر گئی ہے، ان کا کہنا ہے کہ مولوی لڑتے ہیں، اور مولویوں کا کام ہی لڑنا ہے، ان کو لڑنے دو، بلکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر تم سے ہوسکے تو ایک آدھ پتھر پھینک دیا کرو مولویوں کی طرف، اور یہ نہ ہوسکے تو زبان کا ایک آدھ تیر و نشتر چلا دیا کرو، اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے، باقی غیر جانبدار رہو، دوسری طرف نہ تمہارا کبھی پتھر گیا، نہ کبھی تمہارا تیر و نشتر گیا، وقت آنے دو، قیامت کے دن جب یہ لکیر قائم کردی جائے گی، اور کہا جائے گا کہ: ”وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔“ (یٰسین:۵۹) (او مجرمو! آج کے دن الگ ہوجاؤ) وہ وقت آنے دو، اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ حق حق ہے، اور باطل باطل ہے، حق کا ساتھ دیا جائے اور باطل کو چھوڑا جائے، اس وقت تمہاری غیر جانبداری نہیں چلے گی، یہاں تم اپنی عقل چلا رہے ہو، پوری دنیا دھوکے میں ہے، آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے، قیامت سامنے نہیں ہے، میدان محشر سامنے نہیں ہے، اسی لئے غیر جانبداری سوجھتی ہے۔

حق و باطل کی ٹکر:

تو خلاصہ یہ کہ حق حق ہے، باطل باطل ہے، اور بیچ میں لکیر ہے، امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے اور اہل باطل سے جتنی قوت ہے اپنی ہمت کے مطابق ٹکرائے، اس لئے کہ یہ ٹکر آدمؑ و ابلیس کے وقت سے چلی آرہی ہے، یہ آج کی نہیں ہے، محمد ﷺ اور ابوجہل کے وقت سے چلی آرہی ہے، اور یہ قیامت تک رہے گی چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا

يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ ...... حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۴۷)

قریب قریب پندرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ حدیث مروی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، جو ان کی مخالفت کرے ان کو اس کی پروا نہیں، اسی طرح اگر کوئی ان کے مقابلے میں آئے، ان سے کوئی تعرض نہیں، یعنی جو مقابلہ پر آتا ہے آئے، وہ حق پر قائم رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: "وینزل عیسیٰ ابن مریم۔" (صحیح مسلم ج:۱ ص:۸۷) (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور عیسیٰ ابن مریم دجال کے مقابلے میں نازل ہوجائیں) اور یہ آخری معرکہ ہوگا اور اس پر ختم۔

حق کی مدد کے لئے تیار نہیں:

ہم نے اگر بہت بڑا احسان کیا، تو ہم نہ اس طرف کے ہوئے، نہ اس طرف کے ہوئے، اہل حق کو بھی کچھ نہیں کہتے، اور اہل باطل کو بھی کچھ نہیں کہتے، یہ ہماری بڑی مہربانی ہے، ہم حاجی ہیں، اور حج پر جارہے ہیں، نمازی ہیں، پیشانی پر گٹھہ پڑا ہوا ہے، سخی ہیں لنگر چل رہا ہے، ہمارے گھر سے ہر ایک کو خیرات ملتی ہے، لیکن حق کو یہ خیرات نہیں ملتی، حق کی مدد کے لئے تیار نہیں ہیں، اور ہمارے خیال میں اگر ہمارے ہاں سے حق کی حمایت نہ کی جائے تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں چلتے رہو، لیکن یاد رکھو! قرآن کریم کی اسی آیت (جو میں نے پڑھی ہے) کے آگے ہے:

"قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا۔" (بنی اسرائیل:۸۴)

ترجمہ:...... "آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی عمل کرتا ہے

اپنے طرز پر کرتا ہے، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم میں سے کون صحیح راستے پر ہے؟“

وہ تمہیں بتادے گا کہ کون صحیح راستہ پر تھا اور کون غلط راستہ پر، آج تو میں بھی، آپ بھی اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ میں صحیح راستے پر ہوں، بہت جلد وہ وقت آیا چاہتا ہے، جب پتہ چلے گا کہ کون صحیح راستے پر ہے؟ جیسے کہا گیا ہے:

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا کَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارُ

(بہت جلد تمہیں پتہ چل جائے گا جب یہ غبار چھٹے گا، تم گدھے پر سوار تھے یا گھوڑے پر)، تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتے ہیں، حق کا ساتھ دیتے ہیں اور باطل کو چھوڑتے ہیں۔

اجتماعی کردار پر فیصلے:

اگر امت مسلمہ جس کو قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں خیر امت کہا گیا ہے: ”کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔“ (آل عمران:۱۱۰) (تم بہترین امت ہو اور لوگوں کے نفع کے لئے نکالی گئی ہو)۔

امت اگر صرف اس ایک نکتے کو سمجھ لیتی تو اس کی حالت کچھ سے کچھ ہوجاتی، چند آدمیوں کی باطل پرستی سے پوری قوم ڈوب جاتی ہے، یہاں تو مسئلہ ایسا ہی ہے نا، یہ تو دنیا ہے، آپ کے نیک یا بدعمل کا اجر تو قیامت میں ملے گا، یہاں تو اجتماعی کردار پر فیصلے ہوں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

”مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِیْ حُدُوْدِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِیْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا سَفِیْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِیْ اَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِیْ اَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِیْ فِیْ اَسْفَلِهَا یَمُرُّ بِالْمَاءِ

عَلَی الَّذِیْنَ فِیْ اَعْلَاھَا فَتَاَذَّوْا بِہٖ فَاَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ یَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِیْنَةِ فَاَتَوْہُ فَقَالُوْا مَا لَکَ قَالَ تَاَذَّیْتُمْ بِیْ وَلَا بُدَّ لِیْ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَنْجَوْہُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَھُمْ وَاِنْ تَرَکُوْہُ اَھْلَکُوْہُ وَاَھْلَکُوْا اَنْفُسَھُمْ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۳۶)

ترجمہ:......”ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی حدود کو توڑ رہے ہیں اور ان کی مثال جو ان کا ہاتھ نہیں پکڑتے اور ان کو نہیں روکتے، اس کشتی کی سی ہے، جس میں بہت سے لوگ سوار تھے، اور اس کی ایک اوپر کی منزل تھی، ایک نیچے کی منزل تھی، پانی اوپر کی منزل میں تھا، نیچے والے پانی سے محروم تھے، اوپر پانی لینے کے لئے جاتے تھے، تو اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی، انہوں نے کہا کہ آؤ یہیں کشتی میں سوراخ کرلیں، اور پانی یہیں سے لے لیا کریں گے، چنانچہ وہ سوراخ کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اوپر والے ان کو روک دیں گے، تو وہ خود بھی بچ جائیں گے، اور نیچے والوں کو بھی بچالیں گے، اور اگر اوپر والوں نے نیچے والوں کو نہ روکا بلکہ یہ کہا کہ ہمیں کیا پڑی؟ تو وہ بھی ڈوبیں گے، اور ان کو بھی لے ڈوبیں گے، اس لئے کہ کشتی میں پانی بھرے گا، اور سب کا بیڑا غرق ہوجائے گا۔“

چند بڑے بڑے آدمی جو دنیا کو بے وقوف بنائے ہوئے ہیں، تم سمجھتے ہو کہ ہمارا ان سے کیا تعلق؟ ان کا عمل ان کے ساتھ، اور ہمارا عمل ہمارے ساتھ، بھائی تمہارا عمل تمہارے ساتھ اور ہمارا عمل ہمارے ساتھ کا اصول قیامت میں چلے گا، یہاں نہیں، یہاں تو تم ایک کشتی کے سوار ہو، تمہارے شہر میں شراب خانے کھل رہے ہوں، بدمعاشیاں ہورہی ہوں، ڈاکے پڑ رہے ہوں، عزتوں کو لوٹا جارہا ہو، جان اور مال کی

لوٹ مچی ہوئی ہو، اور تم کہو ہمیں کیا؟ یہ اس بات کی علامت ہے کہ کشتی میں سوراخ کردیا گیا ہے، اور سوراخ کرنے والوں کا ہاتھ نہیں روکا گیا، اور ہاتھ پکڑنے والوں نے پکڑا نہیں، یعنی جن کو پکڑنے کی قدرت تھی، یا وہ جانتے نہیں تھے، یا وہ پکڑتے نہیں، سب کے سب غرق ہوجائیں گے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم:

اب تو سائنس داں بھی کچھ پیشگوئیاں کرنے لگے ہیں، اللہ معاف کرے! ۱۹۹۵ء ختم ہورہا ہے، اس بیسویں صدی کے ختم ہونے میں پانچ سال باقی ہیں، اور سائنس داں کچھ ایسی پیشگوئیاں کررہے ہیں کہ شدت کی گرمی پڑنے کی وجہ سے برفانی پہاڑوں کی چوٹیاں خالی ہوجائیں گی، اور برف بہہ بہہ کر سمندروں میں آئے گی، اور دریا اور سمندر ان کو برداشت نہیں کرسکیں گے، نعوذ باللہ! خدا نہ کرے کہ یہ صورتحال پیدا ہو، لیکن اگر پیدا ہوجائے تو پھر روک لوگے؟ ووٹ کی طاقت سے روک لوگے؟ بھائی! ووٹ کی قوت اور پرچی کی طاقت سے تم کیا روکوگے؟ اس وقت دعا کی طاقت سے بھی نہیں روک سکوگے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

”.....وَاللهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدَىِ الظَّالِمِ.....وَلَتَقْصُرُنَّ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۳۸)

ترجمہ:...... ”بھلائی کا حکم دو، برائی سے روکو، ظالم کا ہاتھ پکڑو، اور اس کو حق پر جمنے پر مجبور کرو۔“

یہ تمہیں کرنا ہوگا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تمہیں کرنا ہوگا، تمہیں امر بالمعروف کرنا ہوگا، نہی عن المنکر کرنا ہوگا، ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہوگا، اور اس کو حق پر قائم رہنے پر مجبور کرنا ہوگا، اور اگر نہیں کروگے تو: اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب عام میں مبتلا

کردیں گے۔ پھر تم اللہ کو پکاروگے دعاؤں کے لئے، اور تمہاری دعائیں نہیں سنی جائیں گی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”.....اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَکُمْ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۳۶)

بہرحال بات اس پر چل رہی تھی کہ ہم نے حق و باطل کا امتیاز بھی کھودیا، ہم نے بہت مہربانی کی تو یہ کہہ کر اور کپڑے جھاڑ کر الگ ہوگئے کہ جی ہمیں کیا ہے؟ مولویوں کا کام ہے، لڑتے رہتے ہیں، ”کارملا فی سبیل اللہ فساد“ سبحان اللہ! حضرت علامہ اقبال کا ”الہامی“ شعر ہے: ”کارملا فی سبیل اللہ فساد“ اس کو ہر چیز فساد ہی نظر آتی ہے، خواہ ہمارے علمائ جہاد کرنے والے ہی کیوں نہ ہوں، وہ نعوذ باللہ فساد ہے؟ اور تم سیاست کے لئے لڑو، عہدوں اور منصبوں کے لئے لڑو، تو چشم بددور! یہ تمہارا جہاد ہے؟ خیر سے جہاد زندگانی اس کو کہتے ہو؟

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

یعنی یہ تو تمہارا جہاد ہے، مگر مُلاّ اگر باطل کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوتا ہے، تو تم کہتے ہو” کارملا فی سبیل اللہ فساد“ اب اس پر کیا کہوں؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد!
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہی تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

ہم اللہ کی خاطر کسی سے لڑیں تو فساد، اور تم دنیا کے لئے، جیب کے لئے، پیٹ کے لئے، اور اللہ کی مخلوق کو تنگ کرنے کے لئے فساد مچاؤ تو یہ جہاد؟ اگر ہم اللہ

کے لئے کسی کو ٹوکیں تو زبان بند، اور اپنی خواہش کے لئے تمہاری گولیاں چلیں تو تمہیں کوئی روکنے والا نہیں، مسلمانو! حق کو حق جانو، باطل کو باطل جانو، حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنا سیکھو، اگر حق اور باطل کے درمیان امتیاز نہیں کرو گے، تو یہ تمہارے دین کی، تمہارے اخلاق کی، اور تمہاری شرافت کی موت ہے اور جس شخص کے اندر سے یہ ساری چیزیں مٹ جائیں تو اس کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

اللہ کے کچھ بندے:

تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اللہ کے کچھ بندے ہیں جو باطل کو مٹاتے ہیں (اس کو چھوڑ کر) باطل نہ صرف یہ کہ خود ترک کردیا، بلکہ اس کو مٹانے کے لئے باطل کے مقابلے میں آگئے، چنانچہ ارشاد ہے: ”وَيُحْيُوْنَ الْحَقَّ بِذِكْرِهٖ۔“ اور حق کو زندہ کرتے ہیں بذریعہ اس کے ذکر کے، حق ذکر کرو۔

نکتہ کی بات:

یہاں یہ نکتہ خوب یاد رکھو کہ باطل کو باطل کے ساتھ نہیں مٹایا جاسکتا، ظلم کا علاج ظلم نہیں، جھوٹ کی کاٹ جھوٹ سے نہیں کی جاسکتی، جھوٹ کا علاج سچ ہے، ظلم کا علاج عدل ہے اور باطل کا علاج حق کو تھامنا ہے۔

ترغیب کا مطلب:

تیسرا فقرہ ہے: ”فَرِّغَبُوْا فَرَغِبُوْا۔“ ان لوگوں کو ترغیب دی گئی، کا ہے کی ترغیب؟ ان لوگوں کو کہہ دیا گیا کہ اللہ کی رحمت کی آغوش تمہارے لئے کھلی ہے چلو دوڑو اس کی طرف، تو وہ اس کی طرف دوڑ پڑے، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جنت کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا:

”سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔“ (الحدید:۲۱)

ترجمہ:......”دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔“

آسمان و زمین کے برابر کا مطلب یہ کہ سات آسمانوں کا تختہ بنا کر ملا کر ایک دوسرے سے جوڑتے جاؤ، اور پھر سات زمینوں کا تختہ بنا کر ایک دوسرے سے جوڑتے جاؤ، یہ سات آسمان ملے ہوئے اور سات زمینیں ملی ہوئی ہوں، اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا جائے، یہ جنت کی چوڑائی بنے گی، جنت کی لمبائی کتنی ہوگی؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں، اس جنت کی طرف دوڑو، اللہ کی مغفرت کی طرف دوڑو، رحمت کی طرف دوڑو، ان کو اس کی ترغیب دی گئی اور جب ترغیب ان کے سامنے ذکر کی گئی، اور ان کو یقین آ گیا، تو ”رَغِبُوْا“ اس کی رغبت میں مبتلا ہوگئے، ان کو جنت کا شوق ہوگیا۔

ترہیب کی ضرورت:

چوتھا فقرہ ہے: ”فَرُهِّبُوْا فَرَهِبُوْا“ اور ان کو ڈرایا گیا اللہ کے غضب سے، اللہ کے قہر سے، دوزخ سے، قبر کی سختی سے، قبر کی تنگی سے، نزع کی سختی سے، قبر کی تنگی سے، قبر کے عذاب سے، میدان محشر کی ہولناکیوں سے، جب ان کو ان سے ڈرایا گیا تو وہ ڈر گئے، ایسا کوئی کام نہیں کرتے جو کل اللہ کی بارگاہ میں، اللہ کی ناراضی کا سبب ہو، معلوم ہوا کہ ترغیب کے ساتھ ترہیب بھی چاہئے۔

مسلمانوں کے لئے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہے، ایک آدمی سب چیزوں کو مانتا ہے، لیکن جب تک اس کو ترغیب نہیں دی جاتی، اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور جب تک اس کو نہیں ڈرایا جاتا وہ اس سے باز نہیں آتا، خود ہمارے ساتھ ایسا ہوتا ہے، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں چیز صحیح نہیں ہے، لیکن کر رہے ہیں، چلو چلنے دو۔ مگر بعض

اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کتاب میں مسئلہ پڑھا، حالانکہ مسئلہ وہی ہے جو ہم نے پڑھا تھا، پہلے بھی ہمیں معلوم تھا، لیکن کتاب میں مسئلہ پڑھنے کے وقت ہم نے وہ چیز چھوڑ دی، مسئلہ ہمیں پہلے بھی معلوم تھا، لیکن جب مسئلہ ہمارے سامنے آیا اور ہم نے پڑھا تو ترہیب ہوگئی، اور اس چیز کو چھوڑنے کی ترغیب ہوگئی۔

لہٰذا اچھے کام کرنے کی اور نیکی کی رغبت دلاؤ، مسلمانوں میں نیکی پر جمنے کی، نیکی کی طرف رغبت کرنے کی، اور برائی سے بچنے کی، برائی سے رکنے کی استعداد موجود ہے لیکن اس کے لئے ضرورت ہے ترغیب وترہیب کی، ہمارے یہاں ترغیب و ترہیب کا مضمون بھی ٹوٹا ہوا ہے، ایک بے چارے یہ تبلیغ والے کچھ کام کررہے ہیں، لیکن لوگ ان پر سوسو اعتراض کرتے ہیں، کیا کیا اعتراض کرتے ہیں؟ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔

نکتے کی بات:

یہ دیکھو نکتے کی بات کہتا ہوں، کہنے والا دل سے کہے اور اخلاص کے ساتھ کہے اور سننے والا دل سے سنے تو انشاءاللہ تعالیٰ نفع سے خالی نہیں جائے گا، اگر کہنے والا صرف میری طرح زبان سے کہے، دل سے نہ کہے، اور سننے والے آپ کی طرح کانوں سے سنیں دل سے نہ سنیں تو بیکار ہے، مولوی صاحب کی تقریر گرمی محفل ہے بس، کچھ بھی نہیں ہے، اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

اکابر فرماتے ہیں کہ ایک گرمی وہ ہوتی ہے جو آگ سے حاصل کی جاتی ہے، اور ایک گرمی وہ ہوتی ہے جو کشتہ کھانے سے حاصل ہوتی ہے، بڈھے نے سونے کا کشتہ کھایا اور اس کے اندر حرارت بڑھ گئی، اور سردی کا مقابلہ کرنے کی اس میں طاقت پیدا ہوگئی، بوڑھے میں سردی کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی کیونکہ حرارت غریضیہ کم ہوجاتی ہے، اور جوان سردی کی پرواہ نہیں کرتا، اس کا وجود خود

مدافعت کرتا ہے، تو ایک ہے سردی دفع کرنے کا طریقہ کہ آگ جلا کر اس سے تاپتے رہو، اس سے سینکتے رہو لیکن اس کا ایک نقصان ہوگا۔

لطیفہ:

جیسے کہ میراثی کا لطیفہ ہے کہ میراثی گیا چودھری کے پاس، پوچھا کہ: میر صاحب کیا حال ہے؟ کہنے لگے: بس کیا بتائیں؟ وہ بچوں کو اٹھک بیٹھک نے مار دیا ہے، چودھری نے کہا کیا ہوا؟ میراثی بولا: چودہری صاحب جی! وہ آگ جلاتے ہیں ناں، رات کو سردی دفع کرنے کے لئے، لو ذرا کم ہوگئی تو آگے ہوگئے، تیز ہوگئی تو پیچھے ہوگئے، بس اسی ورزش میں ساری رات گزر گئی۔

تو اس آگ کا فائدہ تو ہوتا ہے، مگر وقتی فائدہ ہوتا ہے، اور ایک یہ کہ کسی نے کشتہ کھالیا تو اندر سے حرارت غریضی پیدا ہوگئی، اس میں طاقت آگئی، یہ ہوتی ہے پائیدار گرمی۔ تو یہ جو زبانی جمع خرچ ہوتا ہے، وعظ اگر زبان سے ہو اور ظاہری کانوں سے آدمی سنے تو صرف گرمی محفل سے جتنی دیر اس محفل میں بیٹھے رہے، خوب گرمے اور گرمائے رہے، اور جب اٹھ کے چلے گئے تو وہی ٹھٹھر شروع ہوگئی، اور ایک بات وہ ہوتی ہے جو دل سے کہی جائے اور دل پہ جا کے لگے، دل میں اثر کر جائے، زبان اور کان محض واسطہ بن کر رہ جائیں، بات اصل میں دل سے دل تک پہنچانی تھی، دل سے دل میں منتقل کرنی تھی، اور یہ زبان اور کان محض درمیان میں پائپ تھے، اکابر فرماتے ہیں ''از دل خیزد بر دل ریزد'' جو چیز دل سے نکلتی ہے دل پر اثر کرتی ہے، اگر کوئی بات ایسی ہو کہ دل سے نکلے اور دل میں منتقل ہوجائے، تو اس کا نفع تام ہوتا ہے وقتی نہیں ہوتا۔

امن واطمینان نہیں خوف چاہیے:

آگے فرماتے ہیں: ''خَافُوْا فَلَا یَأْمَنُوْنَ'' (ان حضرات کو ایسا خوف لاحق

ہوا کہ امن میں نہیں) ہر وقت بے سکونی ہے، بے اطمینانی ہے کہ پتہ نہیں ایمان ساتھ لے کر جاتے ہیں کہ نہیں جاتے، میں نے سنایا تھا کہ بادشاہ نے چھیڑا صوفی کو کہ میاں درویش تم اچھے ہو کہ ہمارا کتا اچھا ہے؟ کہنے لگے کہ حضور میرے درمیان اور آخرت کے درمیان ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں موت کی گھاٹی سے ایمان سلامت لے گیا، تو انشاءاللہ میں کتے سے اچھا ہوں، اور خدانخواستہ دوسری صورت ہوئی تو کتا مجھ سے بھی اچھا ہے، اور بادشاہ سے بھی اچھا ہے، ان کو تو ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے کہ خدانخواستہ ایسا نہ ہوجائے کہ ہم نقد ایمان ہار کر چلے جائیں، دنیا سے ایمان کے بغیر رخصت ہوجائیں، ان کو خوف طاری رہتا ہے کہ ان سے کوئی کلمہ بارگاہ الٰہی میں بے ادبی کا نہ صادر ہوجائے، کوئی بڑا بول نہ بولا جائے، کوئی ایسی بات نہ ہوجائے کہ میاں ناراض ہوجائیں۔

بن دیکھے یقین کیا:

آگے فرماتے ہیں: ''اَبْصَرُوْا مِنَ الْیَقِیْنِ مَا لَمْ یُعَایِنُوْا۔'' لوگ تو آنکھوں سے دیکھ کر مانتے ہیں، مگر یہ دل کے یقین کے ساتھ ایسا مانتے ہیں جس چیز کو نہیں دیکھا اس کو مان گئے، اللہ کو نہیں دیکھا مان گئے، دوزخ کو نہیں دیکھا، جنت کو نہیں دیکھا، قیامت کو نہیں دیکھا، قبر کے عذاب اور ثواب کو نہیں دیکھا، مان گئے، بہت سے لوگ نہیں مانتے، ان کی مرضی، بھائی ایک وقت آئے گا کہ یہ دیکھ کر مان جائیں گے، الحمدللہ اور اللہ کا شکر ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے بتایا ہم نے تو مان لیا ''اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا'' اس لئے کہ ہم ہزار بار دیکھیں، ہمارے ہزار بار دیکھنے پر وہ اعتماد نہیں، جو محمد ﷺ کے کہنے پر اعتماد ہے، ایک سرکار نے فرمادیا، بس ٹھیک ہے، ساری دنیا بھی تردید کرے، ساری دنیا جھوٹی ہوسکتی ہے، لیکن کملی والا ﷺ جھوٹا نہیں ہے، وہ سچا ہے۔

خوف کا ساتھ:

مزید فرمایا: ”فَخَلَطُوْهُ بِمَا لَمْ يُزَايِلُوْهُ۔“ سو انہوں نے اس خوف میں، اس عمل کو ملا دیا جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا عمل مستقیم عمل دائم۔ آگے ہے: ”اَخْلَصَهُمُ الْخَوْفُ۔“ ان کو خوف نے خالص کرلیا، اب کسی اور کام کا نہیں رہنے دیا، کھانا پینا ہے، بیوی بچوں کے جھگڑے ہیں، دنیا کے قصے ہیں، یہ بھی چلتے ہی رہتے ہیں، لیکن بس بقدر ضرورت اتنا ہی جتنا کہ مسافر بے چارہ زادراہ کا بھی انتظام کرتا ہے، راستے میں چلتے چلتے کبھی بھوک لگ جاتی ہے، کھانا بھی کھانا پڑتا ہے، اور دوسری ضروریات بھی مسافر کو پیش آتی ہیں، بس اتنی ہی جتنی کہ مسافر کی ضروریات ہوتی ہیں، اتنا ہی کرتا ہے باقی اپنے کام میں لگا رہا۔ فرماتے ہیں: ”اَلْحَيَاةُ لَهُمْ نِعْمَةٌ۔“ انہوں نے باقی رہنے والی زندگی کے لئے اس کو چھوڑ دیا، یہ جو فانی زندگی تھی، منقطع زندگی تھی، فرمایا: زندگی ایسے لوگوں کے لئے نعمت ہے، ایسے لوگوں کی زندگی نعمت ہے، اپنے لئے بھی نعمت دوسروں کے لئے بھی نعمت۔

آگے فرماتے ہیں: ”وَالْمَوْتُ لَهُمْ كَرَامَةٌ۔“ اور موت ان کے لئے کرامت ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّىْ۔“ یا اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لئے بہتر ہے اور فرماتے تھے۔ ”وَتَوَفَّنِىْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّىْ۔“ اور مجھے وفات دے جب کہ میرے لئے وفات بہتر ہے، موت ان کے لئے کرامت ہے، اور ایسی موت پر سو زندگیاں قربان، اللہ تعالیٰ ہمیں کرامت والی موت نصیب فرمائیں، اور شہادت والی موت نصیب فرمائیں، شہادت فی سبیل اللہ والی موت نصیب فرمائیں۔

حوران بہشتی سے نکاح:

مزید ارشاد ہے: ”وَزُوِّجُوْا مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ۔“ ان کی شادی کردی گئی

حور عین کے ساتھ، حور عین بہشتی کے ساتھ، وہ تمہاری منتظر کھڑی ہیں، جس کا شوہر پردیس میں گیا ہوا ہو، وہ دوشیزہ کتنی منتظر ہوتی ہے، تم پردیس میں آئے ہوئے، تمہاری بیویاں جنت کی بیویاں، حوران بہشتی تمہاری منتظر ہیں، لیکن کچھ لے کر تو جاؤنا یہاں سے، کوئی زیور وغیرہ تو لے کر جاؤ ان کے لئے، کوئی کپڑے وغیرہ لے کر جاؤ، کوئی نقد لے کے جاؤ۔

خدمت گار بچے:

فرمایا: ”وَاُخۡـدِمُـوۡا الۡـوِلۡـدَانَ الۡـمُـخَـلّـِدِيۡـنَ۔“ قرآن کریم میں ہے: ”وَيَطُوۡفُ عَـلَيۡهِمۡ وِلۡـدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ۔“ خادموں کے طور پر چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے، ہمیشہ چھوٹے رہیں گے، وہ خدمت کے لئے گھومتے پھریں گے، ان سے پردہ نہیں ہوگا، چھوٹے ہیں نا، ویسے بھی جنتی ہیں، وہ ایسے ہی رہیں گے، ان کی خوبصورتی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”اِذَا رَأَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُوًا مَّنۡثُوۡرًا۔“ جب تم ان کو دیکھو گے تو ایسا لگے گا کہ موتی بکھرے ہوئے ہیں، بکھرے ہوئے موتی یہ ان کے خادم بنادیئے گئے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائیں، حق کو اختیار کرکے باطل کو چھوڑنے کی، اور فانی کو چھوڑ کر باقی کے لئے محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شیعانِ علیؓ اور حضرات اہلِ بیتؓ

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے علاوہ اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت غیر مشروط ہے، یہ نہیں کہ اگر کوئی اچھی بات کہیں تو مانو اور اگر کوئی دوسری قسم کی بات کہیں تو نہ مانو۔ اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خیر کے علاوہ کوئی دوسری بات کہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صرف دین کے کاموں میں نہیں ہے، بلکہ خالص دنیاوی کام میں بھی تعمیل واجب ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ عَنْ اَبِیْ جَمِیْلَۃَ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا حِیْنَ قُتِلَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، اُسْتُخْلِفَ فَبَیْنَا ھُوَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ اِذْ وَثَبَ اِلَیْہِ رَجُلٌ فَطَعَنَہٗ بِخَنْجَرٍ فِیْ وَرِکِہٖ فَتَمَرَّضَ مِنْھَا اَشْھُرًا ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ: یَا اَھْلَ الْعِرَاقِ! اِتَّقُوا اللّٰہَ فِیْنَا فَاِنَّا اُمَرَائُکُمْ وَضِیْفَانُکُمْ وَنَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ الَّذِیْنَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا: فَمَا زَالَ یَوْمَئِذٍ یَتَکَلَّمُ حَتّٰی مَا تَرٰی فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا بَاکِیاً۔“ (تفسیر ابن کثیر ج:۳ ص:۴۸۶)

ترجمہ:...... ”طبرانی میں حضرت ابوجمیلہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو وہ خلیفہ ہوئے ایک دن وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی ان کی طرف لپکا پس ان کی سرین میں خنجر کا زخم لگایا جس سے وہ کئی مہینے بیمار رہے پھر آپ کھڑے ہوئے منبر پر اور خطبہ دیا، اس میں فرمایا

کہ: اے اہل عراق اللہ تعالیٰ سے ڈرو ہمارے معاملے میں بے شک ہم تمہارے امیر ہیں اور ہم تمہارے مہمان ہیں اور ہم اس اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا۔'' (احزاب:۳۳) (اللہ تعالیٰ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اے اہل بیت تم سے گندگی کو دور کردیں اور تم کو اچھی طرح پاک کردیں) پس اس دن آپ گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی آدمی بھی باقی نہیں رہا جو نہ رو رہا ہو۔''

اس واقعہ میں تین باتیں ذکر کی گئی ہیں:

۱:......ایک یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد جب حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے اور وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو ایک آدمی نے ان کو خنجر کا زخم لگایا، یہاں سرین پر یعنی کولہے پر، جس سے وہ کئی دن بیمار رہے۔

۲:......دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ آپ نے خطبہ دیا اور اہل عراق سے فرمایا کہ: ''اے اہل عراق ہمارے معاملے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو ہم تمہارے امیر بھی ہیں، حاکم بھی ہیں، اور تمہارے مہمان بھی ہیں کیونکہ مدینے سے آئے ہوئے ہیں، اہل عراق نہیں ہیں۔''

۳:......اور تیسری بات یہ فرمائی کہ: ہم ان اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا۔'' (احزاب:۳۳)

ترجمہ:......اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اے اہل بیت نبی ﷺ، اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور کردے اور تم کو پوری طرح پاک کردے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا خطبہ دیا کہ مسجد کے تمام لوگ

رو رہے تھے، اہل کوفہ اور اہل عراق یہ شیعان علی کہلاتے تھے یعنی حضرت علیؓ کا گروہ اور ان کی جماعت۔

شیعان علی کا کردار:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ کے بجائے کوفہ میں تشریف لے آئے تھے اور کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان لوگوں نے وفا نہیں کی، اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں نے بڑی ایذائیں پہنچائیں، شریف نجفی نے (جو شیعہ مصنف ہیں) اپنی کتاب ''نہج البلاغۃ'' میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جو چند خطبے جمع کئے ہیں ان میں بار بار اس بات کی شکایت کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بھی ان کو حکم فرماتے تھے، قتال کا، لڑائی کا، تو وہ اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے، اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی سے صلح کا ارادہ فرماتے تھے تو وہ اس پر معترض ہوتے تھے۔

شیعان علی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نگاہ میں:

ایک خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں سے تنگ آگیا ہوں اور شاید تم مجھ سے تنگ آگئے ہو، اللہ کی قسم! میں اس بات پر راضی ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سودا کرلوں، جس طرح کہ دینار کا درہم سے سودا کیا جاتا ہے، دینار سونے کا سکہ تھا اور درہم چاندی کا سکہ، ایک دینار کے دس درہم ملتے تھے تو میں چاہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے آدمیوں کا تم سے سودا کرلوں جس طرح کہ دینار کا درہم سے سودا کیا جاتا ہے، یعنی تمہارے دس آدمی دے دوں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک آدمی لے لوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے لوگ ان کے نہایت فرمانبردار ہیں، وہ جو حکم کرتے ہیں اس کی تعمیل کرتے ہیں لیکن تم لوگ میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔

اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے ہاتھوں کتنے تنگ ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلے پر وہ جان و دل سے راضی نہیں ہوتے تھے، نکتہ چینی کرتے تھے، معارضہ کرتے تھے، مقابلہ کرتے تھے تو ایسے لوگوں کو لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسے لڑیں؟ یہی معاملہ ان لوگوں نے ان کے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

حضرت حسنؓ کے ساتھ شیعان علی کے مظالم:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو یہ کہا جاتا تھا اور اہل کوفہ کہا کرتے تھے کہ یہ سخت آدمی ہیں، جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس سے بدلتے نہیں اور بلاوجہ لڑائی بھڑائی کرتے ہیں، مختلف قسم کی نکتہ چینیاں کرتے تھے، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت حسن سبط اکبر، نواسہ رسول، رسول اللہ ﷺ کے پھول، ریحانۃ النبی ﷺ انکا لقب تھا، یہ مزاج کے بہت نرم تھے، ان میں سخت گیری نہیں تھی اور نرم مزاج حاکم رعایا کے دل میں محبوب ہوتا ہے لیکن ان لوگوں کا رویہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی رہا یہاں تک کہ نماز کی جماعت کھڑی ہے، ایک آدمی نے خنجر کے ساتھ حملہ کیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا۔

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیمہ لوٹ لیا، سامان اڑا کے لے گئے، زدوکوب بھی کیا ایک صاحب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لئے آئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فرمانے لگے کہ تم دیکھ رہے ہو یہ لوگ جو میرے شیعہ کہلاتے ہیں انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کرلوں اور اپنی جان کو، اپنے اہل وعیال کو اس کے ذریعے سے محفوظ کرلوں اس لئے کہ اگر یہی عالم رہا تو میں سمجھتا ہوں کہ نہ میری جان محفوظ رہے گی ان لوگوں سے اور نہ میرے اہل وعیال محفوظ رہیں گے، نہ میرا خاندان محفوظ رہے گا۔

شیعہ اور حضرت حسینؓ:

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو کچھ ان کوفہ والوں نے کیا وہ تو سب کو معلوم ہے، ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور جن لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت کی تھی حضرت حسینؓ کو بلوا کر انہیں لوگوں نے آپ کے خلاف تلوار اٹھائی، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی، یعنی تینوں زمانوں میں ان لوگوں نے جو کہ شیعان علی کہلاتے تھے ان تینوں بزرگوں کی خوب خوب بددعائیں سمیٹیں اور شاید اسی کا اثر ہے کہ کبھی ان لوگوں کو چین نصیب نہیں ہوا، ان بزرگوں کی بددعائیں سمیٹنے کے بعد یہ کبھی چین سے نہیں بیٹھے، یہاں تک کہ سینہ کوبی شعار بن گیا۔

تو ایک مضمون تو یہ ہے کہ اہل کوفہ اور اہل عراق، جو خاص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ تھا ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور ان سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ رویہ۔

اور دوسرا مضمون ہے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو خطبہ دینا اور فہمائش کرنا جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے خطبات شریفہ میں ان کو بار بار فہمائش کرتے تھے، خدا کا خوف دلاتے تھے، نصیحت کرتے تھے، خیر خواہی کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے ان کی زبان کتنی مبارک ہوگی، کتنی بابرکت ہوگی، باب مدینۃ العلم تھے، ان کی زبان مبارک سے علم اور معرفت کے گویا چشمے پھوٹتے تھے، لیکن ان لوگوں پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی تھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خطبے دیئے، اور متعدد بار خطبے دیئے، ایک خطبہ کا اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے جس میں فرمایا:

اے اہل عراق تم اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس لئے کہ ہم تمہارے امیر بھی ہیں اور تمہارے یہاں مہمان بھی ہیں، امیر کا بھی حق ہے کہ جب تک وہ راہ راست پر چلے لوگ اس کی اطاعت کریں۔ آنحضرت ﷺ بار بار تاکید فرماتے ہیں: ”اِسمَعُوا وَاَطِیعُوا۔“ سنو اور اطاعت بجالاؤ یعنی اپنے حاکم کی سنو اور اس کی مانو، ”اِلَّا اَنْ تَرَوُا کُفرًا بَوَّاحًا عِندَکُم مِنَ اللہِ فِیہِ بُرھَانٌ۔“ (مشکوۃ:۳۱۹) الا یہ کہ تم دیکھو کہ وہ صریح کفر بک رہا ہے، تمہارے پاس اس معاملے میں اللہ کی جانب سے برہان موجود ہے۔

غیر مشروط اطاعت نبوی ﷺ:

یہ مسئلہ اس سے پہلے میں ذکر کرچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے علاوہ اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت غیر مشروط ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہے، یہ نہیں کہ اگر کوئی اچھی بات کہیں تو مانو اور اگر کوئی دوسری قسم کی بات کہیں تو نہ مانو۔ اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خیر کے علاوہ کوئی دوسری بات کہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صرف دین کے کاموں میں نہیں ہے، صرف یہ نہیں کہ دین کے کاموں میں آپ ﷺ کی بات مانی جائے، بلکہ اگر خالص دنیاوی کام میں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی شخص کے شخصی اور ذاتی معاملے میں کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس کی تعمیل بھی واجب ہے، قرآن کریم میں ہے:

”وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللہُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللہَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔“ (احزاب:۳۶)

ترجمہ:......”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ، کسی

معاملے کا فیصلہ کردیں تو ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہ جائے، (رسول اللہ ﷺ کا حکم صادر ہونے کے بعد کسی شخص کو اپنے ذاتی معاملے میں بھی اختیار باقی نہیں رہتا، تعمیل واجب ہے) اور جو شخص نافرمانی کرے، اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی، تو وہ بہہ گیا دور کی صریح گمراہی میں۔"

تو آنحضرت ﷺ کی اطاعت غیر مشروط ہے، مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ جب بھی فرماتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ میرے نیک کاموں میں اطاعت کرو۔

ماں باپ کی اطاعت مشروط ہے:

اسی طرح والدین کی اطاعت بھی فرض ہے، ماں باپ کی اطاعت بھی فرض ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔" (بنی اسرائیل:۲۳)

ترجمہ:......"اور تیرے رب نے قطعی فرمان جاری کردیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

لیکن ماں باپ کی اطاعت مشروط ہے غیر مشروط نہیں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ماں باپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف حکم نہ دیں اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف حکم دیں تو اطاعت کرنا جائز نہیں، قرآن کریم میں ہے:

"وَاِنْ جَاھَدَاکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا۔" (لقمان:۱۵)

ترجمہ:......"اور اگر تجھے والدین اس بات پر مجبور

کریں کہ تو ایسی چیز کی عبادت کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا
کہا نہ مان۔“

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ کے بہت ہی زیادہ فرمانبردار تھے جب یہ مسلمان ہوگئے تو ان کی ماں نے کھانا کھانا چھوڑ دیا، کہنے لگیں کہ تم مسلمان ہوگئے ہو، جب تک محمد ﷺ کے دین کو نہیں چھوڑتے میں کھانا نہیں کھاؤں گی، یہ ان کی بڑی منت سماجت کرتے رہے کہ اماں تم کھانا کھالو (دین کا معاملہ آدمی کا اپنا اختیاری ہے، اپنی اپنی سمجھ کے مطابق آدمی دین اختیار کرتا ہے) لیکن بڑھیا نہیں مان کے دیتی تھی، دو دن گزر گئے اس نے کھانا نہیں کھایا، تیسرے دن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اماں! اگر تو مر بھی جائے گی تو میں اسلام نہیں چھوڑوں گا، اب تیرا جی چاہے کھانا کھالے اور تیرا جی چاہے نہ کھا، مرجا، میں نہیں چھوڑوں گا اسلام چنانچہ اس نے کھانا کھانا شروع کردیا کہ یہ بیٹا تو نہیں مان رہا، بہرحال ماں باپ کا بہت بڑا حق، بہت بڑا حق ہے اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے ہر ایک کو یاد ہوگی: ”اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ۔“ (کنزالعمال: ج:۱۶ حدیث نمبر:۴۵۴۳۹) (جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ
عَلَى الْبَابِ اَوْ ضَيِّعْ۔“ (مشکوٰۃ:۴۲۰)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر تو چاہے تو اس کو قائم رکھ، چاہے تو اس کو ڈھا دے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا:

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ

رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً۔ قَالُوْا: وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: نَعَمْ! اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ۔"

(مشکوۃ ص:۴۲۱)

ترجمہ:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر فرمانبردار بیٹا اپنے ماں باپ میں سے کسی کو نظر رحمت کے ساتھ دیکھے تو ایک دفعہ نظر ڈالنے پر اللہ تعالیٰ اس کو حج مبرور کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔" (ایک دفعہ ماں باپ کو نظر رحمت کے ساتھ دیکھنے سے حج مبرور، حج مقبول کا ثواب ملتا ہے) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا چاہے ہم دن میں سو بار بھی اپنے ماں، باپ کو دیکھیں پھر بھی یہی ثواب ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر بھی یہی ثواب ملتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے اس سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ کو ثواب دینا کیا مشکل، کیا اللہ کا ثواب ختم ہوجائے گا؟ تو والدین کا بڑا درجہ ہے ان کی ہر جائز خواہش کو پورا کرو جہاں تک تمہارے امکان میں ہو، لیکن دو باتوں کا لحاظ رکھو:

ایک یہ کہ والدین کی اطاعت اللہ کی نافرمانی کرکے نہ کرو، شریعت کی خلاف ورزی کرکے نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماں باپ کی اطاعت پر مقدم ہے، اگر والدین اس پر ناراض ہوتے ہیں کہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات کیوں مانتا ہے؟ تو ان کو ناراض ہونے دو، اللہ ان کو ہمیشہ رنجیدہ رکھے دنیا میں بھی، قبر میں بھی، آخرت میں بھی، اللہ کبھی ان کا رنج دور نہ کرے اس لئے کہ وہ اپنی اولاد کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہوئے کسی کی حق تلفی نہ کرو، ساس اور بہو کا قضیہ تو ہمیشہ چلتا رہتا ہے اور شاید یہ اماں حوا کے زمانے سے چلا آرہا ہے، یہ ایسی لاعلاج بیماری ہے کہ کسی حکیم نے کبھی اس کا علاج نہیں کیا، کرہی کیا سکتا ہے؟ اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک، ماں کو خوش رکھے تو بیوی ناراض اور بیوی کو خوش رکھے تو اماں ناراض اور اس معاملے میں بعض احمق تو وہ ہیں جو زن مرید ہوکر ماں باپ کے گستاخ ہوجاتے ہیں، بیوی کی مانتے ہیں، ماں کی سنتے ہی نہیں، اس کے حقوق واجبہ بھی ادانہیں کرتے اور ان کے مقابلے میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ماں باپ کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور بیوی پر ظلم ڈھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بیوی ان کی غلام بن کر رہے، بہت اچھی بات ہے اگر کوئی بیوی شوہر کے ماں باپ کو اپنے ماں باپ سمجھتے ہوئے (کہ چونکہ شوہر کے ماں باپ ہیں اس لئے اپنے بھی ماں باپ ہیں) ان کی خدمت اسی طرح کرے جس طرح ماں باپ کی خدمت کی جاتی ہے تو یہ اس کے لئے بڑی سعادت ہے اور ایسی بچیاں دنیا اور آخرت میں خوشحال ہوتی ہیں۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بوڑھی عورتوں کی عادت ہوتی ہے طعن تشنیع کی، بہو یہ بھی برداشت کرتی رہے، کوئی بات نہیں ٹھیک ہے آخر ماں بھی تو ناراض ہوجاتی ہے نا بچیوں سے، کوئی حرج نہیں کرنے دو، تو اگر کوئی بہو ایسی نیک بخت ہو کہ اپنے شوہر کے والدین کو واقعتاً اپنے والدین سمجھے بلکہ ان سے بڑھ کر، تو یہ اس کی بہت بڑی سعادت ہے، اس کی کرامت اور بزرگی ہے، اس کی نیکی ہے اور انشاءَ اللہ دنیا میں بھی اس کا اجر پائے گی اور مرنے کے بعد بھی اجر پائے گی، لیکن بھائی! اگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوتی تو تم اس پر زبردستی نہیں کرسکتے، پھر شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کا چولہا الگ کردو، بہت سے گھر برباد ہوگئے ہیں صرف اس نقطے کی وجہ سے کہ لڑکی کی اپنی ساس کے ساتھ بنتی نہیں اور میاں نے اسکو اپنے میکے میں بٹھا دیا ہے۔

تو میں عرض کررہا ہوں کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری مشروط ہے اس کے ساتھ کہ کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو، اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے کسی کی حق تلفی کررہے ہو تو قیامت کے دن تم سے مواخذہ ہوگا اور تم فرمانبردار نہیں سمجھے جاؤ گے۔

حاکم کی اطاعت بھی مشروط ہے:

اسی طرح حاکم کی اطاعت بھی فرض ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف کوئی حکم نہ دے، اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت فرض نہیں: "فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔" اگر شریعت کی حدود میں حاکم کوئی حکم دیتا ہے تو امیر کا یعنی حاکم کا حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے حاکم ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایسی ناجائز بات کا تو حکم نہیں فرمائیں گے جیسا ان کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی ناجائز بات کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسے حاکم عطا فرمائے ہوں اور وہ ان کی قدر نہ کریں تو ان کی بڑی بدقسمتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہوسکتی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبات میں یہ فرمایا تھا کہ میں تم سے تنگ آگیا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے رخصت کردیں اور مجھے ایسے لوگوں کی رفاقت عطا فرمائیں جو تم سے بہتر ہوں اور تمہیں ایسے حاکم نصیب فرمائے جن کا تم مزہ چکھو، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تمہارے مہمان بھی ہیں، مہمان کا بھی حق ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتَ۔"

(مسند احمد ج:۲ ص:۱۷۴)

ترجمہ:......"جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہمسائے کو ایذا نہ پہنچائے (نہ قول کے ساتھ نہ فعل کے ساتھ)، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا مہمان کا اکرام ضروری ہے تو ہم تمہارے حاکم بھی ہیں اور تمہارے مہمان بھی ہیں اور تیسری بات یہ کہ ہم ان اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔" (احزاب:۳۳)

ترجمہ:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں یہ احکام اس لئے دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور رکھیں اور تم کو پوری طرح پاک اور پاکیزہ کریں جس طرح کہ پاک اور پاکیزہ کرنے کا حق ہے۔

اہل بیت کا مصداق:

یہاں پر یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہاں پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو آیت تلاوت فرمائی یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اور اس آیت کے ٹکڑے سے پہلے اور بعد میں سلسلہ گفتگو چل رہا ہے امہات المؤمنینؓ کے ساتھ اور پورے رکوع میں انہیں کے ساتھ گفتگو کا ذکر ہے اور اسی ضمن میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ اے اہل

بیت! اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کردے، ظاہر ہے کہ اس سے اخلاق اور اعمال کی گندگی مراد ہے یعنی تمہارے اخلاق بھی پاکیزہ ہوں، تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہوں، اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں۔ تو اہل بیت کون ہیں؟ چونکہ گفتگو چل رہی ہے ازواج نبی ﷺ کے بارے میں تو اہل بیت بھی وہی ہوں گے، اہل بیت کا خطاب بھی انہیں کے لئے ہے۔

ایک اور موقع پر بھی اہل بیت کا ذکر آیا ہے قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتے آئے تھے بیٹے کی خوشخبری لے کر، حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی خوشخبری لے کر فرشتے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَامْرَأَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔“ (ہود:۷۱)

ترجمہ:......ان کی اہلیہ کھڑی تھیں (حضرت اسحاق کی والدہ، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی) پس وہ مسکرائیں ہم نے اس کو خوشخبری دی حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی۔“

یعنی ہم نے ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور یہ بھی خوشخبری دی کہ صرف بیٹا نہیں پوتا بھی ہوگا، یعنی اسحاق کے بعد یعقوب بھی ہوگا، اور تم دونوں میاں بیوی بیٹے کی اولاد دیکھ کر کے جاؤ گے، کہنے لگیں کہ تعجب کی بات ہے کہ اب میں بچہ جنوں گی نوے سال کی بڑھیا؟ اوپر یہ میرے میاں کھڑے ہیں! اس پر ارشاد ہوا:

”قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔“ (ہود:۷۳)

ترجمہ:...... ''فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں تم پر اے گھر والو! بے شک اللہ بہت خوبیوں والا اور بہت بزرگی والا ہے۔''

یہ تو گھر ہی ایسا ہے کہ ہمیشہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا مورد رہا ہے، تو اگر حق تعالیٰ شانہ نے اس عمر میں بیٹا عطا فرمادیا کون سا مشکل ہے، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اب یہاں پر فرشتے اہل البیت (اے گھر والو) کس کو کہہ رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سے گفتگو کررہے ہیں، ان کو اہل بیت کہہ رہے ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کو فرشتے اہل بیت کہہ رہے ہیں، اور نبی کی بیوی کو اللہ تعالیٰ اہل بیت کہہ رہے ہیں۔

شیعہ اور اہل سنت کا اہل بیت کے مصداق میں اختلاف:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک چادر کے نیچے، کالی کملی کے نیچے حضرت علیؓ کو، حضرت حسنؓ کو، حضرت حسینؓ کو اور حضرت فاطمہؓ کو جمع کیا اور کہا:

''اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔'' (مجمع الزوائد ج:۹ ص:۱۶۷)

ترجمہ:...... ''اے اللہ یہ لوگ میرے گھر والے ہیں اہل بیت ہیں یا اللہ ان سے بھی گندگی کو دور کردے اور ان کو بھی پاک کردے۔''

بس ہمارا اور ان حضرات کا جھگڑا بس اسی ''بھی'' اور ''ہی'' میں ہوگیا۔

ہم نے کہا کہ نبی کی بیویوں کو قرآن نے اہل بیت کہہ دیا تھا، بات کو سمجھو مسئلہ سمجھ لو، نبی کی بیویوں کو، امہات المؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کہہ کر پکارا اہل بیت بھی انہیں کو کہا اور ان سے گندگی کو دور کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا،

ان کو پوری طرح پاک کردینے کا فیصلہ بھی خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ اس حکم میں ان کو بھی شریک کردیا جائے، چنانچہ ان کو چادر کے نیچے جمع کرکے اللہ سے دعا فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کی دعا مقبول ہے اس لئے یہ چاروں بھی رسول اللہ ﷺ کی چادر کے نیچے اہل بیت میں شامل ہوگئے اور قرآن کریم کا یہ اعلان کہ اللہ تعالیٰ تم سے گندگی دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے ان کو بھی شامل ہوگیا، کیونکہ حضور ﷺ کی دعا مقبول ہے،تو ہم نے کہا یہ بھی اہل بیت ہیں اور ان حضرات نے کہا نہیں یہی اہل بیت ہیں، جن کو اہل بیت قرآن نے کہا تھا ان کو خارج کردیا، یہ تو زیادتی کی بات ہے، انصاف کیا جائے جن کو قرآن اہل بیت کہہ کر پکار رہا ہے ''یانساء النبی، یانساء النبی، یانساء النبی'' بار بار اور درمیان میں چلتے چلتے ان کو کہہ دیا اہل البیت جیسا کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو کہا تھا اہل البیت ان سے بات کرتے ہوئے، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ فرشتے بات تو کررہے ہوں حضرت سارا سے اور اہل بیت کوئی اور ہو؟ کیا کسی کی عقل مانے گی؟ اسی طرح یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ گفتگو تو فرمارہے ہوں ازواج مطہرات سے لیکن ان کو اہل بیت کے زمرے سے خارج کردیں، یہ نہیں ہوسکتا، ہم نے کہا کہ اہل بیت تو ازواج النبی ﷺ ہیں، کیونکہ ان کو اللہ نے اہل بیت کہا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے کہا: یا اللہ! یہ چار بھی اہل بیت میں شامل کرلیجئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھیک ہے یہ بھی شامل ہیں اور وہ بھی شامل ہیں، ہمارا اللہ پر بھی ایمان، رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان، لہٰذا ہمارے نزدیک یہ سب اہل بیت ہیں۔

''پنج تن پاک'' کا مسئلہ:

اب ایک اور مسئلہ سمجھو، کہتے ہیں پنج تن پاک جب اللہ نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے تو ان کے پاک ہونے میں کیا شک ہے بھئی جن کو اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے گندگی دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں پوری طرح پاک

کردینا چاہتا ہے، تو کون کافر ہوگا جو ان کے پاک ہونے سے انکار کرے اور جب رسول اللہ ﷺ اپنی مبارک زبان سے دعا کررہے ہیں: ''اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔'' یا اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں یا اللہ ان سے بھی گندگی دور فرمادیجئے اور ان کو بھی پوری طرح پاک کردیجئے تو ان کے پاک ہونے میں کیا شک ہے، کسی مسلمان کے ذہن میں دور دور تک بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ خدانخواستہ نجاست اور گندگی کا کوئی شائبہ، کوئی دھبہ ان حضرات کے دامن پر لگا ہوا ہو۔

میری بات کو اچھی طرح سمجھ لو! حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، رسول اللہ ﷺ کی تو بات ہی کیا ہے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے ذہن میں کبھی دور تک بھی یہ وسوسہ نہیں آسکتا کہ خدانخواستہ ان حضرات کے دامن پر گندگی کی چھینٹ یا کوئی دھبہ دور سے بھی لگا ہوا ہو، ان حضرات کے پاک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ پھر جھگڑا کس بات کا؟ تم کہتے ہو یہی ''پنج تن'' ہی پاک ہیں، ہم کہتے ہیں یہ ''پنج تن'' پاک ہیں اور ازواج مطہرات بھی،'' بھی'' اور'' یہی ہی'' کا جھگڑا ہے، ہم کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے گھر میں جو نو بیویاں تھیں جن کو مسلمانوں کی مائیں کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پاکیزگی اور طہارت کا اعلان فرمایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں۔

مسلمان جب بھی بولتے ہیں ازواج مطہرات یعنی پاک مائیں! سبحان اللہ! ان کے دامن ایمان اور دامن اخلاق پر کوئی دھبہ باقی نہیں رہا، رکھا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے اور نبی ﷺ کے گھر میں ایسی ہی بیویاں ہونی چاہئے تھیں اور مسلمانوں کی مائیں ایسی ہونی چاہئے تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے بھائی تھے لیکن بمنزلہ فرزند تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی تھیں، لختِ جگر تھیں، جگر کا ٹکڑا تھیں اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کے

پھول تھے، وہ بھی پاک، یہ بھی پاک، یہ پنج تن بھی پاک، لیکن کہنے والے صرف ان کو پاک نہیں کہتے بلکہ دوسروں کو ناپاک کہنا چاہتے ہیں، ہمیں اختلاف اسی سے ہے۔

جب کسی کے دولڑکے کھڑے ہوں تم کہو یہ بچہ اپنے ماں باپ کا بڑا فرمانبردار ہے تو حقیقت میں تعریض ہوتی ہے کہ دوسرا نافرمان ہے، وہ ازواج مطہرات امت کی مائیں جن کو قرآن نے کہا تھا: ''وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔'' تم ان کے دامن پر چھینٹے اڑاتے ہو اور صرف اس لئے ان چار یا پانچ بزرگوں کو پنج تن پاک کہتے ہو، ہمیں اس سے اختلاف ہے، ان کے پنج تن پاک ہونے میں اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاک ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمیں اختلاف اس بات سے ہے کہ تم پنج تن پاک کہہ کر دوسروں کو ناپاک کہنا چاہتے ہو۔

معصوم اور پاک کا فرق:

ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ معصوم ہونا اور چیز ہے پاک ہونا اور چیز ہے، تم جانتے ہو کہ ہر گناہگار سے گناہگار مسلمان جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو اس کو گناہوں سے پاک کردیتے ہیں، پاک تو وہ بھی ہوگیا اور کوئی ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو پاک رکھتے ہیں یعنی گناہوں کی آلودگی سے ان کو ملوث ہی نہیں ہونے دیتے، یہ بھی پاک ہیں، اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ گناہوں کی آلودگی کے ساتھ ملوث ہونا ان کا ممکن ہی نہیں، ان کو معصوم کہتے ہیں، ہمارے نزدیک اولیاء اللہ محفوظ ہیں معصوم نہیں ہیں، پاک وہ بھی ہیں اور اللہ کے بے شمار بندے ہیں جو پاک ہیں، لیکن معصوم نہیں، معصوم صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

غصہ کے اسباب

اور علاج

غُصّہ کی تہذیب ضروری ہے، اور مشائخ اس کی تدابیر بتاتے ہیں کہ تمہارا غصہ مہذب ہوجائے، ایک ہے غصہ، دوسرا ہے غصے کے تقاضوں پر عمل کرنا، یہ شرعاً مذموم ہے، اگر یہ غصہ اپنے محل پر ہو اور تم نے اسے خاص خاص مواقع پر چھوڑا ہے تو بہت اچھا ہے، اللہ کے دشمنوں پر غصہ آتا ہے، تو یہ غصہ آنا چاہئے، اور اس کا موقع محل بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا مجھے اس موقع پر غصہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور کرنا چاہئے تو کتنا؟ بس یہ دو سوال ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

”عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَنْ خَافَ اللّٰہَ لَمْ یَشْفِ غَیْظَہٗ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ لَمْ یَصْنَعْ مَایُرِیْدُ وَلَوْلَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَکَانَ غَیْرَ مَا تَرَوْنَ۔“

(کنزالعمال ج:۱۶ ص:۲۶۴ حدیث:۴۴۳۷۴)

ترجمہ:......”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: کہ جو شخص اللہ کا خوف رکھتا ہو وہ اپنے غصے کو ٹھنڈا نہیں کرتا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ جو کچھ چاہتا ہے وہ نہیں

کیا کرتا، اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو اس کے سوا کچھ اور ہوتا جو تم دیکھتے۔“

بیہقی وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو اپنی ذات سے انصاف دے، اس کو اس معاملے میں کامیابی عطا کی جاتی ہے، اور اللہ کی فرمانبرداری میں ذلت اختیار کرنا، نیکی کے زیادہ قریب ہے بہ نسبت گناہ کے ساتھ عزت حاصل کرنے کے، یہ پانچ فقرے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مواعظ کے۔

پہلا فقرہ یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، وہ اپنے غصے کو ٹھنڈا نہیں کیا کرتا، یہاں تین باتیں ہیں، ایک ہے کسی کو غصہ آنا، اور دوسرا ہے غصے کے مطابق عمل کرنا، اور تیسرا ہے اس عمل کو جب تک غصہ ٹھنڈا نہ ہوجائے جاری رکھنا...... یہ تین چیزیں ہیں۔

غصہ کی مثال:

غصہ آنا تو ایک طبعی چیز ہے، ہر آدمی میں غصہ رکھا گیا ہے، اور حکماءٌ کہتے ہیں کہ غصے کی مثال اس کتے کی ہے جو گھر پر، یا فصل پر، کھیتی پر، یا ریوڑ پر پہرے کے لئے رکھا گیا ہو، ہر وہ چیز جو آدمی کو ناگوار ہوتی ہے، اس کے لئے وہ بھڑکتا ہے، غصہ بھڑکتا ہے، تو اس کی حیثیت مدافع اور پہرے دار کی ہے، کتا گھر میں ہوتا ہے تو وہ سارا دن آرام سے سویا رہتا ہے، کوئی آئے کوئی جائے، اس کو کوئی غرض نہیں، لیکن اگر کوئی چور چکار آئے یا کوئی مشکوک آدمی ہو تو وہ بھونکتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرا غصہ شکاری کتے جیسا ہونا

چاہئے، شکاری کتے کو اگر مالک شکار پر چھوڑے تو وہ جاتا ہے، اور بعض دفعہ تو اپنی جان بھی لڑادیتا ہے، اور اگر مالک اس کو نہ چھوڑے تو اس کو کوئی غرض نہیں ہوتی، چاہے سامنے سے شکار گزر رہا ہو، وہ نہیں بھڑکتا، اپنے آپ نہیں جاتا، یہ شکاری کتا سُدھایا ہوا ہوتا ہے، اور جس شخص کا غصہ سدھایا ہوا نہیں ہے، وہ باؤلے کتے کی طرح ہے، ہر ایک کو کاٹتا ہے، کوئی مہمان آجائے اس کو بھی کاٹتا ہے، اس کا بس چلے تو گھر والوں کو بھی کاٹتا ہے، غرضیکہ جو کوئی بھی سامنے آجائے اس کو کاٹتا ہے، تو آدمی کے اندر غصہ اللہ پاک نے رکھا ہے اور اسے خاص حکمت کی بناءٔ پر رکھا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ غصہ سُدھایا ہوا ہو، مہذب ہو، باؤلے کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹتا نہ پھرے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہر ایک پر غصہ آتا رہے، ذرا کسی نے مزاج کے خلاف کردیا تو مابدولت کا پارہ اوپر چلا گیا، یہ نہیں ہونا چاہئے۔

غصہ کی تہذیب:

غُصّہ کی تہذیب ضروری ہے، اور مشائخ اس کی تدابیر بتاتے ہیں کہ تمہارا غصہ مہذب ہوجائے، ایک ہے غصہ، دوسرا ہے غصے کے تقاضوں پر عمل کرنا، یہ شرعاً مذموم ہے، اگر یہ غصہ اپنے محل پر ہو اور تم نے اسے خاص خاص مواقع پر چھوڑا ہے تو بہت اچھا ہے، اللہ کے دشمنوں پر غصہ آتا ہے، تو یہ غصہ آنا چاہئے، اور اس کا موقع محل بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا مجھے اس موقع پر غصہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور کرنا چاہئے تو کتنا؟ بس یہ دو سوال ہیں، اگر بے موقع، بے محل آپ نے غصہ کیا تو یہ شرعاً مذموم ہوگا، اور یہ باؤلے کتے کی مثال ہوگی کہ ہر ایک کو کاٹتا ہے۔

غصے کے اسباب:

اور اگر آپ نے موقع محل پر غصہ کیا، یعنی غصے کا اظہار کیا تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حد شرعی کے اندر آپ رہے؟ یا باہر نکل گئے؟ تو میں نے کہا کہ غصہ تو ہر ایک میں اللہ نے رکھا ہے، لیکن غصے کا منشاً مختلف ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو کمزوری کی وجہ سے غصہ آتا ہے، اعصاب میں تحمل نہیں ہوتا، اور بعض بڈھوں کو زیادہ غصہ آتا ہے، حالانکہ بڑھاپے میں غصہ ٹھنڈا ہوجانا چاہئے، بچوں پر جوانی میں غصہ کرلیا اب تو ٹھنڈے ہوجاؤ، لیکن اب اس کا کیا کیجئے کہ قویٰ متحمل نہیں ہیں، غصہ آتا ہے تو برداشت نہیں ہوتا، کمزور آدمی کو زیادہ غصہ آیا کرتا ہے، اور جتنا آدمی زیادہ صحت مند، قوی دل و دماغ کا ہوگا اتنا ہی متحمل مزاج ہوتا ہے۔

کبھی غصہ آتا ہے انانیت کی وجہ سے، جس کو آپ چاہیں تو فرعونیت کہہ لیں، کہ آدمی یہ کہے کہ میرے منشا کے خلاف کیوں کرتا ہے؟ یہ جو ہمارے اندر (شیطان) بیٹھا ہے، یہ سب سے "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کہلوانا چاہتا ہے، اور جب دیکھتا ہے کہ یہ آدمی میرے سامنے رام نہیں ہوتا، اور میری انانیت و فرعونیت کو نہیں مانتا، "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کے نعرے کے سامنے سر نہیں جھکاتا تو اس کو غصہ آتا ہے کہ یہ آدمی میری منشا کے خلاف کہتا ہے؟ غصے کی یہ قسم اللہ معاف فرمائے کم و بیش ہم سب میں ہے۔ یہ بجا ہے، اور درست ہے کہ اگر مابدولت کو کسی نے کچھ بات کہہ دی ہے، جو مزاج عالی کے خلاف ہے تو غصہ برحق ہے، لیکن میرا بھائی ایسی بھی کیا بات ہے، چلو کہہ دیا تو کہہ دیا۔

خلیفہ ہارون الرشید کا انداز نصیحت:

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کا لڑکا اپنے باپ کے سامنے شکایت لایا اور کہنے لگا کہ مجھے فلاں سپاہی کے لڑکے نے ماں کی گالی دی ہے، ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے ارکان دولت سے پوچھا کہ کیوں بھئی کیا سزا ہونی چاہئے! کسی نے کہا کہ اس کو قتل کردینا چاہئے، خلیفہ کی بیوی کو اور سلطنت اسلام کی خاتون اول کو اس نے گالی دی ہے، کسی نے کہا زبان کاٹ دینی چاہئے، کسی نے کہا اس کا مال و جائداد ضبط کرلینا چاہئے، کسی نے کہا اس کو جلاوطن کردینا چاہئے، یا کم سے کم جیل کی سزا دینی چاہئے۔

ہارون الرشید نے بیٹے کو کہا بیٹا تم معاف کردو تو زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ اس نے اپنا منہ گندا کیا ہے ورنہ اس نے تمہارا کیا نقصان کیا؟ تمہاری ماں کو گالی لگی نہیں، اگر کسی کی ماں ایسی نہیں ہے جیسے اس نے کہا تو اس کا منہ گندا ہوا، اس کی ماں کا کیا بگڑا، تو بہتر یہی ہے، مکارم اخلاق تو یہ ہیں کہ تم اس کو معاف کردو، اور اگر تم سے برداشت نہیں ہوتا تو: ''وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔'' (الشوریٰ:۴۰)

برائی کا بدلہ اتنی برائی ہے، تم بھی اس کی ماں کو گالی دے دو، لیکن شرط یہ ہے کہ جتنی اس نے دی تھی اتنی دو، اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ اگر تم اس سے زیادہ دوگے تو تم ظالم بن جاؤگے اور تمہارا مخالف مظلوم بن جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکایت:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ شانہ کی دربار عالیہ میں درخواست کی تھی کہ یا اللہ! آپ قادر مطلق ہیں اور میں آپ کا کلیم ہوں، یہ دو دو پیسے

کے لوگ مجھے برا بھلا کہتے پھرتے ہیں، آپ ان کی زبان بند نہیں کر سکتے۔ ارشاد ہوا کہ موسیٰ! اپنی مخلوق کی زبان تو ہم نے اپنے سے بند نہیں کی، تجھ سے کیونکر بند کریں گے؟

غصہ کے متعلق حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ:

حضرات انبیاءٔ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کیا کچھ نہیں کہا گیا؟ اور ہمارے آقا، سید الکونین ﷺ، دو جہان کے بادشاہ کو کیا کچھ نہیں کہا گیا؟ اور اب تک کیا کچھ نہیں کہا جارہا؟...... اور ان سے اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ شانہ وجل مجدہ کی شان عالی میں لوگ کیا کچھ نہیں بکتے؟ اللہ سے صبر سیکھو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ ایک آن میں ساری دنیا کو تہس نہس کرڈالے، آن واحد میں، بلکہ آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے، لیکن وہ حکیم ہے، اور حلیم ہے، اگر کوئی شخص تمہاری برائی کرتا ہے، غصہ بجا ہے، آنا چاہئے، لیکن غصے کا پینا بھی تو مردانہ کام ہے، غصے کا جاری کرنا اور غصے کو اتارنا، غصے کے مطابق عمل کرنا...... یہ ہمت مردانہ نہیں، بلکہ تحمل کرنا، برداشت کرلینا مردانگی ہے۔

اہل اللہ کا ضبطِ نفس:

ایک بزرگ کو کوئی برا بھلا کہہ رہا تھا، فرمانے لگے بھائی تمہیں میری چند ظاہری چیزیں معلوم ہوگئی ہیں، تم ان کو بیان کررہے ہو، اللہ بہتر جانتا ہے، اگر میری اصل حقیقت معلوم ہوجائے تو تم پتہ نہیں کیا کرو؟ مجھے اپنے ان عیوب پر نظر ہے، جن پر تمہیں نہیں، اس لئے اگر کسی کا پورا وجود گندگی میں ملوث ہو، اور کوئی شخص اسے کہے کہ حضور! یہ ذراسی نجاست آپ کے کپڑے کے کنارے پر لگی ہوئی ہے، تو وہ غصہ

کرے گا؟......نہیں! بلکہ وہ تو یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے وجود کی نجاست اس کی نظر سے چھپالی، اسے صرف اتنی سی نظر آئی ہے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے گا، اور اسے کہے گا کہ بھائی تیرا شکریہ، ہم اس کو صاف کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ تجھے خوش رکھے۔

غصہ سے متعلق ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک بزرگ جارہے تھے، ایک آدمی ان کے پیچھے برا بھلا کہتے ہوئے چلنے لگا، وہ بزرگ چلتے چلتے ٹھہر گئے، فرمانے لگے میرے بھائی، میرے گھر کا دروازہ آگیا ہے، اب تو میں اندر چلا جاؤں گا، تمہیں کچھ اور کہنا ہے تو کہہ لو، میں ٹھہرتا ہوں، میں کھڑا ہوتا ہوں، کچھ تمہیں اور کہنا ہے تو کہہ لو، یہ تو ان لوگوں کی باتیں ہیں، جن کا غصہ مہذب ہوگیا تھا، اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آتا تھا، چنانچہ حدیث میں ہے:

”مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِہٖ قَطُّ۔“ (مسلم ص:۲۵۶)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

کوئی کچھ بھی کہے آپ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا، کبھی ہم نے اس پر غور بھی نہیں فرمایا، یہ جتنے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آپؐ کے اردگرد نظر آتے ہیں، معدودے چند حضرات کے سوا، باقی سارے کے سارے یہ وہی تو تھے جو حضور ﷺ کو برا بھلا کہتے تھے، یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاروق اعظم وہی ہیں جو تلوار لے کر کے آنحضرت کو قتل کرنے کے لئے نکلے تھے، اخلاق کی تلوار نے سب کو فتح کرلیا، اور وہ آنحضرت ﷺ کے عاشق زار بن گئے، اور اگر تم چاہو تو یوں کہہ لو کہ جب تک

اللہ کو منظور تھا، حضور ﷺ کے درمیان اور ان کے درمیان اللہ نے پردہ لٹکا دیا تھا، ان کی آنحضرت ﷺ کی حقیقت پر نظر نہیں تھی، اور جب توفیق الٰہی نے ان کی یاوری فرمائی، اور سعادت نے ان کی رہبری کی، تو اللہ تعالیٰ نے پردہ ہٹا دیا، آنحضرت ﷺ ان کے محبوب بن گئے، فتح مکہ سن ۸ھ میں ہوئی، جب سے رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا...... اس وقت سے لے کر فتح مکہ تک پورے بیس سال گزرے تھے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعزاز:

ابوسفیانؓ اور ابوسفیانؓ کی بیوی...... یہ نمبر اول کے دشمن تھے حضور ﷺ کے، مکے کے چوہدری ابوسفیانؓ، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد، جب مکہ فتح ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابوسفیان کو لے کر راستے میں آ گئے، اور ابوسفیان سے کہا کہ اب طاقت نہیں ہے...... بیعت کرلو، چنانچہ راستے میں آ کر مسلمان ہوئے، اور آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا: ”مَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ۔“ (مسند احمد ج:۲ ص:۲۹۲) ترجمہ: جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کردیا اس کو امن اور جو ابوسفیانؓ کے گھر میں چلا جائے گا اس کو امن۔

قبول اسلام سے پہلے حضرت ہندہؓ کی کیفیت:

جس کا گھر سب سے بڑا دارالحرب تھا، آج اس کا گھر دار الامن ہے، اور ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ وہ ابوسفیانؓ سے بھی دو ہاتھ آگے تھی، جب ابوسفیانؓ مسلمان ہوکر مکہ مکرمہ گئے، تو اس نے اپنے شوہر کی داڑھی پکڑلی، کہنے لگی تیرے جیسا بزدل نامرد، محمد کی بیعت کر کے آگیا، شرم نہیں آتی تجھے، انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ ابھی

آتے ہیں، تمہیں پتہ چل جاتا ہے، اس وقت انہوں نے تلخی سے جواب نہیں دیا، اتنا کہا، محمد ﷺ ابھی آتے ہیں، تمہیں پتہ چل جاتا ہے، مکہ مکرمہ بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے فتح ہوگیا، آنحضرت ﷺ دیوار کعبہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، یہی مکے والے آ آ کے بیعت کر رہے تھے۔

قبول اسلام کے بعد ہندہؓ کی حالت:

مرد بیعت کر چکے تو عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں، ان عورتوں میں ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ بھی تھی، منہ پر نقاب پہنے ہوئے تھی، لمبا قصہ ہے مختصر کرتا ہوں، بیعت کر چکیں، تو کہنے لگیں کہ یارسول اللہ! آج کے دن سے پہلے دنیا کی زمین کی سطح کا کوئی انسان مجھے آپ سے زیادہ ناپسند نہیں تھا، اور اللہ کی قسم! آج آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا...... ادھر بھی یہی معاملہ ہے، ادھر بھی یہی معاملہ ہے۔

غصہ میں اسوۂ نبوی ﷺ:

یہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے، میں نے اس لیے ذکر کیا کہ ہندہ کچھ دیر پہلے اپنے شوہر کی داڑھی پکڑ کر کھینچ رہی ہے کہ ''محمد ﷺ کی بیعت کیوں کر آئے ہو''...... ایک دن پہلے کی یہ بات ہے، اگلی صبح کو آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے...... ان صاحبہ کو آنحضرت ﷺ سے کتنی نفرت ہوگی، کتنا بغض ہوگا، اور آنحضرت ﷺ کو کیا کیا کہتی ہوں گی؟...... لیکن التفات ہی نہیں فرمائی، اور جب اللہ تعالیٰ نے وہ پردہ سرکا دیا...... تو حقیقت محمدیہ ﷺ کی ذرا سی جھلک نظر آ گئی...... تو سمجھ میں آگیا کہ محمد ﷺ یہ ہیں، تب سارے کا سارا بغض، محبت میں تبدیل ہوگیا۔ نفرت،

الفت میں بدل گئی، تو غرضیکہ اگر ہمیں کوئی برا بھلا کہتا ہے تو ہماری انانیت کو تحریک نہیں ہونی چاہیے، ذرا ٹھنڈا کر کے کھاؤ کہ معاف کردینے میں وہ لذت ہے جو انتقام میں نہیں ہے، آج دنیا اس نکتے سے غافل ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے انتقام نہ لیا تو ہماری کمزوری سمجھی جائے گی، قدرت کے باوجود انتقام نہ لینا کمزوری نہیں ہے، عزت اور رفعت ہے، ہاں کمزور آدمی جو بے چارہ انتقام لینے پر قادر نہیں، وہ اگر صبر کے گھونٹ پیتا ہے تو اس کو آپ کمزوری کہہ سکتے ہیں، لیکن جس کو انتقام لینے کی قدرت ہے، اور قدرت کے باوجود وہ انتقام نہیں لیتا...... تو یہ کمزوری نہیں ہے۔ شیطان تمہیں بھڑکانے کے لئے انجکشن لگاتا ہے کہ دیکھو اگر تم نے انتقام نہ لیا، اگر تم نے خاموشی اختیار کرلی، اگر تم نے مخالف کی باتیں سن کر صبر کرلیا، اور زبان روک لی تو لوگ کیا کہیں گے؟ اور پھر تو تمہیں کمزور سمجھا جائے گا۔

شیطان بھڑکاتا ہے:

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَّعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَھُمْ۔''

ترجمہ: ''شیطان مایوس ہوچکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں دوبارہ اس کی عبادت کی جائے، یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جائے۔ لیکن ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں اس کو طمع ہے۔''

اور یہ انسان کی دکھتی ہوئی رگ ہے، جس کو شیطان دباتا ہے، اور منشأ اس کا

وہی انانیت ہے، تبھی تو غصہ آتا ہے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف بات سن کر غصہ آتا ہے تو یہ غصہ برحق ہے۔

آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے ابوسفیان، ایک تو ابوسفیان یہ تھے جن کا تذکرہ میں نے ابھی کیا تھا، یہ ابوسفیان ابن حرب ہیں، اور یہ عبدالشمّس کی اولاد ہیں، اور ایک آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی ابوسفیان ہیں، ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب...... یہ رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین مخالف تھے، اور نہایت گالیوں کے قصیدے آنحضرت ﷺ کے بارے میں تصنیف اور نظم کرتے تھے، انہی کو حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا وَاَجَبْتُ عَنْهُ...... وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ الْجَزَاءُ

ترجمہ:...... ''تم نے محمد ﷺ کی برائی کی ہے اور میں نے اس کا جواب دیا ہے، اور اللہ کے نزدیک اس میں میرے لئے جزاءُ ہے۔''

اَتَهْجُوْهُ وَلَسْتَ لَهٗ بِكُفْءٍ...... فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا فِدَاءُ

ترجمہ:...... ''تو آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، منہ تو دیکھو اپنا تو ان کے برابر کا بھی ہے؟''

فَاِنَّ اَبِيْ وَ وَالِدَتِيْ وَعِرْضِيْ...... لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

ترجمہ:...... ''میرا باپ، میری ماں اور میری آبرو، محمد ﷺ کی آبرو کے لئے ڈھال ہیں، اب تم کو جتنی گالیاں نکالنی ہوں گی مجھے نکالو گے محمد ﷺ کو نہیں۔''

شجاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

بات میں سے بات یاد آجاتی ہے، یہی ابوسفیان ابن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کے جواب میں حضرت حسانؓ نے یہ قصیدہ لکھا، اور اس کے چند شعر صحیح بخاری میں آئے ہیں، فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوازن کی جنگ کے لئے تشریف لے گئے، جس کا تذکرہ سورہ توبہ میں ہے: ”وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔“ (التوبہ:۲۵)

اس موقع پر صرف یہی ایک ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے، سب کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور دوسرے یہ چچا زاد بھائی ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب...... یہ دو حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اتر کر کہہ رہے تھے: ”اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا بْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ“ (میں نبی ہوں، جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، بھاگنے والا نہیں ہوں) بجائے اس کے کہ ایسے موقع پر خچر پر سوار ہو کے بھاگ جائیں...... نہیں، نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر سے نیچے اتر آئے، اور حضرت عباسؓ سے فرمایا: عباسؓ! ذرا آواز دو، درخت کے نیچے بیٹھ کر، جنہوں نے بیعت کی ہے وہ کہاں چلے گئے؟ اس کو قرآن نے بھی ذکر کیا ہے:

”لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔“

(سورۃ الفتح:۱۸)

فرمایا: ”اَيْنَ اَصْحَابُ الشَّجَرَةِ؟“ چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی

آواز بہت بلند تھی، چنانچہ جب پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہوکر آواز لگاتے، تین میل تک آواز جاتی تھی، وہیں چھوٹے سے ٹیلے پر کھڑے ہوکر حضرت عباسؓ نے کہا: ”یَا اَهْلَ الْاَنْصَارِ؟“ (انصار کہاں چلے گئے؟) ”اَیْنَ اَصْحَابُ الشَّجَرَةِ؟“ وہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے کہاں چلے گئے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کی آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ صحابہ کرامؓ اس طرح دوڑے رسول اللہ کی طرف، جیسا کہ بچے اپنی ماں کی طرف دوڑتے ہیں، اور اس کے بعد اللہ نے فتح عطا فرمائی۔

تو میرے بھائیو! یہ حضرت ابوسفیان تھے جن کے جواب میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ قصیدے کہہ رہے ہیں، اور جنگ ہوازن میں، حنین میں، یہی ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔

تو خیر! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کیخلاف اگر کوئی کچھ کرتا ہے...... تو اس کو جواب دینا چاہئے، کیونکہ یہ اپنی ذات کے لئے نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، دین اسلام کی کسی بات پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو یہ مسلمان کو برداشت نہیں کرنا چاہئے، لیکن بھئی! اس وقت بھی حکمت سے کام لینا چاہئے، تو یہ دوسرا مرحلہ تھا غصے کے اظہار کا۔

تیسرا مسئلہ ہے غصے کو ٹھنڈا کرنا، غصے کا ٹھنڈا کرنا جانتے ہو؟ نہیں! کبھی ہمارے مدرسے میں آجاؤ، جہاں بچے پڑھتے ہیں مکتب کے، وہ قاری صاحب جو غصہ ٹھنڈا کرتے ہیں اس کو دیکھو، کسی چھوٹے سے بچے نے قصور کردیا، چلو معمولی ایک آدھ طمانچہ لگادیا، ایک معمولی چھڑی لگادی، ختم ہوگئی بات، تنبیہ کردی۔

قاری صاحبان کا بچوں کو مارنا:

لیکن بعض قاری صاحبان بچے کو اس طرح ذبح کرتے ہیں جیسے ایک قصاب بکری کو ذبح کرتا ہے، اور جب تک کہ وہ چھڑی بے چاری ٹوٹنے نہیں لگ جاتی اور قاری صاحب کے ہاتھ دکھنے نہیں لگ جاتے اس وقت تک قاری صاحب کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

"احکام الصغار" ایک کتاب ہے فقہ حنفی کی، جس میں چھوٹے بچوں کے احکام لکھے ہیں، اللہ کے بندوں نے وضو سے لے کر، وصایا تک سارے کے سارے چھوٹے بچوں کے احکام پر کتاب لکھ دی ، اسی میں لکھا ہے کہ بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کے لئے کہو، اور دس سال کا ہوجائے اور خود نہ پڑھے تو مار کر نماز پڑھاؤ، لیکن تین ضربوں سے زیادہ مارنے کی اجازت نہیں، اور لکڑی سے مارنے کی اجازت نہیں، اور اسی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جو شخص بچے کو بے دردی سے پیٹتا ہے، قیامت کے دن اس کا قصاص لیا جائے گا، ہم تو قاری صاحبان سے کہہ کہہ کر تھک گئے کہ بچوں کو نہ مارا کرو، لیکن وہ کہتے ہیں یہ پڑھتے نہیں ہیں، میں کہا کرتا ہوں کہ اگر بچے نہیں پڑھتے تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ تمہیں پڑھانا نہیں آتا، بھلا کیا بچے مارنے سے پڑھتے ہیں؟ اور یہی سلسلہ تمہارے گھروں میں بھی ہے، یہ قاری صاحب کی مثال تو میں نے ویسے دی ہے، اخلاق اور شرافت کے ساتھ اولاد کو تنبیہ کرو۔ تم تو حلال اور حرام کی تمیز ہی نہیں کرتے، جائز اور ناجائز تو تمہاری شریعت میں ہے ہی نہیں، تمہارے معاشرے کی شریعت میں، اسلام کی شریعت کی بات نہیں کر رہا، تمام قسم کی گندگیاں تم نے گھروں میں ڈالی ہوئی ہیں، اور تم چاہتے ہو کہ بچے بااخلاق اور

خالد ابن ولید بنیں، یہ بچے ٹی وی دیکھنے والے، ڈش انٹینا دیکھنے والے اور ریکارڈنگ سننے والے، ان سے توقع رکھتے ہو کہ یہ خالد ابن ولیدؓ کے نقش قدم پر چلیں گے؟ جو بالغ ہونے سے پہلے بالغ ہوجاتے ہیں۔

منبر پر بیٹھا ہوا ہوں، اچھی بات نہیں ہے کہ اس کی تشریح کروں کہ وقت سے پہلے بالغ ہونا کیا ہوتا ہے؟ تم لوگ یا تو اس کا لحاظ ہی نہیں کرتے کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے، کیا انسانیت، کیا شرافت ہے، بچوں کو کس چیز کی تعلیم دی جائے؟ اور اگر کبھی کسی بچے سے غلطی ہوجاتی ہے تو غلطی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، غلطی انسان کا خاصہ ہے، چھوٹے بچے تو تمہارے بچے ہیں، مجھے ایک صاحب کی بات بہت پسند آئی، فرمانے لگے: تم بھی کبھی بچے تھے، مجھے یہ بات بہت اچھی لگی، بچوں کی تو شرارتیں اور ان کی غلطیاں بھی معصوم ہوتی ہیں بھئی، اچھے انداز سے ان کو سمجھاؤ اور کوشش کرو کہ ان کی تربیت صحیح انداز سے ہو، میرے پاس دوتین آدمیوں کا کیس آیا ہے کہ اولاد جوان ہوگئی مگر یہ بڑے میاں اب بھی غصہ کررہے ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ بیوی بھی مخالف، بچے بھی مخالف ہوگئے اور بڑے میاں کو گھر سے نکال دیا، چلو جاؤ، چھٹی کرو، تو اگر کوئی بات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف ہو تو ضرور غصہ آنا چاہئے، لیکن حکمت کے ساتھ، اسی طرح اپنے چھوٹوں پر غصہ ٹھنڈا نہ کرو کہ جب تک تمہارا دل ٹھنڈا نہیں ہوجاتا اس وقت تک تم اپنا غصہ ہی جاری کرتے رہو، یہ نہیں ہونا چاہئے۔

غصہ کا علاج:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہو، وہ اپنے غصے کو ٹھنڈا نہیں کیا کرتا، اس میں ایک علاج بھی تجویز فرمادیا ہے،

جب تمہارا غصہ بھڑ کے تو اتنا سوچ لیا کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر غصہ کرنے لگیں تو میرا ٹھکانہ کیا ہوگا!!

یہ سوچو کہ میں نے اپنی پوری طاقت ان کے خلاف کام میں صرف کر دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ میری غلطیوں پر، جو اس سے ہزاروں گنا، ہزاروں درجہ بڑی ہیں، اپنی طاقت استعمال کرنے لگیں تو پھر کیا ہوگا؟ ڈرو اللہ سے، اللہ کا خوف کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کرتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قہرمانیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، تھوڑی سی گوشمالی کرتے ہیں اور پھر تم اس میں چلاتے ہو، یہ جزأ و سزا کا ایک مستقل موضوع ہے۔

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے، اور میرے پاس لوگ اپنی شکایتیں لکھتے رہتے ہیں، کسی بیچارے نے لالچ میں آ کر قرآن کریم کی جھوٹی قسم تو کھالی، لیکن پھر قرآن کریم کی ایسی مار پڑی کہ دشمن بھی عبرت پکڑ کر کان پر ہاتھ رکھتے ہیں، اور دشمنوں کو بھی رحم آتا ہے، تم اللہ کے نام کو کھیل سمجھتے ہو؟ اللہ کے حلم پر نہ جاؤ اللہ کے حلم پر نہ جاؤ، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ حلیم کے غصے سے ڈرو، حلیم برداشت کرتا رہتا ہے، پکڑتا نہیں ہے، غصہ نہیں کرتا، لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر چھٹکارا مشکل ہوجاتا ہے۔

جو اللہ سے ڈرے وہ من چاہے اعمال نہیں کرتا:

اور دوسری بات یہ فرمائی کہ جو شخص اللہ سے ڈرے وہ اپنے من چاہے اعمال نہیں کرتا، جب اسے کہیں کہ یہ کیوں کیا؟ وہ یہ نہیں کہتا کہ میری مرضی، میں نے کرلیا، ارے تو کون ہے اور تیری مرضی کیا ہے؟ ذرا تھوڑا سا سوچ تو لیتے، تم ہوتے کون ہو؟

کس کھیت کی مولی ہوتم؟ تمہاری بھی مرضی چلتی ہے دنیا میں؟ میاں! اگر تمہارے سامنے اللہ کی ذات ہوتی تو تمہارے منہ سے میری مرضی کا لفظ نہ نکلتا۔ غلطی آدمی سے ہوتی ہے، لیکن وہ اکڑ کر "میری مرضی" نہیں کہتا۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ "قیامت کا ڈر ہے" تم زندگی دیکھ رہے ہو ورنہ...... کچھ اور دیکھتے، جس شخص کے سامنے یہ ہو کہ میری ہر بات پر قیامت کے دن باز پرس ہونے والی ہے...... میزان عدل قائم ہونے والی ہے، اور میرے ہر عمل کو کانٹے پر تول کر دیکھا جائے گا...... تو وہ ذرا محتاط زندگی بسر کرے گا۔

چوتھا فقرہ یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کو اپنی ذات سے انصاف دے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو اس کے تمام معاملات میں کامیابی دی جاتی ہے، لوگوں سے تو انصاف ڈھونڈتے اور مانگتے ہو، لیکن خود بھی تو دوسروں کو انصاف دو، یعنی جس چیز کا تم دوسرے لوگوں سے مطالبہ کرتے ہو، ہائے کاش! کہ تم نے بھی لوگوں کو انصاف دیا ہوتا۔

"تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ۔"

یہ دن ہیں ہم ان کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں لوگوں میں، کبھی تمہاری چڑھت تھی، تم نے اللہ کی مخلوق کو ستایا، اب اللہ نے ستانے والوں کو تم پر مسلط کر دیا، اور ایک وقت آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ ان پر دوسروں کو مسلط کریں گے۔

حج کے انعامات

بیت اللہ شریف تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے، اور رحمت خداوندی کی تقسیم کا مرکز ہے، روزانہ ایک سو بیس رحمتیں بیت اللہ پر نازل ہوتی ہیں، اور دنیا میں جتنی رحمتیں اور جتنی برکتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں وہ بیت اللہ پر اترتی ہیں اور پھر وہاں سے پورے عالم میں تقسیم ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

میری طبیعت علیل چل رہی ہے، آج بہت ہی ہمت کرکے اپنے آپ کو آمادہ کیا ہے کچھ بیان کرنے کے لئے۔ اسلام کے ارکان میں سے پانچواں اور آخری رکن حج بیت اللہ ہے۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں (۱): ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ کی گواہی دینا یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور نبی برحق ہیں۔ (۲) پانچ وقت کی نماز قائم کرنا۔ (۳) رمضان مبارک کے روزے رکھنا۔ (۴) مالداروں کے لئے جو صاحب نصاب ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۵) اور پانچواں رکن ہے حج بیت اللہ، یعنی بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

فرضیت حج:

حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، اور یہ اس شخص پر فرض ہے جو وہاں جانے کی طاقت رکھتا ہو، جو شخص طاقت نہیں رکھتا اس پر حج فرض نہیں، اور جو شخص ایک مرتبہ حج کرلے اس پر دوبارہ حج کرنا فرض نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

’’عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ

فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحَجُّوْا. فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا. فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ......الخ۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ:......’’ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حج بیت اللہ کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا، تو حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حج صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے، یا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش رہے، یہاں تک کہ جب اس نے تین بار سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو ہر سال فرض ہوجاتا پھر تم اس کو کر نہ سکتے، پھر فرمایا صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے۔‘‘

شیخ بنوریؒ کے حج وعمرے:

بہرحال حج عمر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے یوں اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ہمیشہ حج کے لئے جانا چاہئے اور بار بار جانا چاہئے، ہمارے حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ رمضان میں عمرہ کے لئے، اور دوسری مرتبہ حج کے موقع پر، اور پھر فرماتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کیوں جاتا ہوں، نہ طواف کرسکتا ہوں، نہ کوئی عمل کرسکتا ہوں، بس بیٹھا بیت اللہ شریف کو دیکھتا رہتا ہوں، چونکہ حضرتؒ کو گھٹنوں میں تکلیف رہتی تھی اس لئے زیادہ طواف اور عمرے نہیں کر پاتے تھے، اور کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہم بیٹری

چارج کرنے کے لئے جاتے ہیں، یہ بیٹری کون سی تھی؟ دل کی، روحانیت کی، ایمان و یقین کی اور تعلق مع اللہ کی۔

تجلیات الٰہی کا مرکز:

بیت اللہ شریف تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے، اور رحمت خداوندی کی تقسیم کا مرکز ہے، روزانہ ایک سو بیس رحمتیں بیت اللہ پر نازل ہوتی ہیں، اور دنیا میں جتنی رحمتیں اور جتنی برکتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں وہ بیت اللہ پر اترتی ہیں اور پھر وہاں سے پورے عالم میں تقسیم ہوتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ظاہری اور باطنی سعادتوں کا مرکز بنایا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ”وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْنًا۔“ (البقرہ)۔ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور مقام امن ہمیشہ سے مقرر رکھا) نا معلوم مشرق ومغرب سے، جنوب وشمال سے، کس کس خطے سے لوگ دیوانہ وار لبیک لبیک پکارتے ہوئے آرہے ہیں، جیسے پروانے شمع پر ٹوٹتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ حرمین شریفین جانے کا اتفاق تو ہمیشہ ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ چار باتیں ذہن میں آئیں جن کو میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

روحانی طور پر دلوں کا مقناطیس:

ایک بات ذہن میں آئی اور میں اس کو عطیہ الٰہی سمجھتا ہوں، گویا وہاں سے انعام ملا ہے کہ ساری دنیا جو یہاں کھنچ کھنچ کر جمع ہورہی ہے تو آخر کیوں جمع ہورہی ہے؟ بیت اللہ شریف کا ایک تو ظاہری نقشہ ہے، کہ پتھروں کی عمارت ہے، جن میں سیمنٹ لگایا ہوا ہے، نہ سنگ مرمر ہے، نہ کوئی اور ظاہری زینت کی چیز ایسی ہے جو

لوگوں کے لئے موجب کشش ہو، موٹے موٹے پتھروں کی عمارت، یہ بیت اللہ ہے، اوپر سیاہ غلاف پڑا ہوا ہے اس میں کوئی مادی کشش نہیں ہے کہ لوگ اس کی چمک دمک کو دیکھنے کے لئے آئیں، جیسے تاج محل کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، یا کسی اور خوبصورت عمارت کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، وہاں کوئی ظاہری، مادی کشش اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی، لیکن باطنی اور روحانی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کو دلوں کا مقناطیس بنایا ہے، جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اس طرح بیت اللہ قلوب کو اپنی طرف کھینچتا ہے، چنانچہ تمام اہل ایمان کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اللہ کے گھر پہنچ جائیں، کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا اور یہ آرزو چٹکیاں نہ لیتی ہو، اور جس دل میں اللہ کا گھر دیکھنے کی تمنا نہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے وہ صحیح معنی میں مسلمان ہی نہیں، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرضیت حج کا اعلان فرمایا: ”وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔“ (آل عمران) (اور لوگوں کے ذمے ہے اللہ کی رضا کی خاطر اس بیت اللہ کا حج کرنا جو شخص یہاں پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو) تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا: ”وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ“ (اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غنی ہے جہان والوں سے، اللہ کو کسی کی احتیاج نہیں ہے) اس میں اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے نہ آنے کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔“ (مشکوٰۃ ص ۲۲۲)

ترجمہ:...... ”جس شخص کو حج کرنے سے نہ فقر و فاقہ

مانع تھا، نہ ظالم حاکم مانع تھا، نہ کوئی روکنے والی بیماری مانع تھی، اس کے باوجود وہ حج کئے بغیر مر گیا تو (اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں) چاہے وہ یہودی ہوکر مرے، چاہے نصرانی ہوکر مرے۔'' نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

تو میں نے کہا کہ ہر مومن کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں لیتی ہے کہ کسی طرح اللہ کے گھر پہنچے، اور یہ تقاضائے ایمان ہے، اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا تو پھر کہنا چاہئے کہ اس کا ایمان ہی صحیح نہیں، تو بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیت عطا فرمائی ہے، میں نے کہا کہ وہاں کوئی مادی کشش نہیں ہے کہ وہاں ظاہری طور پر کوئی نظارہ قابل دید ہو، وہاں دلچسپ مناظر ہوں، لیکن باطنی کشش اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے کہ ہر آدمی کا جی چاہتا ہے کہ بیت اللہ سے لپٹ جائے اور لپٹ کر جتنا روسکتا ہے روئے، چنانچہ حکم بھی ہے لپٹنے کا، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو ملتزم سے لپٹا جائے، بیت اللہ شریف کے دروازے اور حجر اسود کے کونے کے درمیان کا جو حصہ ہے یہ ملتزم کہلاتا ہے، ملتزم کے معنی ہی یہ ہیں ''لپٹنے کی جگہ'' کسی اور جگہ نہیں لپٹنا چاہئے کہ ادب کے خلاف ہے، وہاں اپنے جذبات پر نہیں بلکہ آئین ادب پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ جہاں چاہو بیت اللہ سے لپٹتے رہو، یہ ادب کے خلاف ہے، لپٹنے کی جگہ ملتزم کو بنادیا، اور دوسری جگہ میزاب رحمت کے نیچے حطیم کے اندر وہاں لپٹ جاؤ، الغرض کسی کو وہاں پہنچنے کی، بیت اللہ کی زیارت کی، اور ملتزم پر لپٹنے کی توفیق ہوجائے تو اس سے بڑی کیا سعادت ہوگی؟ ایک عارف کا قول ہے:

نازک بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خویش کہ بہ کویت رسیدہ است

ہزار بار بوسہ دہم من دست خویش را
کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ترجمہ:......"مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھ لیا، میں اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ چل کر تیرے کوچہ میں پہنچ گئے، اور میں ہزار بار اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے۔

لیلائے کعبہ کی محبوبیت:

لیلائے کعبہ میں اللہ نے ایسی محبوبیت اور ایسی کشش رکھی ہے کہ لوگ اس پر دیوانہ وار ٹوٹتے ہیں، چاہتے ہیں کہ کسی طرح بیت اللہ تک پہنچ جائیں، وہاں پہنچ کر بھی (کیونکہ بھیڑ ہوتی ہے) جس خوش قسمت کو چمٹنے کا موقع نصیب ہوجائے اس کا جی پھر یہ نہیں چاہتا کہ بس کرے، پیچھے ہٹ جائے، لوگ اس کو پیچھے سے ہٹاتے ہیں کہ میاں دوسروں کو بھی موقع دو، لیکن نہیں، وہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتا، یہ کیا چیز اللہ تعالیٰ نے وہاں رکھی ہوئی ہے؟ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے کیا مقناطیس بھرا ہوا ہے؟ لوگ یہ سب کچھ محض دیکھا دیکھی تو نہیں کرتے، یہ کیا بات ہے کہ میرے جیسا سنگ دل آدمی بھی جو باہر سے ہنستا کھیلتا چلا آتا ہے، لیکن جوں ہی بیت اللہ شریف کے پردے کو پکڑتا ہے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے، لوگوں کو وہاں روتے ہوئے دھاڑیں مارتے ہوئے چلاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ تو ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ بیت اللہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے مرکز ایمان اور دلوں کا مقناطیس بنایا ہے، جیسے ہمارے حضرت بنوریؒ فرماتے تھے کہ بیٹری چارج کرنے کے لئے وہاں جاتے ہیں، اپنے

ایمان کو اس جنریٹر کے ساتھ لگا دو، دل کو اس کے ساتھ جوڑ دو، دل کی بیٹری چارج ہو جائے گی، دل ایمان سے بھر جائے گا، عشقِ الٰہی سے دل کی انگیٹھی روشن ہوجائے گی اور جاذبہ عشق ومحبت تمہیں ملأ اعلیٰ کی طرف کھینچ لے گا۔

اللہ کی بڑائی وکبریائی کا احساس:

دوسری بات سمجھ میں آئی کہ یہاں بڑوں کو بھی دیکھا، چھوٹوں کو بھی دیکھا کہ سب ایک لائن میں لگے ہوئے ہیں، وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑے کی بڑائی کا شیش محل چکنا چور ہوجاتا ہے اور سب کو اپنے ہیچ در ہیچ اور لاشئی ہونے کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوجاتا ہے، اور اپنا بندۂ محض ہونا کھل جاتا ہے، ہمارے ایک دوست کراچی میں بھی ملتے رہتے ہیں، حرم شریف میں میرے پاس آبیٹھے تو انہوں نے میرے بارے میں کوئی ایسی بات کہی، میں نے کہا بھائی یہاں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے، وہاں پہنچتے ہی بڑوں کی بڑائی کافور ہوجاتی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کا ایسا احساس ہوتا ہے کہ اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، وہاں شاہوں کو دیکھا، گداؤں کو دیکھا، عابدوں کو دیکھا، نیکوں کو دیکھا، بدوں کو دیکھا کہ سب کے سب دامن دل پھیلائے گڑگڑا رہے ہیں، اسی در پر انبیاء علیہم السلام بھی اپنا ماتھا رگڑ رہے ہیں اور ہم جیسے سیاہ کار اور گناہ گار بھی، ایک فقیر بے نوا بھی وہاں دست سوال دراز کرتا ہے، اور بارگاہ صمدیت سے بھیک مانگتا ہے، ”یَارَبَّ الْبَیْتِ“ (اے گھر کے مالک) کہہ کرکے اسے پکارتا ہے، اور ہارون الرشید جیسا مطلق العنان خلیفہ و بادشاہ بھی وہاں پہنچ کر گدائے گدایان بن جاتا ہے اور بھکاریوں کی طرح لپک لپک کر مانگتا ہے اور کہتا ہے یَارَبَّ الْبَیْتِ! وہاں پہنچ کر مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ بس یہی ایک بارگاہ عالی، داتا کا دربار ہے۔

داتا صرف اللہ تعالیٰ ہیں:

وہی ایک دینے والا ہے، باقی سب کے سب بھیک منگتے ہیں، سب کے سب ایک گھر کے بھکاری ہیں، الغرض وہاں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، وہاں شاہ وگدا کا سوال نہیں رہتا، وہ ایک دینے والا رب ہے، باقی سب لینے والے بندے ہیں، وہ ایک داتا ہے، باقی سب کے سب اس کی بارگاہ کے، اس کے دروازے کے سوالی ہیں، فقیر ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: ”یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔“ (سورۃ فاطر:۱۵) (اے لوگو تم سب کے سب اللہ کی طرف فقیر ہو اور اللہ غنی ہے، لائق حمد ہے) فقیر اس کو کہتے ہیں جو محتاج ہو، اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہیں کسی چیز میں کسی کے محتاج نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات، ہر آن اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے، اپنے وجود میں بھی، اپنی بقاء میں بھی، اور اپنی تمام ضروریات میں بھی، دنیا وآخرت کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں بندے، اللہ تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں، اور کوئی شر ایسا نہیں جس کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ“ اے لوگو تم سب کے سب فقیر ہو اللہ کی طرف، تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کے سب خالی ہاتھ ہو، ”وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْد“ اور تنہا اللہ تعالیٰ ہی غنی ہیں، حمید ہیں، اس کے سوا کوئی غنی نہیں، ہم لوگ حقیقت ناشناس، یوں ہی در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں، کبھی ادھر بھاگتے ہیں، کبھی ادھر بھاگتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کی حکایت:

شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک مانگنے والا تھا، گھر گھر صدائیں لگا رہا تھا، دروازے کھٹکھٹا رہا تھا، ''کہ کوئی پیسہ دے اللہ کے نام پر'' مانگتے مانگتے مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا، اس نے مسجد کا دروازہ کھٹکھٹا دیا اور کہا کہ کچھ اللہ کے نام پر، کسی نے کہا میاں! یہ گھر نہیں ہے، یہ مسجد ہے، کسی گھر پر جا کر مانگو، فقیر کہنے لگا کہ یہ کس بخیل کا گھر ہے جو کسی فقیر کو خیرات نہیں دیتا؟ کہا بھئی ایسا نہ کہو! یہ تو احکم الحاکمین کا، سخیوں کے سخی کا اور غنیوں کے غنی کا گھر ہے، رب العالمین کا گھر ہے، اللہ کا گھر ہے، کہا اللہ کا گھر ہے؟ کہا ہاں! کہا اچھا میں اللہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں؟ کہا ہاں! اس نے اپنا کشکول، جو اس کے پاس تھا، اس کو پھینک دیا، کہنے لگا، جب اللہ کے دروازے پر پہنچ گیا ہوں تو پھر کسی اور سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر اور سے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ ہم لوگ اللہ کے گھر پر حاضری دیتے ہیں، اور اپنی آنکھوں سے وہاں ہر ایک کو اللہ سے مانگتا ہوا دیکھتے ہیں، جس سے مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ سب فقیر ہیں، مانگنے والے ہیں، دینے والا صرف ایک ہے، تو کیوں نہ اسی سے مانگنا شروع کردیں، الغرض اس سال حج میں ایک انعام یہ ملا کہ مخلوق سے نظر اٹھاؤ، اور خالق پر نظر جماؤ، سب کو فقیر سمجھو، ایک کو غنی سمجھو، ایک دینے والا ہے، غنی ہے، جو کسی سے مانگتا نہیں، اور باقی سب مانگنے والے ہیں، اور یہ یقین دل میں پیدا ہوجائے تو واقعتاً پھر حج، حج ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے گھر جا کر بھی دوسروں پر ہی نظر رہی تو پھر قصہ ختم، گویا اس بے چارے کو حج سے کچھ نہیں ملا۔

صرف ایک کی طرف نظر:

ایک بزرگ تھے آنکھ پر پٹی باندھی ہوئی تھی اور بیت اللہ کا طواف کر رہے

تھے اور بار بار ایک ہی لفظ کہہ رہے تھے کہ ''اے مالک! میں آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں۔'' بار بار یہی لفظ دہرا رہے تھے، طواف کے بعد کسی بزرگ نے ان کو پکڑ لیا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور یہ آنکھوں پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟ کہنے لگے بھائی بات بتانے کی تو نہیں تھی، لیکن تم نے پوچھ لیا ہے تو بتا دیتے ہیں، میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک نظر نامحرم پر پڑ گئی، اور میں اس کو دیکھنے لگا، غیب سے ایک تھپڑ آنکھ پر لگا کہ آنکھ جاتی رہی، اور ساتھ آواز آئی کہ شرم نہیں آتی میرے گھر میں پہنچ کر دوسروں کو دیکھتا ہے؟ اس وقت سے بس یہی ورد کر رہا ہوں کہ ''آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں'' تو اس بار اللہ تعالیٰ کے گھر پہنچ کر ایک حقیقت یہ سمجھ میں آئی کہ اس کی ذات عالی کے سوا سب سے نظر اٹھالی جائے، اور یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہمیں نصیب فرمائیں اور یہ مضمون ہمارے دل میں بیٹھ جائے تو ساری دولتیں اس پر قربان۔

کوئی محروم نہیں آتا:

اور ایک بات اور سمجھ میں آئی، وہ یہ کہ جانے والے تو سب ہی جاتے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا چھوٹے بھی جاتے ہیں، بڑے بھی جاتے ہیں، عالم بھی جاتے ہیں، جاہل بھی جاتے ہیں، نیک بھی جاتے ہیں، بدکار بھی جاتے ہیں، اچھے بھی جاتے ہیں، برے بھی جاتے ہیں، اور یقین ہے کہ کوئی وہاں سے محروم نہیں آتا کسی کو محروم نہیں کیا جاتا۔

لاکھوں انسانوں کی دعا رد نہیں ہوتی:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے میدان عرفات میں فرمانے لگے کہ بھئی! ایک بات بتاؤ، یہ پانچ لاکھ، دس لاکھ، یا پندرہ بیس لاکھ حاجی ہیں، جو

میدان عرفات میں اترے ہوئے ہیں، اگر اتنا بڑا مجمع، دس لاکھ کا مجمع کسی سخی کے دروازے پر جمع ہوجائے، اور اسے یہ کہے کہ برائے کرم ایک چھٹانک آٹا دے دیجئے، یا یہ سارا مجمع کسی سخی کے دروازے پر جمع ہوکر درخواست کرے کہ ایک پیسے کی ضرورت ہے، ایک پیسہ دے دیجئے تو تمہارا کیا خیال ہے وہ سخی ان دس لاکھ آدمیوں کی فرمائش پر ایک پیسہ نہیں دے گا؟ ایک چھٹانک آٹا نہیں دے گا؟ دوستوں نے کہا جی حضرت کیوں نہیں دے گا، فرمایا یہ سب لوگ ایک بارگاہ عالی سے مغفرت مانگ رہے ہیں اور پوری دنیا کی بخشش کردینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا آسان ہے جتنا کہ ایک سخی کے لئے ایک پیسہ دے دینا، سارے حاجی صاحبان مل کر، گڑگڑا کر، رو رو کر اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ یا اللہ! بخش دے، گناہ معاف کردے، بخشش فرمادے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنا چاہئے کہ وہ ان کی درخواست کو رد نہیں فرمائے گا۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ مجھے یقین ہے ان شاء اللہ وہاں سے کوئی محروم نہیں آتا، اور اللہ تعالیٰ وہاں سے کسی کو محروم نہ لوٹائے، اس لئے کہ جو شخص نعوذ باللہ وہاں سے بھی محروم آیا اس کے لئے پھر کونسا دروازہ ہے؟

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک بزرگ تھے، وہ جب بھی لبیک کہتے تھے تو آواز آتی تھی "لَا لَبَّیکَ" (تمہاری لبیک منظور نہیں) ہر سال حج پر جاتے، اور جب بھی لبیک کہتے تو آواز آتی کہ تیری لبیک قبول نہیں، ایک دفعہ ساتھ میں ان کا خادم بھی تھا، اس نے بھی یہی آواز سنی، وہ بزرگ اسی ذوق وشوق اور اسی رغبت ومحبت کے ساتھ حج کے ارکان ادا کررہے تھے، خادم نے کہا حضور! لبیک تو نامنظور، پھر اس محنت کا فائدہ؟ کہنے لگے تم نے بھی سن لی ہے؟ کہنے لگے ہاں! فرمایا: میں پچاس سال سے سن رہا ہوں، پچاسواں

حج ہے، پچاس سال سے برابر سن رہا ہوں کہ جب بھی لبیک کہتا ہوں، ادھر سے آواز آتی ہے تیری کوئی لبیک نہیں، چل دفعہ ہو۔ شاگرد کہنے لگا کہ پھر ٹکریں مارنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا: برخوردار! کوئی اور دروازہ ہے جہاں چلا جاؤں؟ یہ تو منظور نہیں کرتے، کوئی اور دروازہ ہے کہ جا کر وہاں سے مانگ لوں؟ نہیں! نہیں! یہی ایک دروازہ ہے، ملتا ہے تب بھی، نہیں ملتا تب بھی، مانگنا تو اسی دروازے سے ہے، ایک عارف نے خوب کہا ہے:

یابم او را یا نہ! جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

ترجمہ:......میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، جستجو کرتا رہوں گا اور وہ مجھے ملے یا نہ ملے آرزو کرتا رہوں گا۔

بہت بڑی محرومی:

الغرض اگر کوئی وہاں سے خدانخواستہ محروم واپس آگیا تو اس کی محرومی ناقابل علاج ہے، اس کی محرومی کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا، وہ تو ابلیس کا بھائی ہوا کہ ابلیس خدا کی بارگاہ سے بھی راندہ گیا، لیکن اندازہ یہ ہوا (واللہ اعلم بالصواب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو بہتر سمجھتے ہیں) کہ جو بھی محبت کے ساتھ جاتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ لے کے آتے ہیں۔

جتنا برتن اتنی خیرات:

مگر یہ بات سمجھ میں آئی کہ جتنا برتن لے کر جاؤ گے اتنی ہی خیرات ملے گی، افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اپنا برتن بہت چھوٹا لے کے جاتے ہیں، جاتے ہیں سب سے بڑی بارگاہ میں کہ اس سے بڑی کوئی بارگاہ نہیں، اس سے کوئی بڑا دربار نہیں، لیکن

وائے حسرت کہ ہم بہت چھوٹا برتن لے جاتے ہیں، اتنا برتن لے کر کہ ایک چلو پانی سے بھر جائے،اس کا افسوس اور صدمہ ہے، حد سے زیادہ صدمہ! کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سمیٹنے کے لئے جیسا برتن چاہئے ویسا برتن ہمارے پاس نہیں اور اس کا مہیا کرنا بھی مشکل ہے، بھائی! اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تو لامحدود ہیں، لامحدود رحمتوں کو سمیٹنے کے لئے لامحدود برتن کہاں سے لائیں؟ لیکن پھر بھی ذرا بڑا برتن تو ہونا چاہئے، اتنا بڑا ظرف ہونا چاہئے کہ آسمان و زمین کی وسعتیں اس کے سامنے ہیچ ہوں، اور وہ کیا ہے؟ عبدیت کا برتن، فنائیت کا برتن، یعنی اپنے آپ کو مٹا دینا اور اپنی انا کو ختم کر دینا، جتنی فنائیت اور عبدیت زیادہ ہوگی اسی قدر رحمتوں کی بارش بھی زیادہ ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ہوتی ہے، اور جو لوگ اپنے دلوں کے اندر انانیت اور غرور و پندار کے بت لے کر بیٹھے ہوں ان پر کیا رحمت ہوگی؟ تو جتنی عبدیت کسی کی کامل ہوگی اور جس قدر اپنے آپ کو مٹادینے اور اپنی عقل کے، اپنے نفس کے اور اپنی طبیعت کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر بارگاہ الٰہی میں حاضری دینے کی کیفیت ہوگی اسی قدر عنایات خداوندی کی دولت سے نوازا جائے گا۔

حلق نہ کرانے پر ایک کرنل کا واقعہ:

میں حرم شریف میں بیٹھا تھا ایک دوست ایک کرنل صاحب کو لے کر آئے، کرنل صاحب ماشاءاللہ، وہاں جاکر بھی کرنل کے کرنل ہی تھے، انگریزی بال رکھے ہوئے تھے، اور احرام کھولنے کے لئے دو تین بال کاٹ دیئے تھے، داڑھی اسی طرح مونڈی ہوئی تھی، میرے دوست کہنے لگے کہ جی میں نے ان کو مسئلہ سمجھایا ہے کہ احرام کھولنے کے لئے حلق یا قصر کرانا ضروری ہے، لیکن یہ مانتے نہیں ہیں، آپ ذرا ان کو سمجھادیں، میں نے کہا بھائی سب سے اول نمبر پر حلق ہے، یعنی سر کے سارے بال استرے سے منڈوا دیئے جائیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ۔ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ۔ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ۔ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ وَالْمُقَصِّرِیْنَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۳۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ رحمت نازل فرما حلق کروانے والوں پر، صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بال کٹانے والوں کے لئے بھی دعا کردیجئے، یعنی جو لوگ احرام کھولنے کے لئے حلق کرانے کے بجائے قینچی کے ساتھ، مشین کے ساتھ بال کٹوادیتے ہیں ان کے لئے رحمت کی دعا فرما دیجئے، فرمایا: اے اللہ رحمت نازل فرما حلق کرانے والوں پر، یعنی بال صاف کرانے والوں پر، اس پر صحابہؓ نے پھر عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: اے اللہ رحمت نازل فرما حلق کرانے والوں پر، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! قصر کرنے والوں کے لئے بھی دعا کردیجئے، فرمایا: چلو مقصرین پر بھی اللہ کی رحمت ہو۔

ایک آدمی اللہ کے گھر پہنچتا ہے، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے رحمت سے محروم رہنا گوارا کرتا ہے اس سے بڑا بدنصیب کون ہوگا؟ تو پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ بھائی استرے کے ساتھ سارے سر کے بال اتارو، یہ افضل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کے لئے تین دفعہ دعائے رحمت فرمائی ہے، لیکن اگر یہ نہ ہو تو پورے سر کے بال ایک پورے کے برابر کٹوادو، اور یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم چوتھائی سر کے بال

اتار دینے سے احرام کھل جائے گا، گو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کسی نے چوتھائی سر سے کم بال اتارے تو اس کا احرام ہی نہیں کھلا، وہ بدستور احرام میں ہے، اسی طرح احرام کی حالت میں کپڑا پہن رہا ہے، اسی طرح دوسرے کام کررہا ہے، میں نے یہ مسئلہ بیان کیا تو کرنل صاحب کہتے ہیں کہ جی مولوی صاحب! اتنی تنگی تو نہیں چاہیے، سبحان اللہ! ماشاءاللہ! میں بھی ذرا تیز مزاج ہوں میں نے غالبؔ کا شعر پڑھ دیا:

ہاں! ہاں! نہیں وفا پرست، جاؤ! وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں؟

آپ کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا یہاں تشریف لانے کا؟ اگر آپ کو اپنے بالوں سے اتنی محبت ہے اور اس کو تنگی سمجھتے ہیں تو کس حکیم نے کہا تھا کہ آپ حج بیت اللہ کے لئے یا عمرے کے لئے تشریف لائیں؟ تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ یہ تنگی کررہے ہو؟ اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ یہ بے چارہ کتنا چھوٹا برتن لے کر گیا، اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر بھی چہرے پر استرا پھیرتے ہو؟ اور نبی کریم ﷺ کے سامنے اسی طرح جاتے ہو؟ نہیں بھائی! اپنے آپ کو بدلنے کی نیت سے جاؤ اور پختہ ارادہ لے کر جاؤ کہ اب تک تو جو کچھ ہوا سو ہوا، لیکن اب اللہ کے گھر پہنچ گئے ہیں، اب یہ گھر والا جو کچھ کہے گا وہ کریں گے، پھر گھر والے سے جو مانگو گے وہ دے گا۔

حجر اسود کو بوسہ دینا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ:

اسی لئے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ جو حجر اسود کو چومتے ہیں، بوسہ دیتے ہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ عہد باندھنا ہے، ایک مسئلہ

درمیان میں سمجھ لیجئے! اصل تو یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دیا جائے، لیکن اگر ہجوم زیادہ اور حجر اسود تک پہنچنا مشکل ہو تو کسی کو دھکا نہ دو اور نہ دھکا کھاؤ، بلکہ اس طرح استلام کرلو یعنی حجر اسود کی طرف ہاتھ لمبے کرکے یہ تصور کرو کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ حجر اسود پر رکھ دیئے اور پھر ان کو چوم لو، یہ اسی کے حکم میں ہے کہ تم نے حجر اسود کو بوسہ دے دیا، حدیث میں فرمایا گیا کہ "یہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، جو لوگ اس کو چومتے ہیں یا استلام کرتے ہیں وہ اللہ سے مصافحہ کرتے ہیں (ذکره العجلانی فی کشف الخفاء و قال: وله شواهد، فالحديث حسن) اور اللہ سے مصافحہ کرنے کے بعد کھرا اور کھوٹا الگ الگ ہوجاتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ" (تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث اور طیب کے درمیان امتیاز کردے)۔ اگر حج کے بعد زندگی بدل گئی تو سمجھو اس کسوٹی پر کھرا نکلا۔

حج مبرور کی جزاء:

اور اگر زندگی ویسے کی ویسی ہی رہی جیسے پہلے تھی، یا پہلے سے بھی بدتر ہوگئی تو معلوم ہوا کہ کھوٹا نکلا، اور حدیث شریف میں فرمایا:

"وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرِ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔"

(مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ:......"حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔"

حج مبرور اس کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی غلطی نہ کی گئی ہو، اور گناہ نہ کیا گیا ہو، اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا گیا ہو، کسی شخص کو حج مبرور نصیب ہونے کی علامت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے اس کی زندگی کی لائن بدل جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

(بینات کراچی ذی القعدہ ۱۴۱۴ھ)

غدار کی سزا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”سن رکھو جب کسی شخص کو حق بات معلوم ہو تو لوگوں کا خوف اس کو حق بات کہنے سے نہ روکے۔“

اسی کے ساتھ فرمایا:

”ظالم شخص، چاہے صاحب سلطنت بادشاہ ہو، کسی جمہوری حکومت کا سربراہ ہو، یا کسی حکومت کا نام نہاد خلیفہ ہو، اس کے سامنے حق بات کہنا یہ سب سے افضل ترین جہاد ہے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

قال النبی ﷺ فی خطبۃ......

”......اَلَا اِنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقَدْرِ غَدْرَتِہٖ، اَلَا وَاَکْبَرُ الْغَدْرِ غَدْرُ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ، اَلَا لَا یَمْنَعَنَّ رَجُلًا مَھَابَۃَ النَّاسِ اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِالْحَقِّ اِذَا عَلِمَہٗ، اَلَا اِنَّ اَفْضَلَ الْجِھَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ، اَلَا اِنَّ مَثَلُ مَابَقِیَ مِنَ الدُّنْیَا فِیْمَا مَضٰی مِنْھَا مِثْلَ مَابَقِیَ مِنْ یَّوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْمَا مَضٰی مِنْہُ۔“ (حیات الصحابۃ عربی ج:۳ ص:۴۲۷)

آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں کئی مضامین ارشاد فرمائے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ: ہر آدمی جو کہ غدار ہو اس کی غداری کے بقدر، قیامت کے دن اس کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے گا۔

غدار کی تعریف:

غدار کہتے ہیں عہد شکن کو، جو شخص عہد کر کے توڑ ڈالے اس کو عربی میں غدر کہتے ہیں اور جو بہت زیادہ عہد توڑنے والا ہو اس کو غدار کہتے ہیں، تو غدار وہ آدمی

ہے جو عہد کرنے کے بعد توڑ دیتا ہے، ایفائے عہد کی پرواہ نہیں کرتا، آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر عہد توڑنے والے کی نشان دہی کرنے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا، اور بعض احادیث میں آتا ہے کہ اس کی سرین میں گاڑا جائے گا اور جتنا بڑا غدر ہوگا اتنا بڑا جھنڈا ہوگا تاکہ لوگوں کو نظر آئے۔ ”وَيُقَالُ هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ۔“ اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں آدمی کی غداری کا نشان ہے، عہد شکنی کا نشان ہے۔

عہد پورا کرنے کا حکم:

اسی لئے ارشاد الٰہی ہے: ”يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اَوْفُوا بِالْعُقُوْدِ۔“ (المائدہ:۱)

ترجمہ:...... ”اے ایمان والو اپنے عقود کو پورا کرو“

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کریم کا صرف اتنا ہی ٹکڑا نازل ہوتا تو ہدایت کے لئے کافی تھا، تمہارے ذمے اللہ کے جو عقود ہیں ان کو پورا کرو اور کسی مخلوق کے ساتھ تم نے عقد کرلیا ہو، معاہدہ کرلیا ہو تو اس کو بھی پورا کرو، اور اس بات کو یاد رکھو کہ عہد شکنی ایک وبال ہے اور قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کو رسوا کیا جائے گا، جھنڈا گاڑا جائے گا اور اس کے اوپر لکھا ہوگا کہ یہ فلانے کی عہد شکنی کا نشان ہے، جتنا بڑا عہد شکن ہوگا (عہد کو توڑنے والا) اس کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے اتنا ہی اونچا جھنڈا ہوگا، نعوذ باللہ، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

حکمرانوں سے بڑا غدار کوئی نہیں:

اسی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ یہ بات بھی سن رکھو کہ امیر عامہ سے بڑا غدار

کوئی نہیں ہے، امیر عامہ سے مراد ہے حاکم، بادشاہ، خلیفہ، وزیراعظم جو قوم سے ایک معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ سب سے بڑا غدار ہے، عہد شکنی یعنی وعدے کرکے معاہدے کو توڑ دینا اور ان کی خلاف ورزی کرنا یہ قوم کا معمول بن گیا ہے اور ہمارے سیاسی لیڈروں کی تو سیاست بن گئی ہے، ہمارے ایک سابق سیاسی لیڈر نے لوگوں سے روٹی، کپڑا اور مکان کا معاہدہ (وعدہ) کیا تھا، روٹی، کپڑا اور مکان، تو پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تھا، ہمارے پنجاب کے جاہل جٹ اور بدوؤں سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ ہر ایک کو بارہ بارہ ایکڑ زمین دوں گا، الیکشن کا وقت آیا تو ایک بڈھا بے چارہ بہت زیادہ کمزور ہسپتال میں داخل تھا، مرنے کے قریب، اس کو چارپائی پر ڈال کر لوگ ووٹ ڈلوانے کے لئے لائے، تو کسی نے کہا جی بڑے میاں کو تو معاف کردیتے، بڑے میاں کہنے لگے ”جی ہمارا کلہ مرتا ہے“ یعنی ایک ایکڑ زمین کا نقصان ہوتا ہے، قوم ایسی بدھو کہ اللہ کے وعدوں پر اتنا یقین نہیں، جتنا ان صاحب کے وعدوں پر یقین تھا، لیکن پھر جو کچھ ہوا، وہ آپ کے سامنے ہے، پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک ہمارے سیاسی لیڈروں کی یہ روش چلی آتی ہے کہ انتخابات کے موقع پر یہ قوم کو سبز باغ دکھاتے ہیں، قوم کو خوب اُلو بناتے ہیں، ان سے وعدے کرتے ہیں اور ان وعدوں کی سیڑھیوں سے جب وہ اقتدار کے بلند و بالا ایوان تک پہنچتے ہیں تو ان کو کوئی چیز یاد نہیں رہتی، ان کو سب وعدے فراموش ہوجاتے ہیں، چار پانچ سال کے بعد الیکشن ہوا، وہ پہلے والے جو وعدے تھے، جیسے کیسے ہوئے ختم ہوگئے، یہ لوگ پھر قوم کے پاس ایک نیا وعدہ لے کر آگئے، اور ہمارے لوگ بھی عادی ہیں، بے چارے اللہ کے لئے یہ بھی نہیں کرتے، اور اللہ کے لئے وہ بھی نہیں کرتے۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں علماءؒ کے ساتھ سلوک:

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جو یحییٰ خان نے کروائے تھے، بھٹو صاحب میدان میں تھے، ہماری جمعیت علمائے اسلام نے بہت آدمی کھڑے کردیئے اور چن چن کر بزرگ کھڑے کردیئے، ابھی گوجرانوالہ سے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؔ تشریف لائے تھے، وہ قصہ سنا رہے تھے کہ مولانا عبدالواحد صاحب کو کھڑا کردیا گیا اور یہ (شیخ الحدیث اوردوسرے حضرات) لوگوں کو یہ کہنے کے لئے نکلے کہ بھائی ان کو ووٹ دو، اسی طرح ہمارے علاقے میں شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب ہیں، یہاں کبھی کبھی تشریف لاتے ہیں، ان کا بیان بھی یہاں ہوا ہے، ان کو بھی کھڑا کیا گیا تھا، اور یہ فقیر پرتقصیران کے لئے کھیتوں میں پھرتا رہا، میں کسی کے کام کے لئے کبھی نہیں اٹھ کر گیا، یہ میری کمزوری ہے،لیکن پتہ نہیں اس وقت کیا آفت آگئی تھی، اس وقت میں نے کہا تھا جب کہ ابھی الیکشن شروع نہیں ہوا تھا، تمام اکابر اولیاءؒ اللہ، بزرگان دین، خانقاہوں والے، مسجدوں والے، مدرسوں والے اور چوٹی کے بزرگ یہ جو میدان میں آگئے ہیں، مجھے خیر نہیں نظر آتی، اس لئے کہ غالبًا ایک مرتبہ پھر حق تعالیٰ شانہ قوم پر اتمام حجت کردینا چاہتے ہیں اور حجت پوری کرنے بعد پھر پکڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، مجھے کسی خطرناک عذاب کا خطرہ محسوس ہورہا تھا، یعنی ایسا معلوم ہورہا تھا کہ آفت آرہی ہے کیونکہ یہ تمام اکابر اولیاءؒ اللہ کبھی خانقاہ سے نکل کر نہیں گئے، خانقاہ سے باہر قدم نہیں رکھا یہ لوگ جو سیاست کے میدان میں انتخاب لڑنے کے لئے آگئے ہیں، یہ عجیب بات ہے اور میرے جیسا آدمی کھیتوں میں پھر رہا ہے، پھر جو کچھ ہوا آپ کو معلوم ہے، مسلمانوں کی

تاریخ میں پہلی بار نوے ہزار فوجی قید ہوئے، ملک دو ٹکڑے ہوا، اور تم پر بھٹو جیسا آدمی مسلط کیا گیا (مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ حضرت درخواستیؒ، حضرت مولانا حبیب اللہ گمانویؒ، حضرت پیر خورشید احمد شاہ، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ تلمبہ جیسے درویش منش علمائے کرام الیکشن ہار گئے)۔

اعمال کا تقاضا کہ خنزیر اور بندر حکمران ہوں:

میں نے رات ہی سنایا تھا کل شام کے درس میں کہ حجاج بن یوسف کے خوف سے حضرت حسن بصریؒ چھپے ہوئے تھے، روپوش تھے، کسی نے کہا کہ حضرت آپ اس کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے، حضرت حسن بصریؒ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ تم شکر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کا کہ ایک آدمی تم پر حاکم ہے، ورنہ تمہارے اعمال تو ایسے تھے کہ تم پر خنزیر اور بندروں کو مسلط کیا جاتا، مولانا شیر محمد صاحب کو لاہور میں ایک فاحشہ عورت کے ساتھ پوری رات رکھا گیا اور اس کے فوٹو لئے گئے، علماء اور صلحاء کے ساتھ اور شریف لوگوں کے ساتھ وہ کچھ کیا گیا کہ اس کو بیان کرنا بھی ممکن نہیں، جب مجھے یہ اطلاع پہنچی تو میں یہیں اپنے مدرسے میں بیٹھا ہوا تھا، کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، مجھے رونا آگیا میں نے کہا ہماری سزا کا وقت آگیا ہے، ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے، ہم اس لائق ہی نہیں رہے کہ ہم پر کسی انسان کو مسلط کیا جاتا، یہ بندر اور خنزیر ہم پر مسلط کردیئے گئے ہیں، صرف چمڑی انسانوں کی تھی اندر سے بندر اور خنزیر تھے، واقعتاً خنزیر تھے، شریف لوگوں کی بہو بیٹیاں اٹھوالی گئیں، ایک عالم دین کو فاحشہ کے ساتھ رکھا گیا اور اس کے ننگے فوٹو لئے گئے، یہ ہمارے سیاسی لیڈر ہیں، اور ہم لوگ ہمیشہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر یہ

جو کچھ ہمارے ساتھ سلوک کرتے ہیں ہمیں معلوم ہے، نہ ہم اللہ کے لئے کوئی کام کرتے ہیں، نہ یہ اللہ کے لئے کوئی کام کرتے ہیں، ان کا کام ہے قوم کو دھوکہ دینا، تمہارا کام ہے دھوکہ کھانا، پوری نصف صدی گزر رہی ہے اسی دھوکے میں، تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ سن رکھو! امیر عامہ سے بڑھ کر کوئی غدار نہیں، یعنی اگر وہ عہد شکنی کرے، عہد کے خلاف کرے، معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو وہ سب سے بڑا غدار ہے اس سے بدتر کوئی غدار نہیں۔

بات یہ ہے کہ ایک آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے کسی چھوٹی سی بات پر، اور ایک معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے کسی بڑی بات پر، پھر ایک آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے کسی مجبوری کی وجہ سے اور دوسرا آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے بغیر کسی مجبوری کے، دونوں کے درمیان فرق ہوگا کہ نہیں؟ جو دس روپے پر عہد شکنی کرتا ہے اس کا غدر چھوٹا ہوا اور جو غداری کر کے ہزار روپیہ ہضم کر جاتا ہے اس کا غدر یعنی اس کی عہد شکنی بڑی ہوئی، پھر ایک بے چارہ تنگ دست ہے وہ کسی مجبوری کی وجہ سے معاہدے کے خلاف کر لیتا ہے اور ایک آدمی ایسا ہے کہ اس کو کوئی مجبوری نہیں، تو یہ شخص زیادہ غدار ہوگا، اسی طرح امیر عامہ، صدر مملکت، وزیر اعظم، گورنر اور وزیر اعلیٰ (چیف ایگزیکٹو) اور دوسرے مقتدر حکام، کہ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ نے ان کے قبضے میں دے رکھے ہیں، اگر وہ ان تمام اختیارات و اقتدار کے باوجود عہد شکنی کرتے ہیں اور معاہدہ پورا نہیں کرتے تو ان سے بڑا غدار کون ہوگا؟

ٹھیک فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کہ امیر عامہ کا غدر سب سے بڑا غدر ہے، کیونکہ میں نے اور آپ نے کسی سے معاہدہ کیا تو کسی چھوٹی موٹی بات کا معاہدہ ہوگا، مگر یہ ہم سے پچاس سال سے وعدے کرتے چلے آرہے ہیں کہ اسلام پاکستان

میں نافذ کریں گے، کتنا بڑا وعدہ ہے؟ اور جب عمل کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بنیاد پرستی ہے، ملاّئیت ہے، ان سے کوئی پوچھے کہ تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ تم انتخاب کے وقت لوگوں سے یہ وعدہ کرو کہ ہم اسلام نافذ کریں گے؟ اس وقت جب تم لوگوں سے ووٹ لے رہے تھے اس وقت صاف کہتے کہ ہم اسلام کو غلط سمجھتے ہیں، اس زمانے میں نہیں چل سکتا، ہم اسلام نافذ نہیں کریں گے، پھر میں دیکھتا کہ تمہیں کتنے لوگ ووٹ دیتے ہیں؟ ووٹ لینے کے وقت تم نے اسلام کا نام لے کر لوگوں کو دھوکہ دیا اور آج اخباروں میں یہ بیانات چھاپتے ہو کہ یہ بنیاد پرستی ہے، پاکستان، بنیاد پرستی کے لئے نہیں بنا تھا، آج ہمیں اخباروں کے ذریعہ فلسفہ سمجھاتے ہیں، انگریزی اخباروں میں زیادہ سمجھاتے ہیں، اردو اخباروں میں ذرا کم سمجھاتے ہیں، اب تم ہی بتلاؤ کہ ان غداروں کے لئے کتنا بڑا جھنڈا بلند کیا جائے گا، قیامت کے دن؟

سب سے افضل جہاد:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ’’اَلَا لَا یَمْنَعَنَّ رَجُلًا مَهَابَةَ النَّاسِ اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِالْحَقِّ اِذَا عَلِمَهٗ۔‘‘

ترجمہ:...... ’’سن رکھو جب کسی شخص کو حق بات معلوم ہو تو لوگوں کا خوف اس کو حق بات کہنے سے نہ روکے۔‘‘

اور اسی کے ساتھ فرمایا: ’’اَلَا اِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔‘‘ ظالم شخص، چاہے صاحب سلطنت بادشاہ ہو، کسی جمہوری حکومت کا سربراہ ہو، یا کسی حکومت کا نام نہاد خلیفہ ہو، اس کے سامنے حق بات کہنا یہ سب سے افضل ترین جہاد ہے، کافروں کے مقابلے میں لڑائی کرنا یہ بھی جہاد ہے، لیکن ایک مطلق العنان

بادشاہ کے سامنے اور صاحب اختیارات کے سامنے حق بات کہنا یہ افضل ترین جہاد ہے، اس لئے کہ اپنے آپ کو سانپ کے منہ میں دینا ہے، یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔

دنیا کی بقیہ عمر:

آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور عصر کی نماز کے بعد خطبہ شروع فرمایا اور قیامت تک ہونے والے جتنے واقعات تھے سب موٹے موٹے بیان کردیئے، اب خود سوچ لو کہ کتنا وقت لگا ہوگا اور سورج غروب ہونے میں کتنا وقت باقی ہوگا، اندازہ کرسکتے ہیں کہ عصر کی نماز کے بعد تو خطبہ شروع ہوا اور خطبہ اتنا طویل تھا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:

”فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَّكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا اَخْبَرَنَا بِهٖ۔“

ترجمہ:......”قیامت تک کے جتنے واقعات تھے سب موٹے موٹے بیان کردیئے۔“

تو مغرب کا وقت آنے میں کتنا وقت رہا ہوگا؟ اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں، آخری فقرہ اس خطبے کا یہ تھا کہ: یاد رکھو! اس وقت دن کے پورا ہونے میں جتنا وقت باقی ہے یعنی جتنا وقت کہ اب غروب میں باقی رہ گیا ہے، دنیا کی عمر کا بس اتنا وقت باقی رہ گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

”اَلَا اِنَّ مَثَلَ مَابَقِىَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهَا مِثْلَ مَابَقِىَ مِنْ يَّوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ۔“

دنیا کا جتنا وقت باقی ہے یعنی اس کی عمر کا جتنا وقت باقی ہے وہ گزشتہ کے مقابلے میں ایسے ہے جتنا تمہارے اس دن کا حصہ باقی ہے گزشتہ کے مقابلے میں،

مقصود یہ تھا کہ دنیا کی عمر پوری ہوچکی ہے اب زیادہ وقفہ نہیں ہے، اسی مضمون کو آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ کپڑا پھاڑنے لگے، پھاڑتے پھاڑتے ایک تار باقی رہ گئی، اب یہ دوٹکڑے جڑے ہوئے ہیں، اس لئے کہ صرف ایک تار باقی ہے، باقی پھٹ چکا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا جتنی عمر باقی رہ گئی ہے، اس کی مثال ایسے سمجھو کہ بس ایک تار باقی رہ گیا، باقی سب پھاڑا جاچکا ہے۔

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں وقت پورا ہوگیا ہے، مختصراً عرض کردیتا ہوں، ایک یہ کہ ہر آدمی کی عمر گزشتہ عمر کی بہ نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے، ہماری عمر کتنی گزر چکی، اور اگلی زندگی موہوم ہے، پتہ ہی نہیں کہ ہے بھی یا نہیں؟ لیکن عجائبات میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنی اس موہوم زندگی کے لئے تو بڑا فکر مند ہوتا ہے، لیکن یقینی زندگی کے لئے کبھی فکر مند نہیں ہوتا، ہماری زندگی کیسے گزرے گی؟ اگلی زندگی کیسے گزرے گی؟ یہ موہوم زندگی پتہ نہیں کتنے دن کی ہے؟ پھر یہ بھی پتہ نہیں کہ ہے بھی یا نہیں؟

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا، پل کی خبر نہیں

اور دنیا کی عمر کا یہی قصہ ہے، یوں تو کچھ علامات ظاہر ہونے والی ہیں، ابھی ظاہر ہوں گی، لیکن معلوم نہیں کہ کس وقت قیامت کا بگل بجا دیا جائے؟ کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ علم کسی کو بھی نہیں دیا۔

قیام قیامت کا وقت:

دوسری بات مجھے یہ سمجھانی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ ایک تار باقی رہ گیا ہے اتنا وقت باقی رہ گیا ہے، کہ بالکل غروب کے قریب ہے، یہ کسی چیز کے

قریب ہونے کو سمجھانے کے لئے ہے، مثال کے طور پر کسی آدمی کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے کام کرنا ہے، اور سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے، تو وہ کتنی مستعدی کرے گا، اس وقت اس کام کے کرنے میں؟ مقصود یہ سمجھانا ہے کہ تمہاری زندگی کا بھی، اس دنیا کی عمر کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے کہ کس وقت منقطع ہو جائے؟

اے زفرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش
من نمے گویم کے دربند زیاں یا سود باش!

بزرگ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں یہ تو مشورہ نہیں دیتا کہ تم اپنے نقصان کی فکر کرو یا اپنے نفع کی فکر کرو، یہ تو تم جانو اور تمہارا کام جانے، لیکن اتنا کہنا چاہوں گا کہ اے وہ آدمی جو فرصت سے بے خبر ہے ''در ہرچہ خواہی زود باش'' جو بھی تم نے کرنا ہے ذرا جلدی سے کرلو وقت ختم ہو رہا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین
وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

ماہنامہ بینات کراچی محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

جواہر پارے

قرآن ایسے پڑھا کرو، وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرتے اور اس شجر سے سنتے تھے اپنے کو وہی شجر تصور کرو اور پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھ لو کہ یہ خدائے پاک فرمارہے ہیں اور کانوں سے اسی انداز پر سنو جیسے کہ میں اپنے اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً، امابعد:

مقبولان الٰہی کی زندگی عام لوگوں کے لئے عبرت ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے انبیاءِ سابقین کے واقعات کے بار بار دہرانے کی یہی حکمت بیان فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لّاولی الالباب

ترجمہ:...... ''یعنی ان حضرات کے واقعات میں دانشمندوں کے لئے عبرت ہے۔''

اولیاء اللہ کی صحبت ہی وہ کیمیا ہے جس سے انسان کی قلبِ ماہیت ہوتی ہے اور ان کے حالات وسوانح ان کی مجالس کا نعم البدل ہیں۔ حال ہی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ''سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ'' کا دوسرا ایڈیشن (باضافہ وترمیم) چھپ کر آیا تو اس کے مطالعہ کی سعادت دوبارہ نصیب ہوئی۔ ذیل میں اس کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

تلاوتِ قرآن

''جب حضرت رحمہ اللہ کی صحت اچھی تھی تو رمضان المبارک میں بعد نمازِ عصر مجلس سے الگ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے، ایک صاحب جو وہیں رہا کرتے تھے بتلاتے ہیں کہ میں ادھر سے گزرا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن پڑھنے کی کیفیت کچھ کھلی اور بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور دل ہی دل میں بے ساختہ یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس طرح پر قرآن پاک پڑھنا ہم کو بھی عطا فرمادے۔ رمضان المبارک کے گزرنے کے بعد غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ آؤ تمہیں بتلائیں، قرآن ایسے پڑھا کرو وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرتے اور اس شجر سے سنتے تھے اپنے کو وہی شجر تصور کرو اور پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھ لو کہ یہ خدائے پاک فرمارہے ہیں اور کانوں سے اسی انداز پر سنو جیسے کہ میں اپنے اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں، اور اسی طرح فرماتے ہوئے یہی کیفیت سراپا اپنے اوپر طاری کرلی اور فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ وہی کیفیت دل میں جیسے اتر گئی، وہی صاحب یوں بتلاتے ہیں کہ مدت تک قرآن پاک ایسی ہی کیفیت کے ساتھ پڑھنا نصیب ہوا اور بہت ہی لطف آیا، اور یہ انداز قرآن پاک کی تلاوت کے سلسلہ کی ترقیوں میں نئے نئے اضافوں کا سبب بنا۔'' (صفحہ ۳۸۴)

جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

''ایک مرتبہ حضرتؒ مسجد نبوی شریف میں تشریف رکھتے تھے اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت! اس مسجد میں بعد کے لوگوں نے بڑی زیب و زینت پیدا کردی اور قیمتی قالین بچھادیئے، کاش! یہ مسجد اپنی پہلی سادگی پر ہوتی! معلوم نہیں اس وقت حضرتؒ کس حال میں تھے، جوش آگیا فرمایا:

حضرت! اور زیادہ زیب وزینت ہو، دنیا میں جہاں کہیں جمال اور زینت ہے انہیں ﷺ کے صدقہ میں تو ہے۔''

(صفحہ ۹۳۲)

مقامِ صحابہؓ

ایک روز ایک مجلس میں فرمایا:

''اگر شیعہ کے اصول کو دیکھا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ نہیں رہ جاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کمال ہی نہیں ہوتا، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ کی صحبت سے ہزاروں، لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہوجاتی ہے اور صحبت کی برکت سے پکّے دیندار بن جاتے ہیں کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے کوئی بھی پکّا مسلمان نہیں بنا؟''۔

ایک مرتبہ ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے، جو سادات کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور تشیع کی طرف مائل ہیں، فرمایا:

''بھائی میں تو سیّدوں سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے تو آپ حضرات پر اعتبار نہیں رہا کہ ہم تو اچھے خاصے مندروں میں

پوجاپاٹ میں لگے رہتے تھے آپ کے بڑوں نے ہمارے بڑوں کو اسلام کی دعوت دی ہم لبیک کہتے ہوئے ان کے پیچھے ہولئے۔ اب آپ ہمیں یہیں چھوڑ کر کوئی شیعہ ہو رہا ہے، کوئی مرزائی اور کوئی عیسائی اور کوئی منکر حدیث۔ پس بھائی ہمیں یہی اسلام کافی ہے، یہ ہمارے بس کا نہیں کہ تم جہاں جاؤ ہم تمہارے پیچھے پیچھے بھاگے پھریں، اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مسلمان نہیں تو ہمیں تو اور کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔“

(صفحہ ۱۴۲)

علمی شغف

”فرماتے تھے کہ رامپور سے کسی دوست نے خط لکھ دیا کہ غلام جیلانی کا انتقال ہوگیا مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے خط لکھا کہ میں زندہ ہوں۔ والدہ صاحبہ نے والد صاحب سے اصرار کیا کہ اس کو لے آؤ۔ والد صاحب رام پور تشریف لے گئے۔۔۔ بڑی محبت سے ملے اور فرمایا کہ تمہاری والدہ نے اصرار کیا کہ میں تمہیں لے آؤں، تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی پڑھوں گا جب تک فارغ نہیں ہو جاتا واپس نہیں جاتا، والد صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم پڑھ کر آؤ۔“

طالب علمی میں تقویٰ، زہد و استغنا

”رات کے وقت حضرتؒ نے کہیں سے بستر مانگ کر والد صاحب کے لئے بچھایا، عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیں، میں

مطالعہ کراؤں، آپ مسجد کے چراغ کی روشنی میں ازراہِ احتیاط مطالعہ نہیں فرماتے تھے بازار کی لالٹین کی روشنی میں مطالعہ فرماتے تھے۔بعض اوقات کھانا نہ ہونے کی وجہ سے مولی کے پتے اٹھا کر کھالیا کرتے تھے اور کئی کئی وقت اس پر گزارا ہوتا تھا،واپس آئے تو والد صاحب سو چکے تھے سردی کا زمانہ تھا خود ایک لپٹی ہوئی صف کے اندر گھس کر سو گئے،کپکپی سے ایسی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے کوئی چوہا یا بلی ہے، والد صاحب جب یہ آواز سنتے تو چھڑی زمین پر پٹک کر اس کو بھگا دیتے جب بار بار اس کی نوبت آئی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میں غلام جیلانی ہوں، آپ فکر نہ کریں اس حالت کو دیکھ کر والد صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس وقت آٹھ روپے ان کے پاس تھے،فرمایا کہ میرے پاس آٹھ روپے ہیں اس سے رضائی بسترا بنوالو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ میری فکر نہ فرمائیں آپ کو راستہ میں ضرورت ہوگی۔ لیکن آپ نے اصرار سے دے دیا، والد صاحب نے اساتذہ سے شکوہ کیا کہ آپ کا ایک طالب علم ہے آپ اس کا خیال نہیں فرماتے ۔انہوں نے کہا ہم نے مولوی صاحب سے ہر چند اصرار کیا،مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔‘‘

’’آپ نے رام پور سے دہلی کا قصد کیا۔۔۔اس وقت سفر خرچ کے لئے صرف ایک آنہ پاس تھا رام پور سے دہلی

پیدل سفر ہوا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ راستہ بھر اسی ایک آنہ کے چنے پر گزارا کیا۔ایک جگہ دریا عبور کرنا تھا کشتی والے نے رعایت کی اور طالب علم سمجھ کر مفت اتار دیا۔‘‘

ایک عجیب انکشاف

’’حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب قدس سرہ کے پہلے شیخ آپ ہی کے ہم نام حضرت میاں صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری تھے۔ بڑے قوی النسبت اور صاحب کشف و تصرف بزرگ تھے۔اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا اس کے باوجود روزانہ سو رکعتیں نفل پڑھ لیا کرتے تھے خادم کھڑا کردیتے تھے آپ نفل پڑھنے لگتے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی دقّت نہیں ہوتی تھی،کشف کا یہ حال تھا کہ مرزا صاحب کی شہرت اور دعویٰ سے بہت دن پہلے حکیم نور الدین صاحب مہاراجہ جموں کی صحت کے لئے دعا کرانے کے لئے آئے،فرمایا’’ تمہارا نام نور الدین ہے؟‘‘حکیم صاحب نے کہا ’’ہاں‘‘ فرمایا علاقہ قادیاں میں ایک غلام احمد پیدا ہوا ہے جو کچھ عرصے کے بعد ایسے دعوے کرے گا جو نہ اٹھائے جائیں گے نہ رکھے جائیں گے تم اس کے مصاحب لکھے ہوئے ہو،حکیم صاحب نے استعجاب کا اظہار کیا تو فرمایا: تم میں الجھنے کی عادت ہے اور مناظرہ کا شوق ہے یہی عادت وہاں لے جائے گی۔‘‘

اصلاحی مواعظ (۸ جلدیں) ایک نظر میں

جلد اول

مقصد حیات دنیا نہیں۔۔ آخرت
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
لیلۃ القدر کی برکات
فضائل اعتکاف
عظمت قرآن
توبہ کیسے کریں؟
حسد کا علاج
غیبت ایک اخلاقی برائی
دنیا کی حقیقت
صبر کے درجات

جلد دوم

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
انسان پر گزرنے والے ادوار
روضہ اقدس پر حاضری
شب برات۔۔ ایک تحقیقی جائزہ
صبر و شکر
زبان کی حفاظت
بہترین تاجر کی علامت
خوف خدا اور فکر آخرت
قبر کی تیاری ضروری ہے
مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

جلد سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش
موذن کے فضائل
اعتکاف کے آداب
رجال آخرت
تبلیغ والوں کے لئے ہدایات
شیعان علی اور حضرات اہل بیت
غصہ کے اسباب اور اس کا علاج
حج کے انعامات
غدار کی سزا
جواہر پارے

جلد چہارم

حضور ؐ کے سفر حج کی تفصیلات
فضیلت شیخین ؓ
حضرت عمر ؓ کی چھ نصیحتیں
حضرت علی ؓ کی شہادت
دو بڑے بدبخت
شیخ عبد القادر جیلانی ؒ کی چند دعائیں
ریاکاری اور اخلاص
۱۲ ربیع الاول اور اس کے تقاضے
مدرسہ کے چار بنیادی اصول
اللہ کی نعمتوں کا استحضار

جلد پنجم

بڑوں کے بعد چھوٹوں کی ذمہ داری
جذبہ ایثار، حکمت و دانائی
حضرت ابو درداء ؓ کی پانچ نصیحتیں
عورتوں کا فتنہ
بدعت کی حقیقت
قرآن سیکھ کر پڑھنے کے فضائل
صوفیاء کے اخلاق
شہادت کی فضیلت اور اقسام
موت کے وقت کے احوال
شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں

جلد ششم

قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فائدہ
مہاجرین ؓ و انصار ؓ کی فضیلت
خواجہ معین الدین چشتی ؒ
آداب تعلیم و تربیت
جھگڑے کے اسباب
صبر، تمام مسائل کا علاج ہے
جھوٹی گواہی، بدترین سود اور شرک
ظلم و ستم اور حرص کے نقصانات
کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا
عذاب الٰہی سے بچاؤ کی صورت

جلد ہفتم

معرفت الٰہی
صحابہ ؓ کا ایمان سیکھنا
اوقات نماز کی حکمتیں
آخرت کی تیاری
تین طلاق کا حکم
زندگی کے مراحل
مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق
مخلوق کے ساتھ حسن سلوک
حرام اشیاء کی خرید و فروخت

جلد ہشتم

سنت کے مطابق نماز پڑھنا
نماز۔۔ مناجات الٰہی کا نام
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
نیک لوگوں کی صحبت
عبدیت کاملہ
امت میں اختلاف کا سبب
جدید تعلیم کے نتائج
بغیر علم کے مسئلہ بتانا
گیارہویں شریف
تعلق مع اللہ اور تصوف